خزار، اہل یہود کا

تیرھواں قبیلہ



آرتھر کوسلر (CBE)

ہوش ربا و بصیرت افروز معلومات جن سے عوام الناس کی بڑی اکثریت ناواقف ہے۔ غیر اسرائیلی قبیلہ جو نسلا ''اسرائیل کی موجودہ آبادی کا تقریبا'' ۸۰ فیصد جبکہ اصل اسرائیلی محض ۲۰ فیصد ہیں!

مترجم ـــــــــــــــ نعیم بیرمپوری

خزاروں کی داستان کی نوعیت عجیب ڈھنگ سے پنہاں ہے؛ اپنے ڈھب سے یہودی بنے، قریبا" تین سو سال تک عروج وزوال کے مراحل طے کئے، ان کی سلطنت، زمانے کی دہلیز پر مبہم، غیر مبہم نشانات چھوڑتے ہوئے معدوم ہو گئی۔ مختلف النسل غیر سامی ہونے کے باوجود سامیوں میں ایسے ضم ہوئے کہ آج نسبتا" انہی کا بول بالا ہے۔

چند اشارات

- (خزاروں کے)۔۔ آباؤاجداد اردن سے نہیں وولگا، اور کنعان سے بھی نہیں قفقاز سے آئے؛۔۔ ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کی نسل کی بنسبت۔۔۔ ہن، اِیگور اور مگیار قبائل سے۔۔۔
- خزِاروں نے بھی ایک منتخب نسل کا دعویٰ کیا،۔۔۔ حالانکہ وہ ابراہیم کی نسل سے نہیں۔۔
- سلجوق۔۔ مسلم ترکی کے حقیقی بانی۔۔۔ غزوں کی دوسری شاخ۔۔ عظیم سلجوق خاندان کا خزِاروں کے ساتھ گہرا رشتہ۔۔۔
- مشرقی یہودیوں کا بڑا حصہ اور اسی لیے عالمی یہودیوں کا سامی کے بجائے خزِار- ترکی اصل کا ہے۔

صاحب تصنیف

آرتھر کوسلر 1905 میں بوڈاپیسٹ میں پیدا ہوا۔ ویانا میں سائنس اور نفسیات کی تعلیم حاصل کی لیکن بیس سال کی عمر میں وہ مشرق وسطیٰ، پیرس، برلن، روس اور اسپین کے مختلف یورپی اخبارات کیلئے غیر ملکی نامہ نگار بن گیا۔ ہسپانوی خانہ جنگی کے دوران ریپبلکن کی طرف سے نامہ نگاری کرنے کی پاداش میں گرفتار ہوا اور قوم پرستوں کے ہاتھوں کئی ماہ تک قید جھیلی لیکن بین الاقوامی احتجاج کے بعد اس کا تبادلہ کر دیا گیا۔ وہ 40-1939 میں ایک فرانسیسی حراستی کیمپ میں نظر بند ہوا۔ رہائی کے بعد برطانوی حکومت کی مداخلت پر وہ فرانسیسی غیر ملکی لشکر میں شامل ہو گیا، بعد ازاں وہاں سے فرار ہو گیا اور انگلستان آکر برطانوی فوج میں بھرتی ہو گیا۔ تیس کی دہائی میں بہت سے دیگر دانش وروں کی طرح کیسلر کو فاشزم کے متبادل سوویت یونین کے تجربہ میں امید کی کرن دکھائی دی اور 1931 میں کمیونسٹ پارٹی کا رکن بن گیا، لیکن 1938 میں ماسکو کی پر تشدد معزولیوں کے دوران مایوس ہو کر پارٹی چھوڑ دی۔ اس کی ابتدائی کتب بنیادی طور پر ان تجربات پر مبنی ہیں جو اس کے سوانحی مضامین یا سیاسی ناول کی شکل میں منظر عام پر آئیں۔ مؤخر الذکر میں ڈارکنس ایٹ نون کا تینتیس زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد مسٹر کیسلر برطانوی شہری بن گیا اور 1940 کے بعد اس نے تمام کتب انگریزی میں لکھیں۔ وہ اب لندن میں قیام پذیر ہے لیکن وہ اکثر امریکی یونیورسٹیوں میں لیکچر دیتا ہے۔ اور سٹینفورڈ,5-1964 میں سنٹر فار ایڈوانسڈ اسٹڈی ان دی ہیو ہیوریل سائنسز کا فیلو تھا۔ 1968 میں مسٹر کیسلر کو یورپی ثقافت پر مضامین کے ضمن میں کوپن ہیگن یونیورسٹی سے سوننگ انعام ملا۔ وہ کمانڈر آف دی آرڈر آف دی برٹش ایمپائر بھی ہے نیز رائل سوسائٹی آف لٹریچر کے دس منتخب اصحاب میں سے ہے۔ اس کی تخلیقات اب جمع شدہ ایڈیشن بیس جلدوں میں دوبارہ شائع ہو رہی ہیں۔

فہرست

خزاروں کا عروج وزوال

عروج

'خزاریہ میں بھیڑیں، شہداور یہودی بکثرت ہیں'' مقدّسی، Descriptio imperii Moslemici (10th 'century)

باب ا

شارلمین جب مغرب کا شہنشاہ تھا، تقریبا''اس وقت قفقاز اور وولگا کے درمیان یورپ کی مشرقی حدود پر خزار سلطنت کے نام سے یہودی حکومت قائم تھی۔ ساتویں سے دسویں صدی تک اپنی طاقت کے عروج پر اس نے قرون وسطیٰ اور نتیجتاً جدید یورپ کی تقدیر کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا.(بازنطینی شہنشاہ اور مورخ، کانسٹینٹائن پورفیرو جینیٹس 959-913، نے اپنے مقالے میں درباری دستاویز درج کی تو وہ اس سے بخوبی واقف ہوگا)، وہ خطوط جو روم میں پوپ اور مغرب کے شہنشاہ کے نام لکھے گئے ان پر سونے کے دو سکوں کے برابر مہر لگی ہوئی تھی جب کہ خزاروں کے بادشاہ کیلئے پیغامات پر ثبت مہر سونے کے تین سکوں کے برابر تھی۔ یہ خوشامد نہیں بلکہ حقیقی سیاست تھی۔ بری نے لکھا "جس دور سے ہمارا تعلق ہے،"، "امکان ہے کہ شاہی خارجہ پالیسی کے پیش نظر چارلس دی گریٹ اور اس کے جانشینوں کے مقابلتا'' خزاروں کے خان کی اہمیت بہت کم تھی۔"(2) ترکی النسل ملک کے خزاروں نے بحیرہ اسود اور کیسپین کے درمیان ایک اہم فوجی کلیدی گذرگاہ پر قبضہ کیا جہاں اس زمانے کی عظیم مشرقی طاقتوں نے ایک دوسرے کا سامنا کیا. انہوں نے بازنطیم کو شمالی میدانوں کے ہوس پرست وحشی قبائل۔۔بلگار، مگیار، پیچینگس۔۔اور بعد میں وائکنگز اور روسی حملوں سے بچانے کیلئے بحیثیت فصیل کام سرانجام دیا۔ یکساں طور پر یا اس سے بھی زیادہ بلکہ دونوں، بازنطینی سفارت کاری اور یورپی تاریخی نکتہ ء نظر سے اہم حقیقت یہ ہے کہ خزاری فوجوں نے مؤثر طریقے سے مشرقی یورپ کی طرف عرب مسلم فتوحات کے ابتدائی تباہ کن بڑھتے ہوئے ناگہانی مصائب و حوادث کو روکا۔ خزاروں کی تاریخ پر مستند فاضل کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر ڈنلوپ نے اس پر ابھی تک تقریباً نامعلوم فیصلہ کن واقعہ کا ایک مختصر خلاصہ کیا ہے:

خزار ملک۔۔ عربوں کی پیش قدمی کی فطری لکیر کے اس پار واقع ہے۔ محمد (632ء) کی وفات کے چند سال بعد خلافت کی افواج اپنے آگے دو بڑی سلطنتوں کے ملبے پر جھاڑو پھیرتی ہوئی شمال کی طرف قفقاز کی عظیم پہاڑی رکاوٹ تک پہنچ گئیں۔اس رکاوٹ کو پار کرنے کے بعد مشرقی یورپ کی زمینوں کیلئے سڑک کھلی تھی۔قفقاز کی سرحد پر عربوں کی مڈ بھیڑ منظم طاقت ور افواج سے ہوئی جنھوں نے ان کی فتوحات کو اس سمت مزید بڑھنے سے روک دیا۔

عربوں اور خزاروں کی جنگیں جو سو سال سے زیادہ تک جاری رہیں اگرچہ بہت کم معروف ہیں لیکن تاریخی طور پر پُراہمیت ہیں۔ٹورز کے میدان میں چارلس مارٹل کے فرانکوں نے عربوں کے ریلے کا رخ موڑ دیا۔مشرق میں تقریباً اسی وقت یورپ پر حملہ کا خطرہ بھی کچھ کم نہیں تھا۔۔ خزاری سلطنت نے فاتح مسلم افواج کا مقابلہ کرکے روکا۔اس میں شاذ و نادر ہی شک ہوتا کہ اگر خزارے موجود نہ ہوتے اور عرب قفقاز کے شمال میں واقع مشرقی یورپی تہذیب کی فصیل خطہ باز نطیم کو نرغے میں لے لیتے تو آج عیسائیت اور اسلام کی تاریخ شاید اس سے بہت مختلف ہوتی۔3 ان حالات کے پیش نظر یہ شاید کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ 732ء میں عربوں پر خزار کی دھوم مچا دینے والی فتح کی وجہ سے مستقبل کے شہنشاہ قسطنطین پنجم نے خزار شہزادی سے شادی کی۔ ان کا بیٹا اسی دوران شہنشاہ لیو چہارم بن گیا جو لیو خزار کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ جنگ کا آخری معرکہ 737ء میں خزاروں کی شکست پر ختم ہوا۔ لیکن اس وقت مسلمانوں کے جہاد کا زور ٹوٹ چکا تھا، خلافت اندرونی اختلافات کی وجہ سے ہل چکی تھی اور عرب حملہ آور شمال میں قفقاز کے پار مستقل طور پر قدم جمائے بغیر انہی قدموں پر لوٹ گئے جب کہ اسی دوران خزار پہلے سے زیادہ طاقت ور ہو گئے۔چند سال بعد، غالباً 740ء میں بادشاہ، اس کے دربار اور فوجی حکمران طبقہ نے یہودی عقیدہ قبول کیا اور یہودیت خزاروں کا ریاستی مذہب بن گیا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے ہم عصر اس فیصلے سے اتنے ہی حیران ہوئے جتنے جدید علماء، تاوقتیکہ عرب، باز نطینی، روسی اور عبرانی ذرائع سے ثبوت نہ مل گئے۔تازہ ترین تبصرے ہنگری کے مارکسی مورخ ڈاکٹر انٹل بارتھا کی کتاب The Magyar Society in the Eighth and Ninth Centuries4 میں ملتے ہیں۔خزاروں کے متعلق کئی ابواب ہیں کیونکہ اس دور میں ہنگری پر زیادہ تر ان کی حکمرانی تھی۔ابھی تک ان کی یہودیت میں تبدیلی پر ایک ہی عبارت میں بحث کی گئی ہے اس میں آپ پڑھتے ہیں:

وہ بھی واضح شرمندگی لیئے۔ ہماری تحقیقات نظریات کی تاریخ سے متعلقہ مسائل کی وضاحت نہیں کر سکتیں لیکن ہمیں قارئین کی توجہ خزار سلطنت کے ریاستی مذہبی معاملے کی طرف مبذول کرانی چاہیے۔ یہ یہودی عقیدہ تھا جو معاشرے کے حکمران طبقات کا سرکاری مذہب بن گیا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہودی عقیدے کی قبولیت غیر یہودی نسلی لوگوں کے ریاستی مذہب اپنانے کے متعلق قیاس آرائیاں دلچسپ موضوع بن سکتا ہے۔ ہم صرف تبصرہ کریں گے کہ — باز نطیم سے عیسائی مذہب اور مشرق سے مسلم اثرورسوخ کی مخالفت میں، اور ان دو طاقتوں کے سیاسی دباؤ کے باوجود — ایک ایسے مذہب کیلیئے باضابطہ تبدیلی جسے کسی سیاسی طاقت کی حمایت حاصل نہ تھی اور جس پر تقریباً ہر طرف سے ظلم وستم روار کھا گیا، خزاروں سے متعلقہ تمام مورخین کیلیئے حیران کن ہے، اسے حادثاتی نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ اسے اس سلطنت کی آزادانہ پالیسی کی علامت سمجھنا چاہیے۔

ہمارے لئے پہلے کی نسبت جو قدرے زیادہ پریشان کن ہے، اس کے باوجود ذرائع کی تفصیل میں معمولی سا اختلاف ہے لیکن اہم حقائق تنازعات سے بالاتر ہیں۔ بارہویں یا تیرھویں صدی میں یہودی خزاروں کی سلطنت کی تباہی کے بعد ان کی قسمت ایک متنازعہ امر ہے۔ اس مسئلہ پر ذرائع بہت کم ہیں لیکن بعد میں قرون وسطیٰ کے کریمیا، یوکرین، ہنگری، پولینڈ اور لتھوانیا میں خزاروں کی مختلف بستیوں کا ذکر ملتا ہے۔ معلومات کے ان بکھرے ٹکڑوں سے جو عمومی تصویر ابھرتی ہے وہ خزاری قبائل اور برادریوں کا مشرقی یورپ میں اس طرف ہجرت کرنا ہے جو زیادہ تر روس اور پولینڈ کے خطے ہیں جہاں جدید دور کے آغاز میں یہودیوں کی سب سے بڑی تعداد پائی جاتی تھی۔ اس سے بہت سے مورخین نے یہ اندازہ لگایا کہ کافی حصہ اور شاید مشرقی یہودیوں کی اکثریت یعنی عالمی یہودیوں کی بڑی تعداد سامی النسل کے بجائے خزاری نسل ہو سکتی ہے۔ مورخین اگرچہ اس سے کاملا" گریز تو نہیں کرتے لیکن اس مفروضے کے اس موضوع تک پہنچنے میں دوررس اثرات اس بے حد احتیاط کی وضاحت کر سکتے ہیں۔ اس طرح 1973ء میں انسائیکلوپیڈیا جوڈیکا کے ایڈیشن میں مضمون "خزارے" پر ڈنلوپ نے دستخط کیے ہیں، لیکن "سلطنت کے زوال کے بعد خزارہ یہودیوں" کے متعلق الگ سیکشن، جس پر ایڈیٹرز نے دستخط کیے اور صاف نیت سے لکھا کہ برگزیدہ نسل ہونے کے عقیدہ پر یقین رکھنے والوں کو پریشان کرنے سے پرہیز کیا:

ترکی بولنے والے کریمیا، پولینڈ، اور دوسری جگہوں کے اہل تورات [ایک بنیاد پرست یہودی فرقہ]، نے خزاروں کے ساتھ تعلق کی تصدیق کی ہے، اس کی لوک داستانوں اور بشریات کے ساتھ ساتھ زبان کے شواہد سے بھی تصدیق

ہوتی ہے۔ایسا لگتا ہے کہ یورپ میں خزاروں کی اولاد کی مسلسل موجودگی کی تصدیق کیلئے کافی ثبوت موجود ہیں۔ بلحاظ تعداد شیم کے خیموں میں یافث کے کاکیشین بیٹوں کی "موجودگی" کتنی اہم ہے؟ خِزاریوں کی اصل کے مفروضے کے تجویز پیش کنندگان میں سب سے زیادہ انتہا پسند تل ابیب یونیورسٹی میں قرون وسطیٰ کی یہودی تاریخ کا پروفیسر اے۔این۔پولیاک ہے۔اس کی کتاب خِزاریا (عبرانی میں) 1944ء میں تل ابیب سے شائع ہوئی اور دوسرے ایڈیشن 1951 .5 کے تعارف میں لکھتا ہے:

حقائق ایک نئے نکتہ ء نظر کا تقاضا کرتے ہیں کہ دونوں ہی مسائل یعنی خِزاری یہودیوں اور دیگر یہودی برادریوں کے درمیان تعلقات؛اور یہ سوال کہ ہم تحقیق کیلئے کہاں تک جا سکتے ہیں کہ مشرقی یورپ میں اس بڑی آبادکاری کو خِزاری یہودیوں کا مرکز قرار دیں۔اس آبادکاری کی اولاد۔۔۔وہ لوگ جو وہیں ٹھہرے رہے۔۔۔وہ جو امریکہ اور دیگر ممالک میں ہجرت کر گئے اور جو اسرائیل چلے گئے۔۔۔وہی اب دنیا کی بڑی یہودی اکثریت ہیں۔

یہ یہودیوں کی بڑے پیمانے پر سوختنی کے بخوبی معلوم ہونے سے قبل لکھی گئی تھی لیکن اس حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی کہ دنیا میں باقی ماندہ یہودیوں کی بڑی اکثریت مشرقی یورپ سے ہے۔اس طرح شاید بنیادی طور پر اصل خِزاری ہے۔اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے آباؤاجداد اردن سے نہیں بلکہ وولگا سے،اور کنعان سے نہیں بلکہ قفقاز سے آئے جو ایک زمانے میں آریائی نسل کا گہوارہ مانا جاتا تھا؛اور یہ کہ ابراہم،اسحاق اور یعقوب کی نسل کی بنسبت توالد و تناسل کی رو سے ان کا زیادہ گہرا تعلق ہن،اِیگور اور مگیار قبائل سے ہے۔اگر نتیجہ یہی نکلتا ہے تو اصطلاح "یہود۔۔۔دشمنی" کا مفہوم باطل ہو جائے گا،جس کی بنیاد قاتل و مقتول متاثرین کی غلط فہمی پر رکھی گئی تھی۔ خِزاری سلطنت کی کہانی جیسے یہ آہستہ آہستہ ماضی کے دھندلکوں سے ابھرتی ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے یہ ظالم ترین فریب ہے جس کی مرتکب تاریخ ہے۔

باب 2

"اٹیلا لے دے کر محض خیموں کی سلطنت کا بادشاہ تھا۔اس کی ریاست ماضی بن گئی جبکہ حقیر شہر قسطنطنیہ ایک طاقت بنا رہا۔خیمے معدوم ہو گئے،شہر باقی رہ گئے۔ہن ریاست ایک جھکڑ تھی۔"انیسویں صدی کے مستشرق کا سیل 6 کا مطلب یہ ہے کہ خِزاروں نے ایسی ہی وجوہات کی بنا پر ویسی ہی قسمت میں اشتراک کیا۔پھر بھی یوروپی منظر نامے

پر ہن کی موجودگی محض اسّی سال تک ہی رہی، (تقریباً 372 سے 453ء میں اٹیلا کی موت تک، جب ہنوں نے پہلی بار لق ودق صحرا اسے مغرب کی جانب کیسپین کے شمال سے بڑھنا شروع کیا)، جبکہ خزاروں کی بادشاہت نے چار صدیوں کے عرصے میں مدت مدید تک قبضہ برقرار رکھا۔ وہ بھی خصوصا'' خیموں ہی کے باسی تھے لیکن ان کی بڑی شہری آبادیاں بھی تھیں اور وہ ایک خانہ بدوش جنگجوؤں کے قبیلے سے کسانوں، مویشی بانوں، ماہی گیروں، انگور کے کاشت کاروں، تاجروں کی قوم اور ہنر مند کاری گر بننے کیلئے تبدیلی کے عمل سے گذر رہے تھے۔ سوویت کے ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے نسبتا'' ترقی یافتہ تہذیب کے ثبوت کا پتہ لگایا ہے جو "ہن بگولے" سے بالکل مختلف تھی۔ انہوں نے کئی میل تک پھیلے دیہات کے نشانات، 7۔ مویشیوں خانوں، بھیڑ۔۔ باڑے اور اصطبلوں سے ملحقہ بڑے گھر جو گیلریوں کے ذریعے جڑے ہوئے تھے (ان کی پیائش 14-10 x 31/2 -3 میٹر تھی جو ستونوں پر کھرے تھے۔) 8 باقی ماندہ بیلوں کے ہَل اعلٰی قسم کی صناعی کا نمونہ تھے؛ اسی طرح محفوظ نوادرات۔ بکسوئے، آنکڑے اور سجاوٹی زِینیں، زمین میں دھنسی گہری بنیادیں، گول دائرے کی شکل میں تعمیر کئے مکانات میں خصوصی دلچسپی تھی 9 سوویت ماہرین آثار قدیمہ کے مطابق خزاروں کے تمام رہائشی علاقوں میں پائے گئے تھے۔ یہ ان کی "عام" مستطیل عمارتوں سے پہلے دور کی تھیں۔ ظاہر ہے کہ گول گھر گنبد نما خانہ بردوش خیموں سے مستقل رہائش گاہوں تک، خانہ بدوشی سے مستقل یا نیم مستقل سکونت پذیر زندگی تک منتقلی کی علامت ہیں۔ ہمیں ہم عصری عرب ذرائع سے پتہ ملتا ہے کہ خزار صرف اپنے قصبوں میں ٹھہرتے تھے یہاں تک کہ موسم سرما کے بعد موسم بہار آیا تو بمع مال ومتاع انہوں نے اپنے خیمے باندھے، گھروں کو خیر باد کہا اور بھیڑ بکریوں یا مویشیوں سمیت میدانوں میں چلے گئے یا اپنے مکئی کے کھیتوں یا انگور کے باغوں میں ڈیرے ڈالے۔ کھدائیوں سے یہ بھی ظاہر ہوُا کہ اپنے بعد کے دور، آٹھویں اور نویں صدیوں میں سلطنت قلعہ بندیوں کے ایک اجتہادی سلسلہ سے چاروں طرف سے گھری ہوئی تھی جس نے کھلے میدانوں کے سامنے والی شمالی سرحدوں کی حفاظت کی۔ ان قلعوں نے کریمیا سے (جس پر خزاروں نے کچھ وقت تک حکومت کی) Donetz اور Don to the Volga کی طرف ایک بھدی سی نیم دائرہ سی قوس بنائی؛ جبکہ جنوب کی طرف قفقاز، مغرب میں بحیرہ اسود اور مشرق میں بحیرہ خزار، کیسپین سے ان کی حفاظت ہوئی۔ ("آج تک، مسلمان، عرب خزاری چھاپوں کی دہشت کو یاد کرتے ہوئے اب بھی کیسپین کو ایک ایسا سمندر کہتے ہیں جو خانہ بدوشوں کی طرح جگہ بدلتا رہتا ہے اور اپنے صحرائی علاقوں کی زمین کے حصے کو دھوڈالتا ہے، بہر الخزار — "بحیرہ خزار"۔ (W. E. 0. Allen, A History of the Georgian People,

(London 1952.) خِزار سلطنت کے مستحکم مرکز کی حفاظت کیلئے قلعہ بندیوں کی شمالی زنجیر کو محض ایک اندرونی حلقہ کے طور پر نشان زد کیا گیا ہے؛ خِزار سلطنت کا شمالی قبائل پر تسلط کی اصل حدود میں اتار چڑھاؤ مال غنیمت پہ منحصر تھا۔ اپنی طاقت کے عروج کے زمانے میں انہوں نے تقریبا" تیس مختلف قوموں اور قبائل سے جو قفقاز، بحیرہ ارال، یورال پہاڑ، قصبہ کی ایوا اور یوکرین کے میدان کے درمیان آباد وسیع علاقے ہیں، سے خراج وصول کیا۔ خِزاروں کے محدود زیر تسلط بلگاری، برطاس، غز، مگیار (ہنگیرین) کریمیا کی گوتھک اور یونانی کالونیاں، اور شمال مغرب میں سلاوونک قبائل کے جنگلی علاقوں کے لوگ شامل تھے۔ ایم۔ آئی۔ آرٹامونوو 10 سوویت ماہر آثار قدیمہ کے الفاظ میں:

اس توسیعی تسلط سے آگے خِزاری افواج نے جارجیا اور آرمینیا پر بھی یورش کی اور عرب خلافت میں موصل تک گھس گئے۔ بحیرہ اسود کے شمالی اور نیپر سے ملحقہ میدانی اور جنگلی علاقوں میں نویں صدی تک خِزاروں کی بالادستی کا کوئی حریف نہیں تھا۔ خِزارے مشرقی یورپ میں ڈیڑھ صدی تک جنوبی نصف کے اعلیٰ آقا تھے اور ایک مضبوط فصیل بنے رہے جس نے ایشیا سے یورپ کی یورال- کیپیین شاہراہ اور اس مدت کے دوران انہوں نے مشرق سے خانہ بدوش قبائل کے سخت حملوں کو روکے رکھا۔ مشرق کی عظیم خانہ بدوش سلطنتوں کی تاریخ پر سرسری نظر سے خِزارہ سلطنت سے پہلے ہن اور اوار سلطنتوں اور مابعد منگول سلطنت دور، حجم اور تہذیب کے پیش نظر درمیانی حیثیت رکھتی ہے۔

باب 3

لیکن یہ غیر معمولی لوگ کون تھے—طاقت اور کامیابیوں کے لحاظ سے اتنے ہی غیر معمولی جتنا ان بے خانماں لوگوں کا مذہب اختیار کرنا؟ تفصیلات جو ہمیں متضاد ذرائع سے مہیا ہوئی ہیں جن پر بلا تحقیق بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک عرب تاریخ نویس 11 لکھتا ہے، "جہاں تک خِزاروں کا تعلق ہے وہ آباد زمین کے شمال میں 7 ویں آب وہوا کی طرف ہیں، جن کے سروں پر ہَل کا برج ہے۔ ان کی زمین سرد اور نم دار ہے۔ رنگت سفید، آنکھیں نیلی، ان کے بال آبشاری اور سرخی مائل، عظیم الجثہ اور فطرتا" پتھر دل ہوتے ہیں۔ ان کا عمومی رویہ وحشیانہ ہے. "صد سالہ جنگ کے بعد ظاہر ہے کہ عرب مصنف کو خِزاروں سے کوئی بڑی ہمدردی نہیں تھی اور نہ ہی جارجیائی یا آرمینیائی کاتبوں کو جن کے ممالک کی ثقافت بہت پرانی تھی جو خِزار گھڑ سواروں کے ہاتھوں بار بار تباہ ہوئے۔ ایک جارجیائی وقائع نگاری میں

ایک قدیم روایت ان کی شناخت یاجوج اور ماجوج کے میز بانوں سے کرتی ہے۔" وحشت انگیز چہروں والے وحشی آدمی اور جنگلی درندوں کے آداب، خون کھانے والے "12 ایک آرمینیائی مصنف کا حوالہ ہے۔ "گستاخ، چوڑے چکلے، بھونؤں کے بغیر چہروں اور عورتوں جیسے آبشاری بالوں والے خزاروں کے دہشت ناک ہجوم۔"13 آخر میں عرب جغرافیہ دان استخری، جو ایک بڑا عرب ماخذ ہے، کا یہ کہنا ہے کہ 14

" خزارے ترکوں سے مشابہت نہیں رکھتے۔ وہ کالے بالوں والے دو قسم کے ہیں۔ ایک جنہیں کارا... خزارے کہا جاتا ہے، [سیاہ خزارے] گہری سیاہی مائل گویا وہ ایک قسم کے ہندوستانی ہیں، دوسرے سفید قسم کے [اک ... خزارے]، جو حیرت انگیز طور پر خوبصورت ہیں۔" یہ زیادہ خوشامد ہے جو صرف الجھن میں اضافہ کرتی ہے۔ کیونکہ ترکوں میں یہ رواج تھا کہ حکمران طبقے یا قبیلوں کو لوگ "سفید" کہتے ہیں، نچلے طبقے کو "سیاہ" کہتے ہیں۔ اس طرح اس بات پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ "سفید بلگار" "سیاہ بلگاروں" سے زیادہ سفید فام تھے یا یہ کہ "سفید ہنز" (افطالی) جنہوں نے پانچویں اور چھٹی صدی میں ہندوستان اور فارس پر حملہ کیا، یورپ پر حملہ کرنے والے دیگر ہن قبیلوں کی جلد مقابلتاً "زیادہ خوب صورت تھی۔ استخری کے سیاہ چمڑے والے خزار، جتنا ان کی اور ان کے ساتھیوں کی تحریروں میں ہے، سنی سنائی باتوں اور افسانوں پر مبنی تھے اور ہمارے پاس خزاروں کی جسمانی شکل یا ان کے نسلی ماخذ کے متعلق زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ آخری سوال کا جواب صرف مبہم اور عمومی انداز میں دیا جاسکتا ہے۔ لیکن ہنوں، ایلانوں، آواروں، بلگاروں، مگیاروں، باشکروں، برٹاسوں، صبیروں، اویگروں، سارا گروں، اونو گروں، یوٹیگروں، کٹر یگروں، ترنیاکوں، کوٹر یگروں، خباروں، کمانوں، غزوں، پیچنیگوں، کیچکوں اور درجنوں دوسرے قبائل یا لوگوں کی اصلیت کے متعلق پوچھ گچھ کرنا بھی اتنا ہی مایوس کن ہے جو خزارہ دور حکومت کے دوران اس ہجرتی کھیل کے میدان سے کسی نہ کسی وقت ہوتے ہوئے گزرے ہیں۔ یہاں تک کہ ہن جن کے متعلق ہم بہت کچھ جانتے بھی ہیں، ان کی اصل غیر یقینی ہے۔ ان کا نام بظاہر چینی ہیو نگ-نو سے ماخوذ ہے جو جنگجوؤں کا نامزد کردہ ہے۔ عام طور پر خانہ بدوش، جبکہ دوسری قوموں نے اسی طرح اندھادھند طریقے سے ہن نام کا اطلاق کیا۔ ہر قسم کے خانہ بدوش گروہوں کو، بشمول مذکورہ بالا "سفید ہنز"، صابر، مگیار اور خزار۔ (یہ نوٹ کرنا دلچسپ ہے کہ جب انگریزوں نے پہلی جنگ عظیم میں "ہن" کی اصطلاح کو تحقیر آمیز معنوں میں استعمال کیا تو آبائی ہنگری میں اسکول کے بچوں کو فخر سے حب الوطنی کیلئے "ہمارے شاندار ہن آباؤاجداد کی تعریف و توصیف اور عزت کرنا" سکھایا جاتا تھا۔ بوڈاپیسٹ

میں "ہنّیا" کے نام سے خصوصی روئنگ کلب تھی اور اٹیلا اب بھی ایک مشہور پہلا نام ہے)۔ پہلی صدیء میں چینیوں نے بدمزاج ہن پڑوسیوں کو مغرب کی طرف بھگادیا اور اس طرح ان وقتاً ''فوقتاً'' مصائب کا دور شروع ہوا جو ایشیا سے کئی صدیوں تک مغرب کی طرف جاری رہا۔ پانچویں صدی کے بعد سے ان میں سے بہت سے مغرب کی طرف کوچ کرنے والے قبائل کو "ترک" کے عام نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ اصطلاح بھی چینی نژاد سمجھی جاتی ہے۔(بظاہر ایک پہاڑی کے نام سے ماخوذ) جو بعد میں تمام قبائل کا حوالہ دینے کیلیئے استعمال ہوتی تھی جو مشترکہ خصوصیات والی زبانیں بولتے تھے۔۔۔ "ترک" زبان کا گروپ۔ اس طرح اصطلاح ترک، اس معنی میں قرون وسطیٰ کے مصنفین استعمال کرتے تھے—اور اکثر جدید نسلی ماہرین سمیت، بنیادی طور پر مراد نسل نہیں، زبان ہے، اس لحاظ سے ہن اور خِزار "ترک" لوگ تھے۔(لیکن مگیار نہیں جن کی زبان کا تعلق۔Finno-Ugrian زبان کے گروپ سے ہے)۔ خِزاری زبان قیاساً ''ترکی کی ایک بولی چُوواش تھی جو ابھی تک وولگا اور سورا کے درمیان چُوواش خود مختار چُوواش سوویت جمہوریہ میں موجود ہے۔ چُوواش لوگ اصل میں بلگاروں کی اولاد مانے جاتے ہیں جو خِزاروں سے ملتی جلتی بولی بولتے تھے۔ لیکن یہ تمام روابط نہائت کمزور ہیں جو کم و بیش مشرقی ماہرین لسانیات کی قیاس آرائیوں پر مبنی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ہم جو احتیاتاً'' کہہ سکتے ہیں کہ خِزارے ایک "ترک" قبیلہ تھے جو شاید ہمارے عہد کی پانچویں صدی میں ایشیائی مرتفع میدانوں سے نکلے تھے۔ خِزار نام کی اصل اور جدید مشتقات جن سے اس نے جنم لیا ہے، بھی بہت ذہین قیاس آرائیوں کا موضوع رہا ہے۔ یہ غالباً ترکی لفظ کی جڑ، گاز "بھٹکنا" سے ماخوذ ہے۔ اور اس کا سیدھا مطلب ہے "خانہ بدوش"۔ عام لوگوں 7 کیلیئے مبینہ جدید مشتقات زیادہ دلچسپی کا باعث ہیں: ان میں روسی کوساک اور ہنگری ہسزار - دونوں لڑاکا گھڑ سواروں کی علامت ہیں؛(خِزار غالباً سربو-کروٹ کے بذریعہ خِزاروں کے متعلق یونانی حوالہ جات سے ماخوذ ہے) اور جرمن کیٹزر، بدعتی بھی، یعنی یہودی، اگر یہ مشتقات درست ہیں تو یہ ظاہر کریں گے کہ قرون وسطیٰ میں مختلف لوگوں کے تخیل پر خِزارے کافی اثر انداز ہوئے۔

باب 4

فارسی اور عربی تاریخ وار چند واقعات افسانوی اور گپ شپ کالم کا پرکشش امتزاج فراہم کرتے ہیں۔ وہ آغاز آفرینش سے آغاز کرکے چٹپٹی باتوں پر ختم کرتے ہیں۔ اس طرح یعقوبی، نویں صدی کا عرب مورخ خِزاروں کی اصل نوح کے تیسرے بیٹے یافث میں دریافت کرتا ہے۔ یافث بحیثیت محرک ادب میں بکثرت دہرایا جاتا ہے جبکہ

دیگر افسانے انہیں ابراہیم یا سکندر اعظم سے جوڑتے ہیں۔ خِزاروں کے متعلق چھٹی صدی نصف میں قدیم ترین حقائق پر مبنی حوالہ جات ایک شامی روزنامچے میں ملتے ہیں۔ "زکریارِیٹر"، (یہ دراصل ایک گمنام مرتب نے لکھا تھا اور اس کا نام ایک قدیم یونانی مورخ کے نام پر رکھا گیا تھا جس کے کام کا خلاصہ تالیف میں کیا گیا ہے)، اس میں خِزاروں کا تذکرہ ان لوگوں کی فہرست میں کیا گیا ہے جو قفقاز کے علاقے میں آباد ہیں۔ دیگر ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک صدی قبل سے بہت جانے پہچانے تھے ان کا ہنوں کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ 448ء میں بازنطینی شہنشاہ تھیوڈوسیئس دوم نے اٹیلا کو ایک سفارت بھیجی جس میں ایک مشہور خطیب بنام پرِسکس بھی شامل تھا۔ اس نے نہ صرف سفارتی مذاکرات کا بلکہ اٹیلا کے شاندار ضیافت ہال میں درباری سازشوں کے علاوہ اور جو کچھ ہو رہا تھا اس کا روزنامچہ بھی رکھا۔ وہ دراصل بہترین گپی کالم نگار تھا اور ہنوں کے رسم و رواج اور عادات کے متعلق معلومات کے اہم ذرائع میں سے ہے۔ لیکن پرِسکس کے پاس بھی ہنوں کی رعایا کے متعلق حکایات ہیں جنہیں وہ اکاتزیر کہتا ہے—یعنی بہت امکان ہے، اَک- خِزار یا "سفید" خِزارہ (جو "سیاہ" کارا خزار سے الگ ہے)۔ ("اکاتزیر" کا تذکرہ ایک صدی بعد گوتھ وحشیوں کے عظیم مورخ جورڈانیس نے جنگجوؤں کی بطور قوم کے نام بھی لیا ہے اور نام نہاد "راوینا کا جغرافیہ دان" ان کی واضح طور پر خِزاروں کے ساتھ شناخت کرتا ہے۔

یہ سب سے زیادہ جدید حکام کی طرف سے قبول کیا جاتا ہے. [ایک قابل ذکر استثناء مارکوارٹ تھا، لیکن ڈنلوپ کے خیالات کی تردید دیکھیں، اوپر۔ .pp. 7f،cit.) کیسیل، مثال کے طور پر نشان دہی کرتا ہے کہ پرِسکس کا تلفظ اور ہجے آرمینیائی اور جارجیائی طرز پر ہیں]۔ پرِسکس ہمیں بتاتا ہے کہ بازنطینی شہنشاہ نے اس جنگجو نسل کو اپنی طرف جیتنے کی کوشش کی لیکن لالچی خِزاری سردار جس کا نام کریداچ تھا، نے رشوت کو ناکافی سمجھا اور ہنوں کا ساتھ دیا۔ اٹیلا نے کریداچ کے حریف سرداروں کو شکست دی، اسے اکاتزیروں کا بطور واحد حکمران مسند نشین کیا اور اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی۔ کریڈاچ نے دعوت کیلئے اس کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا، اور کہا کہ "ایک فانی انسان کیلئے ایک

خدائی چہرے پر نظر ڈالنا بہت مشکل ہو گا، جیسے کوئی قرص خورشید کو دیکھنے کی بلا چوٹ جرآت نہیں کر سکتا، سب سے بڑے خدا کے چہرے پر اس سے بھی کم کوئی دیکھ سکتا ہے۔" اٹیلا ضرور خوش ہوا ہو گا۔ اس نے اپنی حکمرانی میں کریداچ کی تصدیق کی۔ پرِسکس کا تاریخی روزنامچہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ خِزارے یورپی افق پر پانچویں صدی

کے وسط میں ہنوں کی خود مختاری میں ماتحتوں کے طور پر نمودار ہوئے اور انہیں مگیار اور دیگر قبائل کے ساتھ ملا کر اٹیلا کے گروہ کے مؤخر نتیجے کے طور پر شمار کیا جا سکتا ہے۔

باب 5

اٹیلا کی موت نے ہن سلطنت کے خاتمے کے بعد مشرقی یورپ میں طاقت کا خلا پیدا کر دیا جس کے ذریعے ایک بار پھر خانہ بدوش گروہ یکے بعد دیگرے مشرق سے مغرب تک پھیل گئے۔ان میں اویگور اور آوار نمایاں تھے۔ایسا لگتا ہے کہ خزار اس دور کے بیشتر حصے میں جارجیا کے امیر قفقاز پار علاقوں اور آرمینیا پر بخوشی چھاپے مار کر قیمتی مال غنیمت سمیٹنے میں مصروف رہے۔چھٹی صدی کے دوسرے نصف کے دوران وہ قفقاز کے شمال میں قبائل کے درمیان غالب قوت بن گئے۔ان میں سے کئی ایک قبائل صابر،سار گور،سمندر، بالنجر، وغیرہ جن کا تاریخی ذرائع سے نام لے کر ذکر نہیں کیا جاتا، مطیع ہو گئے یا خزاروں میں جذب ہو گئے۔طاقت ور بلگاروں نے بظاہر سخت ترین مزاحمت کی لیکن وہ بھی (تقریباً 641ء) میں عبرت ناک شکست کے بعد نتیجتاً" دو حصوں میں بٹ گئے: کچھ جدید بلگاریہ کے علاقے مغرب میں ڈینیوب کی طرف ہجرت کر گئے، باقی شمال مشرق میں وسط وولگا کی طرف ہجرت کر گئے جو بعد میں خزار کے زیر تسلط رہے۔ہم اس داستان کے دوران ڈینیوبی اور وولگی بلگاروں سے بکثرت ملتے رہیں گے۔ایک خود مختار ریاست بننے سے پہلے خزاروں کو ابھی ایک اور قلیل المدتی طاقت کے تحت، بنام نہاد مغربی ترک سلطنت یا ترکوت سلطنت، اپنی تربیت کی تکمیل کرنا تھی۔یہ قبائل کا اتحاد تھا جو ایک حکمران کاگان یا خاگان کے زیر اہتمام ہوتا ہے: (یا کاکان یا خاقان یا چاگان وغیرہ مستشرقین ہجے کے متعلق مخصوص اسلوب رکھتے ہیں [ملاحظہ کریں ضمیمہ I]۔میں کیگن پر قائم رہوں گا جو مغربی آنکھوں کیلئے کم ترین نفرت انگیز ہے۔خزار میں، تاہم، عام استعمال میں ہے)۔ایک لقب جسے بعد میں خزارا حکمرانوں نے بھی اپنانا تھا۔یہ پہلی ترک ریاست، اگر کوئی کہہ سکے، ایک صدی تک قائم رہی (تقریبا 550-650ء) اور پھر شکست وریخت کا شکار ہو کر بلا نام ونشان معدوم ہو گئی۔تاہم اس مملکت کے قیام کے بعد ہی ایک مخصوص نام قوم پر لاگو ہوا اور "ترک" نام وجود میں آیا۔جیسا کہ دوسرے ترک بولنے میں خزاروں اور بلگاروں جیسے لوگوں سے الگ تھا۔(تاہم "ترک" نام کو بلا تمیز کسی میدانی خانہ بدوش قبیلے کیلئے حسن تعبیر میں وحشی یا "ہن" بطور مترادف اطلاق اب بھی مستعمل ہے۔اس نے قدیم ذرائع کی تشریح میں بہت زیادہ الجھن پیدا کی)۔ خزارے پہلے ہن پھر ترکی کی سرپرستی میں تھے۔ساتویں صدی کے وسط میں ترکوں کے گھنانے کے

بعد جیسا کہ فارسی اور بازنطینی اسے کہتے ہیں اب "شمالی سلطنت" کی باری تھی۔ایک روایت کے مطابق،15 عظیم فارس کے بادشاہ خسرو(چوسرو)انوشیر وان(مبارک)کے محل میں مہمانوں کیلیئے تین سونے کے تخت تھے جو بازنطیم، چین اور خزار کے شہنشاہوں کیلیئے مخصوص تھے۔ان طاقتوں میں سے کسی ریاستی دورے کی بیل منڈھے نہ چڑھی اور سنہری تخت اگروہ موجود تھے تو وہ ایک خاص علامتی مقصد کیلیئے تھے۔ حقیقت ہو یا افسانہ لیکن یہ کہانی شہنشاہ قسطنطین کی طرف سے خزاری حکمران کیلیئے تفویض کردہ شاہی محافظ خانہ میں سونے کی تہری مہر کے سرکاری بیان پر بخوبی منطبق ہوتی ہے۔

باب 6

ساتویں صدی کی پہلی چند دہائیوں کے دوران عرب سے مسلم سمندری طوفان بپا ہونے سے بالکل پہلے مشرق وسطیٰ پر طاقتوں کی مثلث کا غلبہ تھا: بازنطیم، فارس اور ترک مغربی سلطنت۔ان میں سے پہلے دو لڑ رہے تھے۔ سو سال سے ایک دوسرے کے خلاف وقفے وقفے سے جنگ کرنے کی وجہ سے غالبا'' دونوں ہی ڈھیر ہونے کے دہانے پر پہنچ چکے تھے۔انجام کار بازنطیم سنبھل گئی لیکن فارس بادشاہت جلد ہی ہلاکت سے دوچار ہونے والی تھی اور خزارے دراصل ان کے انجام کے منتظر تھے۔وہ اب بھی برائے نام مغربی ترک بادشاہت کے ماتحت تھے جس کے اندر وہ مؤثر ترین قوت کے نمائندہ ہونے کی وجہ سے جلد ہی کامیاب ہونے والے تھے؛ بمطابق 627ء رومی شہنشاہ ہیراکلئس نے فارس کے خلاف اپنی فیصلہ کن مہم کی تیاری کیلیئے سب سے پہلے خزاروں، بعد میں بعض دوسروں کے ساتھ فوجی معاہدے کیئے۔اس مہم میں خزاروں کے کردار کے متعلق کئی ایک فتیج روایات ہیں لیکن بنیادی حقائق اچھی طرح سے مسلم ہیں۔ خزاروں نے زیبیل نامی سردار کے ماتحت ہر قل کو 40،000 گھڑ سوار فراہم کیے، جنہوں نے پیش قدمی میں حصہ لیا۔یونانیوں کی محتاط حکمت عملی سے تنگ آ کر پھر غالباً تفلس کا محاصرہ کیا جو ناکام رہا لیکن اگلے سال وہ ایک بار پھر ہراکلیس کے ساتھ افواج میں شامل ہو گئے، جارجیا کے دارالحکومت پر قبضہ کر لیا اور کثیر مال غنیمت لے کر لوٹے۔ گبن نے (تھیوفینس پر مبنی)۔۔۔رومی شہنشاہ اور خزاری سردار 16 کے درمیان پہلی ملاقات میں خوب رنگ بھرے ہیں:

...آوار کے ساتھ خسرؤں کی مخالف لیگ کیلیئے رومی شہنشاہ نے ترکوں کے مفید اور معزز اتحاد کی مخالفت کی۔ (تکملہ سے پتہ چلتا ہے کہ "ترک" سے اس کا مطلب خزارے ہیں)۔ان کی صلائے عام پر چوزاروں نے اپنے خیمے

وولگا کے میدانی علاقوں سے جارجیا کے پہاڑوں پر گاڑدئے۔ ہر قل نے ان کا استقبال ٹفلس کے پڑوس میں کیا، اور خان اپنے اپنے امراء سمیت گھوڑوں سے اترے۔ وہ قیصر کے جامنی رنگ کی قدر و منزلت کی خاطر زمین پر سجدہ ریز ہو گئے۔ اس طرح کارضاکارانہ خراج عقیدت اور اہم امداد گرم ترین اعترافات کی حق دار تھی۔ اور شہنشاہ نے اپنا تاج اتار کر ترک شہزادے کے سر پر رکھا، سلام کیا اور پدرانہ شفقت سے بیٹا مخاطب کر کے بغل گیر ہوا۔ ایک شاندار ضیافت کے بعد اس نے پلیٹ اور زیورات، سونا، جواہرات اور ریشم، جو شاہی دستر خوان پر استعمال کیے گئے تھے، زیبل کو پیش کئے۔ اپنے ہاتھ سے نئے اتحادیوں کیلئے بیش بہا جواہرات اور بالیاں تقسیم کیں۔ ایک خفیہ ملاقات میں اس نے اپنی بیٹی یوڈوشیا کی تصویر پیش کی۔ وحشی کی خوشامد کیلئے خوبصورت اور شاہی دلہن کا وعدہ کیا؛ اس نے یوں چالیس ہزار گھوڑوں کی فوری مدد حاصل کی۔

یوڈوشیا (یا اپیفینیا) ہیرا کلئس کی پہلی بیوی سے اکلوتی بیٹی تھی۔ "ترک" کے ساتھ بیٹی کی شادی کرنے کا وعدہ ایک بار پھر بازنطینی دربار کی طرف سے مقرر کردہ خزاری اتحاد پر اعلیٰ اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔ تاہم، شادی بے نتیجہ ثابت ہوئی کیونکہ جب یوڈوشیا اپنے خدم و حشم کے ساتھ اس کے پاس جارہی تھی تو زیبل فوت ہو چکا تھا۔ تھیوفینس کا ایک مبہم حوالہ بھی ہے کہ زیبیل نے شہنشاہ کو ادل بدل کے طور پر "اپنا بے ریش بیٹا پیش کیا"؟

آرمینیائی خبر نامے میں ایک اور دلکش حوالہ ہے جس میں متن کا حوالہ دیا گیا ہے اس نے فارس کے خلاف دوسری مہم کیلئے خِزار حکمران کی طرف سے حکم نامہ جاری کیا جسے اجماعِ افواج کہا جاسکتا ہے۔ یہ "تمام قبائل اور لوگوں سے خطاب تھا [خِزار کے اختیار کے تحت]، پہاڑوں اور میدانوں کے باشندے چھتوں یا کھلے آسمان کے نیچے رہتے ہیں، اپنے سر کے بال منڈواتے یا لمبا رکھتے ہیں "17 اس سے ہمیں متضاد نسلی موزیک کی پہلی اطلاع ملتی ہے جسے خِزار سلطنت بننا تھا۔ اس پر حکمرانی کرنے والے "حقیقی خِزار" شاید ہمیشہ ایک اقلیت تھے، جیسے آسٹریائی باشندوں کی آسٹرو۔۔۔ ہنگری بادشاہت تھی۔

باب 7

فارس کی ریاست 627ء میں شہنشاہ ہرا کلییس کے ہاتھوں کرب ناک شکست سے کبھی جانبر نہ ہو پائی۔ ایک انقلاب آیا؛ بادشاہ کو اس کے بیٹے نے قتل کر دیا تھا جو چند ماہ بعد فوت گیا۔ ایک بچے کو تخت پر بٹھایا گیا اور دس سال کے

انتشار اور افرا تفری کے بعد منظر پر نمودار ہونے والی پہلی عرب فوجوں نے ساسانی سلطنت کو کاری ضرب لگائی۔ تقریباً اسی وقت مغربی ترک اتحاد اپنے قبائلی حصوں میں تحلیل ہو گیا۔ طاقتوں کی ایک نئی مثلث وجود میں آئی: اسلامی خلافت - عیسائی باز نطیم اور شمال میں نئی ابھرتی ہوئی خِزار سلطنت۔ اپنے ابتدائی مراحل میں عربوں کے حملے برداشت کرنے اور مشرقی یورپ کے میدانی علاقوں کو حملہ آوروں سے بچانے کیلئے یہ ذمہ داری ان پر آن پڑی۔

ہجرت کے پہلے بیس سال، 622ء میں محمد کا مدینہ کی طرف فرار، جہاں سے عرب کیلنڈر شروع ہوتا ہے- مسلمانوں نے فارس، شام، میسوپوٹیمیا، مصر فتح کیا اور باز نطینی مرکز (موجودہ ترکی) کو گھیر لیا۔ مہلک نیم دائرہ جو بحیرہ روم سے قفقاز اور کیسپین کے جنوبی ساحلوں تک پھیلا ہوُا تھا۔ قفقاز ایک زبردست قدرتی رکاوٹ تھی، لیکن پیر ینیس سے زیادہ امتناعی نہیں تھی چونکہ اس پر داریل درہ [جسے اب کسبیک درہ کہا جاتا ہے] کے ذریعے رکاوٹ دور کی جا سکتی تھی یا کیسپین ساحل کے ساتھ ساتھ دربند کی تنگ گھاٹی سے گزرنا ممکن تھا۔ یہ قلعہ بند گھاٹی جسے عربوں نے باب الابواب کا نام دیا جو ایک قسم کا تاریخی چکری دروازہ تھا جس کے بذریعہ خِزار اور دیگر قزاق قبائل نے زمانہ قدیم سے جنوبی ممالک پر حملہ کیا اور پیچھے ہٹ گئے۔ اب عربوں کی باری تھی۔ 642ء اور 652ء کے درمیان انہوں نے بار بار دربند گیٹ کو توڑا اور قریب ترین قصبے بالنجر پر قبضہ کرنے کیلئے خِزاریا میں دور تک آگے بڑھے اور اس طرح قفقاز کے یورپی جانب قدم جمانے کی کوشش کی۔ عرب۔۔ خِزار جنگ کے اس پہلے مرحلے میں وہ ہر موقع پر شکست سے دوچار ہوئے۔ آخری بار 652ء میں ایک عظیم جنگ جس میں دونوں فریقوں نے توپ خانے (کیٹپلٹس اور بیلسٹے) کا استعمال کیا۔ چار ہزار عرب مارے گئے جن میں ان کے کمانڈر عبدالرحمٰن بن ربیعہ بھی شامل تھا۔ باقی تتر بتر ہو کر پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔ . اگلے تیس یا چالیس سال تک عربوں نے خِزاروں کے گڑھ میں گھسنے کی مزید کوشش نہیں کی۔ ان کے اہم حملوں کا ہدف اب باز نطیم تھا۔ انہوں نے کئی مرتبہ [669, 673-8, 717-18] زمینی اور سمندری راستے سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔ اگر وہ قفقاز کے اس پار اور بحیرہ اسود کے گرد دارالحکومت سے آگے نکلنے میں کامیاب ہو جاتے تو شاید رومی سلطنت کی تقدیر پر مہر ثبت ہو جاتی۔ خِزاروں نے اس دوران بلگاروں اور مگیاروں کو زیر کر کے یوکرین اور کریمیا میں اپنی مغربی توسیع مکمل کی۔ لیکن اب یہ مال غنیمت اور قیدیوں کو اکٹھا کرنے کیلئے بے جا چھاپہ مار نہیں تھے۔ وہ فتح کی جنگیں تھیں؛ ان میں مفتوح لوگوں کو ایک مستحکم انتظامیہ کے ساتھ سلطنت میں شامل کیا گیا جس پر طاقتور کیگن کی حکومت تھی جس نے اپنے صوبائی گورنروں کو مفتوحہ علاقوں میں انتظامیہ اور ٹیکس

لگانے کیلئے مقرر کیا۔ آٹھویں صدی کے آغاز میں خزارہ ریاست کو عربوں کے خلاف جارحیت کیلئے کافی مضبوط کیا گیا تھا. ہزار سال سے زیادہ دوری کے عرصے میں وقفے وقفے سے جنگ کا دور شروع ہوًا (نام نہاد 'دوسری عرب جنگ' 722,37) جو مقامی طور پر اسی دہرائے جانے والے نمونے کی پیروی میں تھکا دینے والی اقساط جیسا لگتی ہے، خزار گھڑ سوار دستے بھاری ہتھیاروں کے ساتھ داریل یا دربند کے دروازے توڑتے ہوئے جنوب میں خلیفہ کی حدود میں داخل ہوتے ہیں؛ اسی درے یا تنگ گھاٹی سے عرب جوابی حملہ کرتے ہیں، وولگا کی طرف آکر وہاں سے پیچھے مڑ جاتے ہیں۔ اس طرح دوربین کے غلط سرے سے دیکھ کر کسی کو یارک کے عظیم ڈیوک کے متعلق پرانا گیت یاد آجاتا ہے جس کے دس ہزار آدمی تھے۔؛ "وہ انہیں پہاڑی کی چوٹی پر لے گیا اور انہیں دوبارہ نیچے لے آیا۔" درحقیقت، عرب ذرائع (اگرچہ وہ اکثر مبالغہ آرائی کرتے ہیں) 100،000 کی فوجوں کی بات کرتے ہیں، یہاں تک کہ 300،000 کی بھی، دونوں طرف سے برسرپیکار فوجی۔۔۔ شاید اسی وقت ٹورز کی جنگ میں ان فوجوں کی تعداد سے زیادہ جو مغربی دنیا کی قسمت کیلئے فیصلہ کن تھی۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے والا جنون جوان جنگوں کی خصوصیت تھی، جن کی مثال ایسے واقعات سے ملتی ہے جیسے ہتھیار ڈالنے کے متبادل کے طور پر پورے خزاری قصبے کا آگ میں کود جانا؛ ایک عرب جرنیل کا باب الابواب کا پانی زہر آلود کرنا یا شکست خوردہ عرب فوج کی بھگدڑ روکنے کیلئے روایتی وعظ کہنا کہ آخری آدمی تک لڑتے رہنا: "مسلمانو، باغ کی طرف نہ کہ آگ کی طرف"— مقدس جنگ میں موت کے بعد جنت کی خوشیاں ہر مسلمان سپاہی کیلئے یقینی بنائی جا رہی ہیں۔ ان پندرہ سال تک لڑنے کے دوران ایک مرحلے میں خزاروں نے جارجیا اور آرمینیا پر قبضہ کر لیا، اردبیل کی جنگ 730ء میں عرب فوج کو مکمل شکست سے دوچار کیا اور خلافت کے دارالحکومت دمشق کے آدھے راستے سے زیادہ، موصل اور دیار بکر تک پیش قدمی کی۔۔ لیکن ایک تازہ دم نئی مسلم فوج نے اس جوار بھاٹے کو روکا اور خزارے پہاڑوں کے پار گھروں کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ اگلے سال مسلمہ بن عبدالملک، اپنے وقت کا مشہور ترین عرب جرنیل جس نے پہلے قسطنطنیہ کے محاصرے کی کمان کی تھی، بلنجر سے شمال میں کافی دور ایک اور بڑے خزاری شہر سمندر تک پہنچ گیا۔ لیکن ایک بار پھر حملہ آور مستقل چھاؤنی قائم کرنے میں ناکام رہے اور بار دگر وہ قفقاز پار پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دئے گئے۔ رومی سلطنت میں چین کی سانس کے دوران ایک اور خاندانی اتحاد نے ایک جامع شکل اختیار کر لی جب تخت کے وارث کی شادی خزاری شہزادی سے ہوئی جس کے بیٹے نے بنام لیو خزاری باز نطیم پر حکومت کرنا تھا۔ آخری عرب مہم کی قیادت مستقبل کے خلیفہ مروان دوم نے کی تھی اور اس کا اختتام پیرک کی فتح پر منتج ہوًا۔ مروان نے خزارہ کیگن کو اتحاد کی پیشکش کی، پھر

دونوں دروں سے حیرت کن حملہ کیا۔ خزاری فوج ابتدائی جھٹکے سے جانبر نہ ہو سکی اور وولگا تک پیچھے ہٹ گئی۔ کیگن کو شرائط قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ مروان نے دیگر مفتوحہ ممالک میں معمول کے مطابق کیگن کو سچا عقیدہ قبول کرنے کی دعوت دی۔ کیگن نے تعمیل کی، لیکن اس کا اسلام قبول کرنا مونہہ زبانی عمل رہا ہوگا، کیونکہ عرب یا بازنطینی ذرائع میں اس واقعہ کے متعلق مزید ذکر نہیں۔اس کے برعکس چند سال بعد یہودیت کا قیام بحیثیت ریاستی مذہب دیرپا ثابت ہوُا۔ [اس تبدیلیءمذہب کی ممکنہ تاریخ 740ء ہے] اپنی فتوحات سے مطمئن مروان نے کوئی گورنر، انتظامی امور یا چھاؤنی بنائے بغیر خزاریہ کو خیر باد کہتے ہوئے افواج کو واپس ٹرانس کاکیشیا لے گیا۔اس کے برعکس تھوڑی دیر بعد اس نے جنوبی باغی قبائل کے خلاف خزاروں کے ساتھ ایک اور اتحاد کیلئے شرائط کی درخواست کی۔ یہ ایک تنگ فرار تھا.

جن وجوہات نے مروان کی ظاہری عظمت کو جنم دیا وہ قیاس کی بات ہے۔۔۔ جیسا کہ تاریخ کے اس عجیب و غریب باب میں ایسا اور بہت کچھ ہے۔ شاید عربوں کو احساس ہو گیا تھا کہ مہذب فارسیوں، آرمینیائی یا جارجیائی باشندوں کے برعکس شمال کے ان درندہ صفت وحشیوں پر مسلم کٹھ پتلی شہزادے اور چھوٹی سی محافظ فوج سے حکومت ممکن نہیں۔ مروان کو اس کے علاوہ اپنی فوج کے ہر آدمی کی اس لئے ضرورت تھی کہ وہ شام اور اموی خلافت کے دوسرے حصوں میں ہونے والی بڑی بغاوتوں کو فرو کرے جو اس کے انہدام کے مراحل میں تھیں۔ مروان خود اس کے بعد ہونے والی خانہ جنگیوں میں سپہ سالار اور 744ء میں آخری اموی خلیفہ تھا (چھ سال بعد قتل ہوُا جب خلافت بنو عباس کو منتقل ہوئی)۔اس پس منظر میں مروان اس حالت میں نہیں تھا کہ خزاروں کے ساتھ مزید جنگوں میں وسائل جھونک سکتا۔اسے ایسا سبق سکھانے پر قناعت کرنا پڑی جو انہیں قفقاز میں مزید دراندازیوں سے باز رکھے۔

اس طرح مغرب میں پائیرینیس اور مشرقی یورپ میں قفقاز کے اس پار مسلم کی بہت بڑی دوشاخہ تحریک دونوں محاذوں پر تقریباًبیک وقت روک دی گئی۔ چارلس مارٹل کے فرینکوں نے جیسے گال اور مغربی یورپ کو بچایا، اسی طرح خزاروں نے وولگا، ڈینیوب اور مشرقی رومن سلطنت کے مشرقی راستوں کو بچایا۔اس نکتے پر کم از کم سوویت ماہر آثار قدیمہ اور مورخ آرٹامونوف اور امریکی مورخ ڈنلوپ مکمل طور پر متفق ہیں۔ میں نے مؤخر الذکر کو پہلے ہی اس ضمن میں نقل کیا ہے کہ اگر خزارے نہ ہوتے تو "مشرق میں یورپی تہذیب کی مرکز بازنطیم خود کو عربوں سے پیچھے پاتی" اور تاریخ شاید ایک مختلف رخ اختیار کرتی۔ آرٹامونوف کی بھی یہی رائے ہے 18: خزاریہ مشرقی یورپ کی پہلی جاگیردار ریاست تھی جس کا رتبہ بازنطینی سلطنت اور عرب خلافت کے برابر تھا۔۔۔۔ یہ صرف خزاروں کے طاقت ور حملوں کی وجہ سے ہوُا جس نے عرب فوجوں کا رخ قفقاز کی طرف موڑ دیا جہاں بازنطیم نے ان کا مقابلہ کیا۔۔۔۔

آخر میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں روسی تاریخ کے پروفیسر دیمتری اوبولنسکی:19" عالمی تاریخ میں خزاروں کی شمال میں عربوں کے سخت حملے کے خلاف کامیابی سے قفقاز کی حد برقرار رکھنے میں ان کی اہم شراکت تھی۔" مروان نہ صرف خزاروں پر حملہ کرنے والا آخری عرب جنرل تھا بلکہ وہ کم از کم نظریہ کے لحاظ سے دنیا میں اسلام کے فتح کرنے کے نصب العین کیلئے ایک توسیع پسندانہ پالیسی کا علم بردار آخری خلیفہ بھی تھا۔ عباسی خلفاء کے ساتھ فتوحات کی جنگیں بند ہو گئیں، پرانی فارسی ثقافت کے دوبارہ زندہ ہونے والے اثرات نے ایک خوش گوار ماحول پیدا کیا اور بالآخر ہارون الرشید کے دور نے بغداد کی شان وشوکت کو جنم دیا۔

باب 8

پہلی اور دوسری عرب جنگوں کا طوفان فرو ہونے کے دوران خزارے باز نطینم تاریخ کے ایک انتہائی بھیانک واقعہ میں شامل ہو گئی جو زمانے کی خصوصیت تھی؛ اور اس میں خزاروں نے جو کردار ادا کیا۔ 685ء میں جسٹینین دوم، رائنو ٹمیٹس سولہ سال کی عمر میں مشرقی روم کا شہنشاہ بنا۔ گبن نے اپنے منفرد انداز میں نوجوان کی تصویر کشی کی ہے 20 : اس کے ولولے مضبوط تھے ؛ وہ غیر دانش مند ہونے کی وجہ سے ایک احمقانہ غرور کے نشے میں دھت تھا.... اس کے پسندیدہ وزیر دو انسان تھے جو انسانی ہمدردی میں سب سے کم زود حس تھے، ایک خواجہ سرا اور ایک راہب؛ اول الذکر نے شہنشاہ کی ماں کو کوڑے لگا کر درست کیا، مؤخر الذکر نے گستاخ باج گذاروں کے سر نیچے کر کے انہیں ایک دھیمی اور دھواں دار آگ کے اوپر لٹکا دیا۔

دس سال کی ناقابل برداشت غلط حکمرانی کے بعد ایک انقلاب آیا اور نئے شہنشاہ، لیونٹیئس نے جسٹینین کے عضو کاٹ کر اسے ملک بدری کا حکم دیا 21 : اس کی ناک یا شاید اس کی زبان اچھی طرح نہ کٹ سکی تھی۔ یونانی زبان کی خوش گوار لچک دار رائینو میٹس پر ("نکٹا") کا نام مسلط کر سکتی ہے؛ اور مسخ شدہ ظالم کو کریم۔۔ ٹارٹری کے خرسون میں جلاوطن کر دیا گیا، یہ ایک بستی تھی جہاں مکئی، شراب اور تیل غیر ملکی تعیشات کے طور پر درآمد کئے جاتے تھے۔ [جسٹینین کی سزا در اصل نسبتا،، ہلکی تھی۔ اس زمانے کا عام رجحان یہی تھا کہ سزائے موت کے بدلے فوجداری قانون کو انسان دوست بنایا جائے - ہاتھ کا کاٹنا (چوریوں کیلئے) یا ناک (زناکاری وغیرہ کیلئے) سب سے زیادہ عام رواج تھا۔ جب جانیں بطور کریم النفسی بخش دی جاتی تھیں تو باز نطینی حکمران خطرناک حریفوں کو اندھا کرنے کی مشق بھی کرتے تھے۔] خرسون میں اپنی جلاوطنی کے دوران جسٹینین تخت دوبارہ حاصل کرنے کیلئے سازش کرتا رہا۔ تین

سال کے بعد اس کے امکانات بہتر ہوئے تو باز نطیم میں واپس آکر لیو نٹیئس کو تخت سے اتار دیا اور ساتھ ہی اس کی ناک کاٹ دی۔ جسٹینین چیر سن سے فرار ہو کر کریمیا میں خزاروں کے زیر اقتدار قصبے ڈوروس میں چلا گیا اور خزاروں کے کیگن، بادشاہ بسیر یا بازیر سے ملاقات کی۔ کیگن نے باز نطینی خاندان کی پالیسیوں کی مرغن پائی میں انگلیاں ڈالنے کے موقع کا ضرور خیر مقدم کیا ہو گا، کیوں کہ اس نے جسٹینین کے ساتھ اتحاد کیا اور اس سے اپنی بہن کی شادی کر دی۔ یہ بہن، جس نے تھیوڈورا کے نام سے بپتسمہ لیا تھا، اور بعد میں اسے تاج پہنایا گیا تھا، ایسا لگتا ہے کہ گھناؤنی سازشوں کے اس سلسلہ وار میں وہی واحد مہذب انسان ہے، اور اپنے نکٹے شوہر سے (جو ابھی تیس کی دہائی کے اوائل میں ہی تھا) حقیقی محبت کی۔ اس جوڑے اور اس کے پیروکاروں کو اب آبنائے کرچ کے مشرقی ساحل پر واقع قصبہ فاناگوریہ (موجودہ تامان) میں منتقل کر دیا گیا تھا، جس کا گورنر ایک خزارہ تھا۔ یہاں انہوں نے خزاری فوجوں کی مدد سے باز نطیم پر حملے کی تیاریاں کیں جس کا بادشاہ بسیر نے وعدہ کیا تھا۔ لیکن نئے شہنشاہ، تبریاس III کے ایلچی نے بسیر کو اپنا ارادہ بدلنے پر آمادہ کیا کہ اگر وہ جسٹینین کو مردہ یا زندہ، باز نطینیوں کے حوالے کر دے تو اس کیلئے سونے کے بھاری انعام کی پیشکش ہے۔ اس کے مطابق بادشاہ بسیر نے اپنے دو خاص معتمدوں کو، جن کا نام پاپاٹیز اور بالگیٹر یس تھا، اپنے بہنوئی کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ لیکن وفادار تھیوڈورا کو اس سازش کی بھنک پڑی تو اس نے اپنے شوہر کو خبر دار کیا۔ جسٹنین نے پاپاٹیز اور بالگیٹر یس کو الگ الگ اپنے کوارٹرز میں مدعو کیا اور ہر ایک کا تانت سے گلا گھونٹ دیا۔ پھر اس نے بحری جہاز لیا، بحیرہ اسود کے پار ڈینیوب کے دہانے میں داخل ہوا اور ایک طاقت ور بلگاری قبیلے کے ساتھ نیا اتحاد کیا۔ ان کا بادشاہ ٹربولس اس وقت خزاری کیگن سے زیادہ قابل اعتماد ثابت ہوا، کیونکہ اس نے 704ء میں جسٹینین کو قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کیلئے 15،000 گھڑ سوار فراہم کیے تھے۔ باز نطینیوں نے دس سال بعد یا تو جسٹینین کی سابقہ حکمرانی کے تاریک پہلوؤں کو بھلا دیا تھا یا پھر انہوں نے موجودہ حکمران کو اور بھی ناقابل برداشت پایا، کیونکہ وہ تبریاس کے خلاف فوراً "اٹھ کھڑے ہوئے اور جسٹینین کو دوبارہ تخت پر بٹھایا۔ بلگار بادشاہ کو "سونے کے سکوں کے ڈھیر سے نوازا گیا جسے اس نے اپنے سکائیتھین چابک سے ناپا" اور گھر چلا گیا (صرف چند سال بعد باز نطیم کے خلاف ایک نئی جنگ میں شامل ہونے کیلئے)۔ جسٹینین کا دوسرا دور حکومت 704-711ء پہلے سے بھی بدتر ثابت ہوا۔ "وہ کلہاڑی، تانت اور گھوڑی کی لنگڑی چال کو ہی شہنشاہیت کے واحد آلہ جات سمجھتا تھا۔ "22 وہ ذہنی طور پر غیر متوازن ہو گیا، چیر سن کے باشندوں کے خلاف نفرت کا شکار ہوا جہاں اس نے اپنی جلاوطنی کے تلخ سال گزارے تھے تو شہر کے خلاف مہم جوئی کی۔ چیر سن کے کچھ سرکردہ شہریوں کو زندہ جلا دیا، دیگر ڈوب گئے اور

بہت سے قیدی بنالئے لیے گئے، لیکن یہ جسٹینین کے انتقام کی ہوس کو کم کرنے کیلئے کافی نہیں تھا، کیونکہ اس نے شہر کو زمین بوس کرنے کے احکامات کے ساتھ دوسری مہم بھیجی۔ اس بار اس کی فوجوں کو خزاروں کی ایک طاقت ور فوج نے روک دیا۔ جس کے بعد کریمیا میں جسٹینین کے نمائندے باڈیزنے وفاداری بدل لی جو خزاروں میں شامل ہو گیا۔ باز نطینیوں نے مہم جوئی کیلئے حوصلہ شکنی کی وجہ سے جسٹینین سے اپنی وفاداری ختم کردی اور بارڈیز کو فلیپیکس کے نام سے شہنشاہ منتخب کیا۔ فلیپیکس چونکہ خزاروں کے ہاتھ میں تھا اس لیے باغیوں کو اپنے نئے شہنشاہ کی واپسی کیلئے کیگن کو بھاری تاوان ادا کرنا پڑا۔ جب مہماتی فوج قسطنطنیہ واپس آئی تو جسٹینین اور اس کے بیٹے کو قتل کردیا گیا اور فلیپیکس، جسے آزادی کے سورما کے طور پر مبارک باد کے ساتھ تخت پر بٹھایا صرف اس لئے کہ چند سال بعد اسے معزول اور اندھا کردیا جائے۔ اس خون چکاں کہانی کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس مرحلے پر مشرقی رومی سلطنت کی تقدیر پر خزارے کس قدر اثر انداز تھے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے خلاف کا کیشین قلعہ کے محافظ کے طور پر ان کے کردار کے علاوہ بارڈیز۔ فلیپیکس خزاروں کا تشکیل کردہ ایک شہنشاہ تھا اور جسٹینین کے دہشت گردی دور کا خاتمہ اس کے بہنوئی کیگن نے کیا۔ ڈنلوپ کا حوالہ کہ "یہ کہنا مبالغہ آرائی نہیں کہ اس نازک موقع پر خاقان اس قابل تھا کہ عملی طور پر یونانی سلطنت کو ایک نیا حکمران دے۔

باب 9

ترتیب وار تاریخ کے نکتہ نظر سے اگلا واقعہ جس پر بات کی جائے وہ 740ء کے آس پاس خزاروں کا یہودیت میں تبدیلی کا ہونا چاہیے۔ اس عظیم واقعہ کا صحیح پس منظر دیکھنے کیلئے اس تبدیلی سے قبل ذہن میں خزاروں کی عادات، رسوم اور روز مرہ کی زندگی کے متعلق قدرے خاکہ تو ہونا چاہیے۔ افسوس، ہمارے پاس کوئی ہو بہو گواہی کی رپورٹ نہیں ہے، جیسے پرِسکس کی اٹیلا کے دربار کی تفصیل۔ ہمارے پاس بنیادی طور پر باز نطینی اور عرب تاریخ نویسوں کے ثانوی بیانات اور تالیفات جو دو مستثنیات کے ساتھ قیاسی اور متفرق ہیں۔ ایک تو خط ہے جو ایک خزاری بادشاہ کا لگتا ہے جس پر دوسرے باب میں بحث کی جائے گی؛ دوسرا ایک عرب مبصر کا سفر نامہ ہے۔ مسافر ابن فضلان جو پرِسکس کی طرح ایک مہذب عدالت سے لے کر شمال کے وحشیوں تک کے سفارتی مشن کا رکن تھا۔ دربار خلیفہ المقتدر کا تھا اور سفارتی مشن نے بغداد، ناہموار فارس اور بخارا سے وولگا کے بلگاروں تک سفر کیا۔ اس عظیم الشان مہم کا باضابطہ بہانہ بلگاری بادشاہ کی طرف سے ایک دعوت نامہ تھا جس نے خلیفہ (اے) سے اپنے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کیلئے

مذہبی اساتذہ بھیجنے کا کہا اور (بی) اس کیلئے ایک قلعہ تعمیر کرنے کا کہا جس سے وہ خزاروں کے بادشاہ سے مدافعت کر سکے۔ دعوت، بلاشبہ سفارتی رابطوں کے ذریعہ ترتیب دی گئی تھی - ان خطّوں میں سے گذرتے مشن کو بسنے والے مختلف ترک قبائل میں قرآن کے پیغام کی تبلیغ اور سونے کی بخشش کی بھاری مقدار تقسیم کرکے خیر سگالی پیدا کرنے کا موقع بھی فراہم کیا۔ اس مسافر کی روداد کے ابتدائی پیرا گراف میں پڑھتے ہیں: [مندرجہ ذیل اقتباسات ذکی ولیدی ٹوگن کے عربی متن کے جرمن ترجمہ اور بلیک اینڈ فرائی کے اقتباسات کے انگریزی ترجمے پر مبنی ہیں، دونوں کو سمجھنے کیلئے قدرے تشریح کی گئی ہے] احمد بن فضلان ابن العباس، ابن رسید، ابن حماد کی کتاب، جو بلگاروں کے بادشاہ کیلئے [خلیفہ] المقتدر کے سفیر [جنرل] محمد بن سلیمان کی خدمت میں ایک اہل کار، جس میں اس نے ترکوں، خزاروں، روسوں، بلگاروں، باشکروں اور دیگر لوگوں کی سرزمین میں جو کچھ دیکھا، ان کے مختلف مذاہب، بادشاہوں کی تواریخ اور زندگی کے بہت سے شعبوں میں ان کے طرز عمل کو بیان کیا۔ بلگاروں کے بادشاہ کا خط وفاداروں کے کمانڈر المقتدر کو ملا۔ اس نے اس میں کہا کہ وہ کسی کو بھیجے جو اسے مذہبی ہدائت دے اور اسے اسلام کے قوانین سے روشناس کروائے، اس کیلئے ایک مسجد اور ایک منبر بنائے تاکہ وہ اپنے ملک میں لوگوں کو تبدیلیء مذہب کے مشن کو تمام کر سکے؛ اس نے خلیفہ سے یہ بھی درخواست کی کہ وہ دشمن بادشاہوں کے خلاف دفاع کیلئے ایک قلعہ بنوادے۔ مجھے بادشاہ کیلئے خلیفہ کا پیغام پڑھنے، خلیفہ کی طرف سے بھیجے گئے تحائف پیش کرنے اور قانون کے اساتذہ اور ترجمانوں کے کام کی نگرانی کیلئے منتخب کیا گیا تھا۔ [اس کے بعد مشن کے اخراجات اور شرکاء کا ذکر ہے] اور اس طرح ہم نے جمعرات 11 صفر 309 [21 جون 921ء] کو امن کے شہر [خلافت کے دارالحکومت بغداد] سے آغاز کیا۔ اس مہم کی تاریخ پچھلے حصے میں بیان کردہ واقعات سے بہت بعد کی ہے۔ لیکن جہاں تک خزاروں کے کافر پڑوسیوں کے رسم و رواج اور اداروں کا تعلق ہے، اس سے شاید زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ ہمیں ان خانہ بدوش قبائل کی زندگی کی جو جھلکیاں ملتی ہیں اس سے کم از کم اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ خزاروں کے درمیان اس پہلے دور میں تبدیلی سے پہلے جب ابن فضلان کے زمانے میں پڑوسی اس شمان کی ایک ایسی شکل پر عمل پیرا تھے جواب بھی ان کے ذریعہ رائج ہے۔ مشن کی پیش رفت سست اور بظاہر قابل ذکر نہیں تھی جب تک کہ وہ بحیرہ ارال کے جنوب میں خلافت کے سرحدی صوبے خوارزم تک نہ پہنچے۔ یہاں صوبے کے انچارج گورنر نے یہ دلیل دے کر انہیں آگے بڑھنے سے روکنے کی کوشش کی کہ اس کے ملک اور بلگاروں کی سلطنت کے درمیان "کفار کے ایک ہزار قبائل "ہیں جو ان کو قتل کرنے کا یقین رکھتے ہیں۔ اس کی کوششیں درحقیقت خلیفہ کی ہدایت کو نظر انداز کرنے کے دوسرے مقاصد کی وجہ سے ہو سکتی ہیں: اس

نے محسوس کیا کہ اس مشن کا مقصد بالواسطہ خزاروں کے خلاف تھا، جن کے ساتھ اس نے پھلتے پھولتے تجارتی اور دوستانہ تعلقات برقرار رکھے تھے۔ اسے آخر میں ہار ماننا پڑی، اور مشن کو امو دریا کے ساحل پر گرگنج جانے کی اجازت دی۔ یہاں وہ شدید سردی کی وجہ سے تین ماہ تک بے حس و حرکت پڑے رہے- ایک ایسا عنصر جو بہت سے عرب مسافروں کی کہانیوں میں نمایاں نظر آتا ہے: دریا تین مہینوں سے جما ہوا تھا، ہم نے قدرتی مناظر دیکھے اور سوچا کہ ہمارے لئے سرد جہنم کے دروازے کھل گئے ہیں۔ میں نے سچ مچ دیکھا کہ بازار اور گلیاں سردی کی وجہ سے بالکل خالی پڑی ہیں.... ایک بار جب میں نہا کر باہر آیا اور گھر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ میری داڑھی برف کا ڈلا بن گئی تھی اور مجھے اسے آگ کے سامنے پگھلانا پڑا۔ میں کچھ دن اس گھر میں رہا جو دوسرے گھر کے اندر تھا اور جس میں ایک ترک نمدے کا خیمہ تھا اور میں کپڑے اور کھالیں لپیٹے خیمے کے اندر لیٹ جاتا تھا لیکن اس کے باوجود اکثر میرے گال تکیے سے جم جاتے تھے۔...

فروری کے وسط میں برف پگھلنا شروع ہوئی۔ مشن نے شمالی میدانوں کو عبور کرنے کیلئے 5،000 آدمیوں اور 3،000 جانوروں کا ایک طاقت ور کارواں بنانے کا انتظام کیا اور ضروری سامان خریدا: اونٹ، دریاؤں کو پار کرنے کیلئے اونٹوں کی کھال سے بنی کشتیاں، روٹیاں، باجرا اور مسالہ دار گوشت تین ماہ تک۔ مقامی لوگوں نے انہیں شمال میں اس سے بھی زیادہ خوف ناک سردی کے متعلق خبردار کیا، اور انہیں مشورہ دیا کہ کون سے کپڑے پہنیں: چنانچہ ہم میں سے ہر ایک کرتک (نسوانی شلوکا)، اس کے اوپر اونی کافتان، اس کے اوپر ایک بسلن، [اندر سے فر سِلا کوٹ] اس کے اوپر برقعہ [فر کوٹ]؛ اور کھال کی ٹوپی، جس کے نیچے صرف آنکھیں دیکھی جا سکتی تھیں۔ زیر جامہ کا ایک سادہ جوڑا، اور ایک اندر سلا جوڑا، اور ان کے اوپر پتلون؛ کیموت [شگرین چمڑا] کے گھریلو جوتے اور ان کے اوپر جوتے کا ایک اور جوڑا بھی۔ اور جب ہم میں سے کوئی اونٹ پر سوار ہو تو وہ اپنے کپڑوں کی وجہ سے ہل نہیں سکتا تھا۔ ابن فضلان، نازک مزاج عرب نے آب و ہوا اور نہ ہی خوارزم کے لوگوں کو پسند کیا۔؛ وہ اپنی زبان اور سرشت کے لحاظ نفرت انگیز مرد ہیں۔ ان کی زبان پرندوں کی چہچہاہٹ جیسی ہے۔ ایک دن کی مسافت پر ارد کو نامی ایک گاؤں ہے جس کے باشندوں کو کردال کہتے ہیں۔ ان کی زبان کا ملا'' مینڈکوں کے ٹرانے جیسی لگتی ہے۔

وہ 3 مارچ کو روانہ ہوئے اور زمگان نامی کاروان سرائے میں رات کیلئے رکے جو غز ترکوں کے علاقے کی گذرگاہ ہے۔ یہاں سے آگے کا مشن غیر ملکی سرزمین پر تھا، "اپنی قسمت قادر مطلق و برتر کے سپرد کی"۔ ایک برفانی طوفان

کے دوران ابن فضلان ایک ترک کے ساتھ سوار ہوا، جس نے شکایت کی: "حکمران ہم سے کیا چاہتا ہے؟ وہ ہمیں سردی سے مار رہا ہے۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ وہ کیا چاہتا ہے تو ہم اسے دے دیتے۔" ابن فضلان: "وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ تم لوگ کہو: "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"۔ ترک ہنسا: "اگر ہم جانتے کہ ایسا ہے تو ہم ایسا کہتے۔" اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں، جنہیں ابن فضلان نے ان کی ذہنی آزادی کی تعریف کیے بغیر بیان کیا ہے۔ نہ ہی بغداد دربار کے ایلچی نے خانہ بدوش قبائیلوں کی کسی قسم کی حکومت سے کٹر توہین کی تعریف کی۔ مندرجہ ذیل واقعہ بھی طاقت ور غز ترکوں کے ملک میں پیش آیا جو خزاروں کو خراج دیتے اور بعض ذرائع کے مطابق ان سے قریبی روابط میں تھے 24:

اگلی صبح ہم سے ایک ترک ملا۔ وہ ساخت میں بدصورت، وضع قطع سے گندا، آداب میں حقیر، فطرتاً" کمینہ تھا اور تب تیز بارش ہو رہی تھی۔ اس نے کہا: رک جاؤ۔ تو 3000 جانوروں اور 5000 آدمیوں کا قافلہ رک گیا۔ پھر کہا: تم میں سے ایک کو بھی جانے کی اجازت نہیں۔ اس کے بعد ہم اس کے حکم کی تعمیل میں رک گئے۔ [ظاہر ہے کہ بڑے کارواں کے قائدین کو غزّی قبائیلوں کے ساتھ ہر قیمت پر تصادم سے گریز کرنا تھا۔] پھر ہم نے اس سے کہا: "ہم کدار کین [وائسرائے] کے دوست ہیں"۔ وہ ہنسنے لگا اور پوچھا: "کدار کین کون ہے؟ میں اس کی داڑھی پر پاخانہ کرتا ہوں۔" پھر اس نے کہا: "روٹی"۔ میں نے اسے چند روٹیاں دیں۔ اس نے وہ لیں اور کہا: "اپنا سفر جاری رکھو، مجھے تم پر ترس آیا۔

"جب کوئی فیصلہ کرنا ہوتا تو غزوں کے جمہوری طریقوں پر عمل کیا جاتا تھا جو ایک آمرانہ حکومت الٰہی کے نمائندے کیلئے اور بھی حیران کن تھے: وہ خانہ بدوش ہیں اور ان کے گھر نمدے کے ہیں۔ وہ ایک جگہ کچھ دیر ٹھہرتے اور پھر آگے چل دیتے ہیں۔ خانہ بدوشوں کے رسم و رواج کے مطابق ان کے خیمے یہاں وہاں ہر جگہ نصب دیکھے سکتے ہیں۔ اگرچہ وہ سخت زندگی گزارتے ہیں لیکن وہ گدھوں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں جو اپنا راستہ کھو چکے ہوں۔ ان کا کوئی مذہب نہیں ہے جو انہیں خدا سے جوڑے اور نہ ہی عقل ان کی رہنما ہے۔ وہ کسی چیز کی عبادت نہیں کرتے۔ اس کے بجائے وہ اپنے سرداروں کو آقا کہتے ہیں۔ جب ان میں سے کوئی اپنے سردار سے مشورہ کرتا ہے تو وہ پوچھتا ہے کہ یارب میں اس یا اس معاملے میں کیا کروں؟ وہ جو طریقہ کار اختیار کرتے ہیں اس کا فیصلہ آپس میں صلاح مشورہ سے کیا جاتا ہے۔ لیکن جب وہ کسی اقدام کا فیصلہ کر لیتے ہیں اور اسے پورا کرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں تو ان میں سے سب

سے ذلیل اور پست آدمی بھی آکر اس فیصلے میں خلل ڈال سکتا ہے۔ غزّوں اور دیگر قبائل کے جنسی رویے، آزاد خیالی اور وحشی پن، ایک قابل ذکر مرکب تھے: ان کی عورتیں اپنے مردوں یا اجنبیوں کی موجودگی میں پردہ نہیں کرتیں اور نہ ہی عورتیں لوگوں کی موجودگی میں اپنے جسم کے کسی حصے کو ڈھانپتی ہیں۔ ایک دن ہم ایک غز کے پاس ٹھہرے اور بکھرے بیٹھے تھے۔ اس کی بیوی بھی موجود تھی۔ جب ہم بات کر رہے تھے، عورت نے اپنی شرمگاہ کو ننگا کر کے کھجایا اور ہم سب نے دیکھا۔ اس پر ہم نے چہرے ڈھانپ لیے اور کہا: "خدا مجھے معاف کرے۔" شوہر ہنسا اور مترجم سے کہا: "ان سے کہو کہ ہم اسے آپ کی موجودگی میں ننگا کرتے ہیں تاکہ آپ دیکھیں اور اپنے آپ کو قابو میں رکھیں؛ لیکن ایسا ہو نہیں ہو سکتا۔ یہ اس سے بہتر ہے جب اسے ڈھانپ لیا جائے اور پھر بھی حاصل کیا جا سکے۔" زنا ان کیلئے اجنبی ہے۔ پھر بھی جب انہیں پتہ چلتا ہے کہ کوئی زانی ہے تو وہ اسے دو حصوں میں پھاڑ دیتے ہیں۔ یہ وہ دو درختوں کی شاخوں کو اکٹھا کر کے کرتے ہیں، اسے شاخوں سے باندھ دیتے ہیں اور پھر دونوں درختوں کو گرا دیتے ہیں تاکہ ان سے بندھا ہوا آدمی چِر جائے۔

اس نے یہ نہیں بتایا کہ کیا یہی سزا قصوروار خاتون کو بھی دی جاتی تھی۔ وہ بعد میں جب وولگا کے بلگاروں کے متعلق بات کرتا ہے، وہ زنا کے مرتکب مرد اور عورت دونوں کو دو حصوں میں پھاڑنے کا یکساں وحشیانہ طریقہ بیان کرتا ہے۔ اس کے باوجود وہ حیرانی سے نوٹ کرتا ہے، دونوں جنسوں کے بلگاری دریاؤں میں ننگے تیرتے ہیں اور غزوں کی طرح جسمانی طور پر شرمندہ نہیں ہوتے۔ ہم جنسیت پرستی جو عرب ممالک میں عام بات ہے "ترکوں میں ایک خوفناک گناہ سمجھا جاتا ہے"۔ اپنی بات کو ثابت کرنے کیلئے اس نے صرف ایک ہی واقعہ بیان کیا، "بلاریش نوجوان" کی آبرو ریزی کرنے والا 400 بھیڑوں کا جرمانہ دے کر چھوٹ جاتا ہے۔۔ بغداد کے شاندار حماموں کا عادی ہمارا مسافر ترکوں کی گندگی پر قابو نہ پا سکا۔ "غز بول و براز کے بعد اپنے آپ کو نہیں دھوتے ہیں اور نہ ہی ہم بستری کے بعد یا دیگر مواقع پر غسل کرتے ہیں۔ وہ پانی سے کسی بھی قسم کا تعلق رکھنے سے انکار کرتے ہیں خصوصا" سردیوں میں...."
جب غز کمانڈران چیف نے اپنا پر تعیش بروکیڈ کوٹ اتار کر مشن کا فراہم کردہ ایک نیا کوٹ زیب تن کیا تو انہوں نے دیکھا کہ اس کے زیر جامے " گرد سے اٹے تار تار ہو رہے ہیں، کیونکہ یہ ان کا رواج ہے کہ وہ اپنے جسم کے قریب پہننے والے لباس کو کبھی نہیں اتارتے تاوقتیکہ وہ گھِس جائے "ایک اور ترک قبیلہ، بشکیر، 'اپنی داڑھی منڈواتے ہیں اور اپنی جوئیں کھاتے ہیں جنہیں وہ اپنے زیر جاموں کی تہوں میں تلاش کرتے ہیں اور اپنے دانتوں سے جوؤں کو کڑکڑاتے

ہیں۔ جب ابن فضلان نے ایک باشکیر کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو مؤخر الذکر نے اس سے کہا: ''وہ مزے دار ہیں۔'' مجموعی طور پر یہ کوئی متوجہ کن تصویر نہیں ہے۔ نازک مزاج مسافر کی تحقیر وحشیوں کیلئے بہت گہری تھی جو صرف ان کی گندگی اور جسم کی بے حیا عریانیت کی وجہ سے ہوئی، ان کی سزاؤں اور قربانی کی رسومات کی وحشیانہ روش نے اسے بالکل لاتعلق کر دیا۔ وہ بلگاروں کی انسانی قتل کی سزا کو الگ دلچسپی سے بیان کرتا ہے۔ اس کے برعکس کہ وہ بار بار خفگی کے اظہارات سے ذکر کرتا ہے: "وہ [مجرم] کیلئے برچ ووڈ کا ایک ڈبہ بناتے ہیں، اسے اندر ڈالتے ہیں، ڈبے پر کیل لگاتے ہیں، اس کے پاس تین روٹیاں اور پانی کا ایک ڈبہ رکھ دیتے ہیں اور ڈبے کو دو لمبے کھمبوں کے درمیان یہ کہہ کر لٹکا دیتے ہیں:

"ہم نے اسے آسمان اور زمین کے درمیان رکھا ہے، تاکہ وہ سورج اور بارش کے سامنے عیاں ہو جائے اور شاید دیوتا اسے معاف کر دے۔" اور وہ اس وقت تک معلق رہتا ہے جب تک کہ وقت اسے زائل نہ کر دے اور ہوائیں اسے اڑا لے جائیں"۔

وہ جنازے پر اسی طرح الگ سے سینکڑوں گھوڑوں اور دوسرے جانوروں کے ریوڑ کی رقربانی اور اپنے آقا کے تابوت پر ایک روسی غلام لڑکی کے قتل کی بھیانک رسم۔ [وائکنگ ابتدائی روسی بستیوں کے بانی۔ ذیل میں دیکھیں، باب III] غیر اہل کتاب مذاہب کے متعلق اس کے پاس کہنے کیلئے کچھ نہیں۔ لیکن باشکروں کا عضو تناسل کا فرقہ اس کو دلچسپ لگا، اس نے بذریعہ مترجم ایک مقامی باشندے سے لکڑی کا عضو تناسل پوجنے کی وجہ سنی اور جواب نوٹ کیا: "کیونکہ میرا جنم اسی طرح کی چیز سے ہوا اور میں کسی دوسرے خالق کو نہیں جانتا جس نے مجھے بنایا ہے۔" پھر اس نے مزید کہا کہ 'ان میں سے کچھ [بشکیروں] کا بارہ دیوتاؤں پر یقین ہے، ایک دیوتا سردیوں کیلئے، دوسرا گرمیوں کیلئے، ایک بارش کیلئے، ایک ہوا کیلئے، ایک درختوں کیلئے، ایک آدمیوں کیلئے، ایک گھوڑے کیلئے، ایک پانی کیلئے، ایک رات کیلئے، ایک دن کیلئے۔ ایک موت کا دیوتا اور ایک زمین کیلئے؛ جبکہ وہ دیوتا جو آسمان میں رہتا ہے ان میں سب سے بڑا، لیکن دوسروں کے ساتھ مشورہ کرتا ہے اور اس طرح سب ایک دوسرے کے کاموں پر راضی ہیں....

ہم نے ان میں سے ایک گروہ دیکھا ہے جو سانپوں کو پوجتا ہے، اور ایک گروہ جو مچھلی کو پوجتا ہے، اور ایک گروہ جو سارس کی پوجا کرتا ہے... ابن فضلان نے وولگا بلگاروں میں ایک عجیب و غریب رسم پائی: جب وہ عقل و علم میں باکمال شخص کو دیکھتے ہیں تو وہ کہتے ہیں:

"اس کیلئے ہمارے رب کی عبادت کرنا زیادہ مناسب ہے۔" وہ اسے پکڑ اس کے گلے میں رسی ڈالتے ہیں اور اسے ایک درخت پر لٹکا دیتے ہیں جہاں وہ گلنے سڑنے کیلئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس حوالے پر تبصرہ کرتے ہوئے، ترک مستشرق ذکی ولیدی توگن، ابن فضلان اور اس کے زمانے پر غیر متنازعہ عالم کا کہنا ہے 25:

"بلگاروں کا انتہائی زیرک لوگوں کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک روا رکھا گیا اس میں پراسرار کچھ نہیں ہے۔ عام شہریوں کے سادہ، مدبرانہ استدلال پر مبنی ہے جو صرف ویسی گزارنا چاہتے تھے جسے وہ ایک عام زندگی سمجھتے تھے اور کسی ایسے خطرے یا مہم جوئی سے بچنا چاہتے تھے انہیں جہاں "غیر معمولی ذہانت کا مالک" شائد لے جائے۔" اس کے بعد اس نے ایک تاتار کہاوت کا حوالہ دیا: "اگر آپ بہت زیادہ جانتے ہیں، تو وہ آپ کو پھانسی دے دیں گے اور اگر آپ بہت معمولی ہیں، تو وہ آپ کو روند ڈالیں گے۔" وہ یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ شکار کو 'صرف ایک فاضل کے طور پر نہیں سمجھا جانا چاہئے بلکہ وہ ایک بے قاعدہ مغرور ذہانت کا مالک ہے''۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس رسم کو سماجی مدافعت کیلئے غیر مقلدوں اور ممکنہ مخترعوں کیلئے سزا سمجھا جائے۔ [مصنف اپنی دلیل کے ضمن میں بغیر ترجمہ کے اصل ترکی اور عربی ضرب الامثال پیش کرتا ہے۔۔۔۔ ایک گندی عادت جو اس میدان کے جدید ماہرین میں عام ہے۔] لیکن چند سطور نیچے وہ ایک مختلف وضاحت پیش کرتا ہے۔ ابن فضلان غیر معمولی ذہین لوگوں کے عام قتل کو بیان نہیں کرتا بلکہ یہ غیر اہل کتاب کی رسوم میں سے ہے: خدا کیلئے انسانوں میں سے بہترین کی قربانی پیش کی جاتی تھی

یہ تقریب غالباً عام بلگار نہیں بلکہ ان کے طبیب یا طب کے آدمی یعنی ان کے شمانی پروہت سرانجام دیتے تھے۔ ایسی ہی تقریب کو بلگاروں اور روسیوں نے بھی اپنے فرقے کے نام پر لوگوں پر زندگی اور موت کی طاقت کو مسلط کر رکھا تھا۔ ابن رستا کے مطابق روس کے طبّی لوگ کسی کے گلے میں رسی ڈال کر درخت پر لٹکا کر خدا کی رحمت کو پکار سکتے تھے۔ جب یہ کر چکتے تو کہتے: ''یہ خدا کیلئے نذرانہ ہے''۔

دونوں قسم کے محرکات کو شاید ایک ساتھ ملایا گیا تھا: 'چونکہ قربانی ایک ضرورت ہے، تو کیوں نہ مصیبت میں ڈالنے والوں کو قربان کریں'۔ ہم دیکھیں گے کہ خزاروں میں بھی انسانی قربانی کا رواج تھا۔ بشمول آخر میں بادشاہ کی بادشاہت کے خاتمے پر اس کے قتل کی رسم۔ ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ ابن فضلان کے بیان کردہ قبائل کے رسم و رواج اور خزاروں کے درمیان بہت سی دیگر مماثلتیں موجود تھیں، بد قسمتی سے اسے خزاروں کے دارالحکومت جانے

سے روک دیا گیااور اسے خِزاروں کے زیر تسلط علاقوں میں جمع شدہ معلومات پر انحصار کرنا پڑااور خصوصاً "بلگاری دربار میں۔

باب 10

انہیں خلیفہ کے مشن کی تکمیل کیلئے وولگابلگاروں کی سر زمین تک پہنچنے میں تقریباًایک سال کا عرصہ لگا(21جون 921ءسے 12مئی 922ءتک)۔ بغداد سے والگاتک کا سیدھا راستہ قفقاز اور خِزاریہ میں سے ہو کر جاتا تھا۔ خِزاریہ سے بچنے کیلئے انہیں بحیرہ خِزار، کیسپین، کے مشرقی ساحل کے گرد ایک بہت بڑا چکر کاٹنا پڑا۔اس کے باوجود انہیں مسلسل خِزاروں کے رجحان اور مخفی خطرات سے متنبہ کیا جاتا رہا۔ان کی اقامت کے دوران غزوں کے آرمی چیف کے ساتھ ایک خصوصی واقعہ پیش آیا(وہی بدنام زیر جامہ والا)۔پہلے ان کا خیر مقدم کیا گیااور ضیافت دی۔ لیکن بعد میں غزی رہنماخِزاروں کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے کچھ اور ہی سوچ رہے تھے۔ سردار نے رہنماؤں کو جمع کیا تاکہ فیصلہ کیا جائے: ان میں سب سے ممتاز اور بااثر ترکھان تھا۔ وہ لنگڑااور اندھا تھااور اس کا ایک ہاتھ کٹا ہوُا تھا۔ سردار نے ان سے کہا: "یہ عرب کے بادشاہ کے قاصد ہیں اور میں ان کو آپ سے مشورہ کیے بغیر آگے بڑھنے کا اختیار نہیں دے سکتا۔" پھر ترکھان بولا: "یہ ایسا معاملہ ہے جو ہمارے ساتھ پہلے کبھی نہیں ہوُااور نہ سنا۔ جب سے ہم اور ہمارے آباؤ اجداد یہاں آئے ہیں کبھی سلطان کے سفیر نے ہمارے ملک میں سفر نہیں کیا۔ بلاشبہ سلطان ہمیں دھوکہ دے رہا ہے۔ان لوگوں کو وہ واقعی خِزاروں کے پاس بھیج رہاہے تاکہ انہیں ہمارے خلاف بھڑکائے۔ بہترین یہ ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک کو دو ٹکڑے کر دیا جائے اور تمام سامان ضبط کر لیا جائے۔" ایک اور نے کہا: "نہیں، ہمیں ان کا سامان ضبط کر کے انہیں برہنہ واپس بھگا دینا چاہیے جہاں سے وہ آئے تھے۔ایک اور نے کہا: "نہیں، خِزاری بادشاہ نے ہمارے لوگ یرغمال بنائے ہوئے ہیں، آیئے ہم ان لوگوں کو ان کے تاوان کے طور پر بھیج دیں۔"

وہ سات دن تک آپس میں بحث کرتے رہے جب کہ ابن فضلان اور اس کے ساتھی انتہائی خوف زدہ تھے۔

غزوں نے آخر میں انہیں جانے دیا؛ ہمیں نہیں بتایا گیا کہ کیوں۔ غالباًابن فضلان انہیں یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا کہ اس کا مشن درحقیقت خِزاروں کے خلاف تھا۔ غزوں نے اس سے پہلے خِزاروں کے ساتھ ایک اور ترک قبیلے

پیچنیگز کے خلاف جنگ لڑی تھی، لیکن حال ہی میں خزاروں کے مخاصمانہ رویہ کی وجہ سے ان کے شہری یرغمال بنا لئے..

تمام سفر کے دوران خزاروں کا خطرہ افق پر منڈلاتا رہا۔ کیسپین کے شمال میں انہوں نے وولگا اور کاما کے سنگم کے قریب بلگار کیمپ تک پہنچنے سے پہلے ایک اور بڑا چکر لگایا۔ وہاں بلگاروں کے بادشاہ سمیت رہنما شدید پریشانی کے عالم میں ان کے منتظر تھے۔ جیسے ہی تقریبات اور تہوار ختم ہوئے بادشاہ نے ابن فضلان کو مدعا پر بات کرنے کیلئے بلایا۔ اس نے زوردار زبان میں ابن فضلان کو بوضاحت یاد دلایا("اس کی آواز ایسے لگ رہی تھی جیسے وہ ڈرم کے نیچے سے بول رہا ہو") کہ مشن کا بنیادی مقصد اس قلعہ کی تعمیر کیلئے رقم کی فراہمی تھا تاکہ میں یہودیوں سے، جنہوں نے مجھے محکوم بنایا تھا، مدافعت کے قابل ہو سکوں۔ بدقسمتی سے وہ رقم چار ہزار دینار ضابطہ پرستی کے چند پیچیدہ معاملے کی وجہ سے مشن کے حوالے نہ کی جا سکی؛ اسے بعد میں بھیجنا تھا۔ یہ جاننے کے بعد بادشاہ "ایک متاثر کن شکل، چوڑی چکلی بحیم و شحیم شخصیت"—مایوس ہوتا نظر آیا۔ اس نے مشن پر رقم کی دھوکہ دہی کا شبہ ظاہر کیا:

"آپ مردوں کے اس گروہ کے متعلق کیا سوچیں گے جنہیں کمزور، محصور اور مظلوم لوگوں کیلئے رقم دی گئی، پھر بھی یہ لوگ اس رقم پر دھوکہ دیتے ہیں؟" میں نے جواب دیا: "یہ حرام ہے، وہ لوگ برے ہوں گے۔" اس نے پوچھا: "یہ رائے کا معاملہ ہے یا عام رضامندی کا معاملہ؟" میں نے جواب دیا: "عام رضامندی کا معاملہ۔"

ابن فضلان آہستہ آہستہ بادشاہ کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا کہ رقم میں صرف تاخیر ہوئی، [بظاہر یہ رقم کسی وقت نہ پہنچی چونکہ اس معاملے پر مزید بات نہیں ہوئی] لیکن اس کی پریشانیوں میں تخفیف نہ ہوئی۔ بادشاہ یہ دہراتا رہا کہ دعوت کا مقصد قلعہ کی تعمیر تھی" کیونکہ وہ خزار بادشاہ سے ڈرتا تھا"۔ اور بظاہر اس کے پاس ڈرنے کی ہر وجہ تھی جیسا کہ ابن فضلان بیان کرتا ہے:

بلگار بادشاہ کے بیٹے کو خزاری بادشاہ نے یرغمال بنا رکھا تھا۔ خزاری بادشاہ کو خبر ملی کہ بلگار بادشاہ کی ایک خوبصورت بیٹی ہے۔ اس نے ایک قاصد کو شادی کے پیغام کیلئے بھیجا تھا۔ بلگار بادشاہ نے رضامندی سے انکار کرنے کے بہانے کیے۔ خزار نے ایک اور قاصد بھیجا جو اسے زبردستی اٹھا لے گیا، حالانکہ وہ یہودی تھا اور لڑکی مسلمان تھی۔ لیکن وہ اس کے دربار میں مر گئی۔ خزار نے ایک اور قاصد بھیجا اور بلگار بادشاہ کی دوسری بیٹی کو طلب کیا۔ لیکن جب قاصد اس کے

پاس پہنچا تو بلگار بادشاہ نے جلدی جلدی اس کی شادی عسکِل کے شہزادے سے کر دی جو اس کی رعایا تھا، اس ڈر سے کہ خِزار اسے بھی زبردستی لے جائے گا جیسا کہ اس نے اس کی بہن کے ساتھ کیا تھا۔ صرف یہی وجہ تھی کہ بلگار بادشاہ نے خلیفہ سے خط و کتابت کی اور اس سے کہا کہ وہ ایک قلعہ تعمیر کرائے کیونکہ وہ خِزاروں کے بادشاہ سے ڈرتا تھا۔

یہ احتراز جیسا لگتا ہے۔ ابن فضلان نے بلگار بادشاہ کی خِزاروں کو سالانہ خراج ادا کرنے کی بھی وضاحت کی ہے: اس کے سلطنت کے ہر گھر سے ایک سمور کی کھال۔ چونکہ بلگار گھرانوں (یعنی خیموں) کی تعداد تقریباً 50،000 بتائی جاتی ہے، اور چونکہ بلگاری سموری کھال کی دنیا میں بہت زیادہ قدر کی جاتی تھی، اس لیے خراج ایک خوبصورت شے تھا۔

باب 11

ابن فضلان ہمیں خزاروں کے متعلق جو کچھ بتاتا ہے وہ بنیادی طور پر جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، بلگار کے دربار میں اپنے سفر کے دوران جمع کردہ اطلاعات پر مبنی ہے۔ اس کی باقی داستان کے برعکس جو واضح ذاتی مشاہدات سے اخذ کی گئی ہے، خِزار کے متعلق صفحات میں ثانوی اور مختصر معلومات ہیں جو متوقع طور پر مؤثر نہیں ہیں۔ مزید برآں بلگار بادشاہ کی خِزار کے متعلق قابل فہم ناپسندیدگی کے پیش نظر اس کی معلومات کے ذرائع متعصب ہیں جب کہ خلافت کے ایک مدمقابل مذہب قبول کرنے پر ایک بادشاہت کے خلاف ناراضی پر زور دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہانی روس کے دربار کی تفصیل سے اچانک خِزار کے دربار میں بدل جاتی ہے۔:

خِزاروں کے بادشاہ کے متعلق، جس کا لقب کیگن ہے، وہ ہر چار ماہ میں صرف ایک بار عوام کے سامنے آتا ہے۔ وہ اسے عظیم کیگن کہتے ہیں۔ اس کے نائب کو کیگن بیک کہتے ہیں۔ وہی ہے جو فوجوں کو حکم دیتا اور مہیا کرتا ہے، ریاستی امور کا انتظام کرتا ہے، عوام میں ظاہر ہوتا ہے اور جنگ کی قیادت کرتا ہے۔ پڑوسی بادشاہ اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ وہ ہر روز عظیم کیگن کی موجودگی میں تعظیم اور خاکساری سے، ننگے پاؤں، ہاتھ میں لکڑی کی چھڑی لیے داخل ہوتا ہے۔ وہ مؤدبانہ جھکتا ہے، چھڑی کو جلاتا ہے اور جب وہ جل جاتی ہے تو وہ بادشاہ کے دائیں طرف تخت پر بیٹھ جاتا ہے۔ درجے میں اس کے آگے ایک آدمی ہے۔ K-nd-r Kagan اور اس کے بعد جسے جاؤشگر کیگن کہتے ہیں ، یہ عظیم کیگن کا دستور ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ سماجی میل جول نہ رکھے اور ان سے بات نہ کرے اور مذکورہ بالا کے

علاوہ کسی کو اپنی موجودگی میں داخل نہ ہونے دے۔ قید یا رہا کرنے، سزا کا حکم دینے اور ملک پر حکومت کرنے کا اختیار اس کے نائب کیگن بیک کے پاس ہے۔ عظیم کیگن کی ایک اور رسم بھی ہے کہ اس کی وفات کے بعد اس کیلئے ایک عمارت تعمیر کی جائے جس میں بیس حجرے ہوں اور ہر حجرے میں اس کیلئے قبر کھودی جائے۔ پتھروں کو اس وقت تک توڑا جائے جب تک کہ وہ پاؤڈر کی طرح نہ بن جائیں، جو فرش پر پھیلا کر تار کول سے ڈھانپ دیا جائے۔ عمارت کے نزدیک ایک بڑا اور تیز دریا بہتا ہے۔ وہ دریا کے پانی کو قبر پر موڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ کوئی شیطان، کوئی انسان، کوئی کیڑا اور کوئی رینگنے والا جانور اس پر نہ آ سکے۔ اسے دفن کرنے کے بعد، دفن کرنے والوں کا سر قلم کر دیا جاتا ہے تا کہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ اس کی قبر کس حجرے میں ہے۔ قبر کو "جنت" کہا جاتا ہے۔ ان کا قول ہے: "وہ جنت میں داخل ہو گیا"۔ تمام حجرے سونے کے دھاگوں سے بنے سلک بروکیڈ سے بچھائے ہوئے ہیں۔

خزار کے بادشاہ کو پچیس بیویاں رکھنے کا رواج ہے۔ بیویوں میں سے ہر ایک کسی بادشاہ کی بیٹی ہے جو اس کا اطاعت گزار ہے۔ وہ انہیں رضامندی یا زبردستی سے حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے حرم میں ساٹھ چھیلی لڑکیاں ہیں۔

ابن فضلان نے اس کے بعد کیگن کے حرم کی ایک متلون تفصیل پیش کی جس میں پچاسی بیویوں اور لونڈیوں میں سے ہر ایک کا "اپنا محل" ہوتا ہے اور ایک خادم یا خواجہ سرا جو بادشاہ کے حکم پر اسے آنکھ جھپکنے سے قبل.. اس کی آرام گاہ میں لے آتا ہے۔ خزارہ کیگن کی "رسموں" کے متعلق چند اور مشکوک تبصروں کے بعد (ہم ان پر بعد میں واپس آئیں گے)، ابن فضلان آخر کار ملک کے متعلق حقائق پر مبنی معلومات فراہم کرتا ہے:

بادشاہ کا دریائے [وولگا] کے دونوں کناروں پر ایک عظیم شہر ہے جس کے ایک کنارے پر مسلمان رہتے ہیں، دوسرے کنارے پر بادشاہ اور اس کا دربار۔ مسلمانوں پر بادشاہ کا ایک افسر ہے جو خود مسلمان ہے۔ خزارہ دارالحکومت میں رہنے والے مسلمانوں اور بیرون ملک سے آنے والے تاجروں کے مقدمات کی دیکھ بھال وہی اہل کار کرتا ہے۔ ان کے معاملات میں کوئی دخل اندازی نہیں کرتا اور نہ ہی ان کے فیصلے کرنے کیلئے بیٹھتا ہے۔

ابن فضلان کی سفری رپورٹ، جہاں تک محفوظ ہے، ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے:

خزار اور ان کے بادشاہ سب یہودی ہیں۔[یہ مبالغہ لگتا ہے کہ دارالحکومت میں مسلم کیمونٹی موجود تھی۔ذکی ولیدی نے اس کے مطابق لفظ "سب" کو حذف کر دیا۔ ہمیں یہ فرض کرنا چاہیے کہ یہاں "خزار" سے مراد حکمران قوم یا قبیلہ ہے جو خزار یا کے نسلی موزیک کے اندر رہے اور یہ کہ مسلمانوں کو قانونی اور مذہبی خود مختاری حاصل تھی، لیکن انہیں "حقیقی خزارے" نہیں سمجھا جاتا تھا۔] بلگاری اور ان کے تمام پڑوسی اس کے تابع ہیں۔ وہ اس کے ساتھ پرستارانہ اطاعت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یاجوج ماجوج خزارے ہیں۔

باب 12

میں نے ابن فضلان کی سیاحت کے سلسلے کا قدرے طوالت سے حوالہ دیا ہے، اس لیے نہیں کہ وہ خود خزاروں کے متعلق بہت کم معلومات فراہم کرتا ہے، بلکہ اس روشنی کی وجہ سے جو ان کے آس پاس کی دنیا پر ڈالی ہے۔

تبدیلی سے پہلے ان لوگوں کی سخت بربریت ان کے ماضی کی عکاسی کرتی ہے۔ کیونکہ ابن فضلان کے بلگاروں کے دورے کے وقت خزار یا اپنے پڑوسیوں کے مقابلتاً "ایک حیرت انگیز طور پر جدید ملک تھا۔ اس کے تضاد کا ثبوت دوسرے عرب مورخین کی رپورٹوں سے ملتا ہے۔[مندرجہ ذیل صفحات استخری، ال مسعودی، ابن رستا اور ابن حوکل کی کتب سے ہیں۔ (تتمہ ۱۱ دیکھئے)۔] انصاف کی انتظامیہ اور خانماں آباد کاری. بلگاری اب بھی خصوصی طور پر خیموں میں رہتے ہیں جن میں بادشاہ بھی شامل ہے، گو شاہی خیمہ "بہت بڑا ہے، جس میں ایک ہزار یا اس سے زیادہ لوگ سما جاتے ہیں۔" 26 دوسری طرف خزار کیگن پکی اینٹوں سے بنے ایک قلعے میں رہتا ہے، اس کی خواتین کے متعلق کہا جاتا ہے۔ "ساگوان کی چھتوں والے محلات" میں رہتی تھیں۔ 27 مسلمانوں کی کئی ایک مساجد ہیں، جن میں سے ایک "جس کا مینار شاہی قلعے سے اوپر اٹھتا ہے"۔ زرخیز علاقوں میں ان کے فارم اور کاشت کردہ کھیت ستر میل تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے انگور کے وسیع باغات بھی تھے۔ چنانچہ ابن حوکل: "کوزر [خزاریہ] میں ایک خاص شہر ہے جس کا نام اسمید [سمندر] ہے جس میں اتنے پھولوں اور پھلوں کے باغات ہیں کہ دربند سے سیریر تک پورا ملک اس شہر کے باغات اور شجرکاری سے ڈھکا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایسے تقریباً چالیس ہزار ہیں۔ ان میں سے اکثر انگور پیدا کرتے ہیں۔ قفقاز کا شمالی خطہ انتہائی زرخیز ہے۔ 968ء میں ابن حوکل ایک شخص سے ملا جو روسی چھاپے کے بعد یہاں آیا تھا: "اس نے کہا کہ کسی انگور کے باغ میں غریبوں کیلئے کوئی ٹکڑا نہیں چھوڑا نہ کسی شاخ پر کوئی پتہ.... ان کی

زمین کی خوبی اوراس کی پیداوار کی فراوانی تین سال سے قبل پہلی جیسی ہو جائے۔"کا کیشین شراب اب بھی پر لطف ہے، سوویت یونین میں اس کی بڑی مقدار میں کھپت ہے۔

شاہی خزانے کی آمدنی کا بنیادی ذریعہ غیر ملکی تجارت تھی۔ابن فضلان نے وسطی ایشیا اور وولگا یورال خطے کے درمیان تجارتی قافلوں کی بڑی تعداد کی نشان دہی کی ہے: ہمیں یاد ہے کہ گرگنج میں اس کے مشن میں شامل ہونے والے کارواں میں "5،000 آدمی اور 3،000 جانور شامل تھے"۔ مبالغہ آرائی کی گنجائش کے ساتھ، یہ اب بھی ایک زبردست کارواں رہا ہوگا،اور ہم نہیں جانتے کہ ان میں سے کتنے کسی بھی وقت چلتے پھرتے تھے۔ نہ ہی یہ کہ انہوں نے کون ساسامان پہنچایا؛ حالانکہ ٹیکسٹائل، خشک میوہ جات، شہد، موم اور مصالحے نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ دوسرا بڑا تجارتی راستہ قفقاز کے پار آرمینیا، جارجیا، فارس اور باز نطیم تک پہنچا۔ تیسرا حصہ وولگا سے نیچے بحیرہ خزار کے مشرقی ساحلوں تک روس کے تجارتی بیڑوں کی بڑھتی ہوئی آمدورفت پر مشتمل تھا، جس کی بنیادی طور پر مسلم اشرافیہ میں قیمتی کھالوں کی بہت زیادہ مانگ تھی،اور شمال سے غلام جنہیں غلام بازار میں فروخت کیا جاتا تھا۔

ان تمام نقل وحمل کے سامان بشمول غلامان خزار حکمران دس فیصد ٹیکس لگاتا تھا۔اس میں بلگاروں،مگیاریوں، برطاس وغیرہ سے خراج کو شامل کریں تو یہ احساس ہوتا ہے کہ خِزاریا ایک خوش حال ملک تھا؛ لیکن یہ بھی کہ اس کی خوش حالی کا انحصار فوجی طاقت پر تھا اور اس وقار کا انحصار اس کے ٹیکس وصول کرنے والوں پر تھا۔ کسٹم حکام جنوب کے زرخیز علاقوں،ان کے انگور اور دیگر باغات کے علاوہ ملک قدرتی وسائل میں غریب تھا۔ایک عرب مورخ (استخری) کا کہنا ہے کہ اس نے صرف مقامی مصنوعات میں ایک مچھلی سے ایک قسم کی جیلی ہی برآمد کی۔ یہ ایک بار پھر یقیناً مبالغہ آرائی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی بنیادی تجارتی سرگرمی درآمدہ سامان کو برآمد کرنے پر مشتمل دکھائی دیتی ہے؛ان میں شہد اور موم بتی کے موم نے خصوصا'' عرب وقائع نگاروں کے تصور کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ چنانچہ مقدّسی: "خِزاریہ میں بھیڑیں، شہد اور یہودی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ "30 یہ درست ہے کہ ایک مآخذ، دربند نامہ، میں خِزاری علاقے میں سونے یا چاندی کی کانوں کا ذکر ہے، لیکن ان کے مقام کا تعین نہیں کیا گیا۔ دوسری طرف متعدد ذرائع بغداد میں خزاروں کے تجارتی سامان اور قسطنطنیہ،اسکندریہ اور سمارا اور فرغانہ تک ان کی موجودگی کا ذکر کرتے ہیں۔ خِزاریا کسی بھی طرح مہذب دنیا سے الگ تھلگ نہیں تھا۔ شمال میں اپنے قبائلی پڑوسیوں کے مقابلتا'' یہ ایک وسیع المشرب ملک تھا جو ہر طرح کے ثقافتی اور مذہبی اثرات کیلئے کھلا تھا، جو دو کلیسیائی عالمی

طاقتوں کے خلاف اپنی آزادی کا غیرت مندانہ دفاع کر رہا تھا۔ ہم دیکھیں گے کہ اس رویے نے ناگہانی تغیر یا حیران کن واقعہ کیلئے موقع فراہم کیا جس سے یہودیت ریاستی مذہب کے طور پر قائم ہوا۔ ایسا لگتا ہے کہ فنون اور دستکاری پروان چڑھی، بشمول ہاتھ سے سلے اعلےٰ ملبوسات، جب مستقبل کے شہنشاہ قسطنطین پنجم نے خزاری کیگن کی بیٹی سے شادی کی (اوپر دیکھیں، سیکشن 1)، وہ اپنے جہیز میں ایک شاندار لباس لایا جس سے باز نطینی دربار اس قدر متاثر ہوا کہ اسے مردانہ رسمی لباس کے طور پر اپنایا گیا۔ انہوں نے اسے تزتزا کیون کہا، جو شہزادی کے بے تکلف خزاری۔ ترکی نام سے ماخوذ ہے، جو چیچاک یا" پھول" تھا (جب تک کہ وہ بپتسمہ لے کر آئرین نہیں بنی تھی)۔" یہاں،" ٹوئن بی نے تبصرہ کیا،" ہمارے پاس ثقافتی تاریخ کا ایک روشن ٹکڑا ہے۔" 31 جب ایک اور خزاری شہزادی نے آرمینیا کے مسلمان گورنر سے شادی کی تو اس کے دستے میں نوکروں اور غلاموں کے علاوہ پہیوں پر نصب بہترین ریشم سے بنے دس خیمے شامل تھے" جن کے دروازوں پر سونے اور چاندی کے پتر چڑھے ہوئے، فرش سمور کی کھال سے ڈھکے ہوئے تھے۔ جہیز ’’کیگن کے ایک گشتی خیمے میں آیا جو آراستہ و پیراستہ تھا، جس کی چوٹی پر سونے کا انار نصب تھا۔ جس میں بیس لوگ سونے اور چاندی کے ظروف اور دیگر بیش بہا اشیاء لائے‘‘

باب 13

بلگاروں اور مگیاریوں کی طرح خزارہ آرٹ بنیادی طور پر فارسی ساسانی نمونوں کی نقل تھا۔ سوویت ماہر آثار قدیمہ بیدر 33 نے شمال میں فارسی طرز کا چاندی کا سامان عام کرنے میں خزاروں کے کردار پر زور دیا۔ ان میں سے کچھ اشیاء بحیثیت اصل دلال خزاروں نے دوبارہ برآمد کی ہوں گی جو دیگر خزاری ورکشاپوں میں بنائی گئی تھیں جن کے آثار خزاری قلعے سارکل کے قریب قدیم کھنڈرات میں پائے گئے ہیں۔ [بدقسمتی سے سارکل، خزاری آثار قدیمہ کا اہم ترین مقام نئے تعمیر کردہ ہائیڈرو الیکٹرک سٹیشن کے تالاب میں سیلاب کی نظر ہو گیا۔] قلعے کی حدود میں جو زیورات برآمد ہوئے وہ مقامی ساخت کے تھے۔ 34 سویڈش ماہر آثار قدیمہ ٹی۔ جے۔ آرن نے سویڈن تک پائی جانے والی سجاوٹی پلیٹوں، آنکڑوں اور بکسوں کا تذکرہ کیا ہے جو ساسانی اور باز نطینی تخلیقی تحریک سے خزار یا یا ان کے زیر اثر علاقوں میں تیار کیے گئے تھے، 35 اس طرح خزارے مشرقی یورپ کے نیم وحشی قبائل میں فارسی اور باز نطینی فن کو پھیلانے کے بڑے معاون تھے۔ آثار قدیمہ اور دستاویزی شواہد کے مکمل سروے کے بعد (زیادہ تر سوویت ذرائع سے)، بار تھا نے نتیجہ اخذ کیا: خزاروں کے تِفلِس کی بربادی جو غالباً 629ء کے موسم بہار میں ہوئی ہمارے موضوع

سے متعلقہ ہے۔[قبضے کے دوران] کیگن نے سونے، چاندی، لوہے اور تانبے کی مصنوعات کی تیاری کی نگرانی کیلئے انسپکٹر بھیجے۔اسی طرح بازار، عام طور پر تجارت، یہاں تک کہ ماہی گیری بھی ان کے قبضے میں تھی....[اس طرح] ساتویں صدی میں اپنی مسلسل کاکیشیائی مہمات کے دوران خزاروں نے ایک ایسی ثقافت سے رابطہ قائم کیا جو فارسی ساسانی روایت سے پروان چڑھی تھی۔اس کے مطابق اس ثقافت کی مصنوعات نہ صرف تجارت کے، بلکہ لوٹ مار اور یہاں تک کہ ٹیکس کے ذریعے بھی میدانی لوگوں تک پھیلیں.... وہ تمام راستے جن کی ہم نے دسویں صدی میں مگیار آرٹ کا ماخذ دریافت کرنے کی امید میں پوری محنت سے پیروی کی، وہ ہمیں واپس خزاری علاقے میں چھوڑ گئے 36۔

ہنگیرین عالم کے آخری اظہار خیال کا تعلق قابل نظارہ آثار قدیمہ سے دستیاب اشیاء کو "Treasure of Nagyszentmiklos" کا نام دیا گیا ہے۔(دیکھئے منقش صدر دروازہ) دسویں صدی کے سونے کے تیئیس برتنوں پر مشتمل یہ خزانہ جو 1791ء میں اس نام کے گاؤں کے قریب ملا تھا۔[اب یہ علاقہ رومانیہ کا ہے اور اسے سِنّیکولاؤل میئر کہا جاتا ہے] بارتھا کا کہنا ہے کہ "فاتح شہزادہ" ایک قیدی کو اس کے بالوں سے گھسیٹنے کی تصویر اور سنہری جار کے عقب میں افسانوی منظر کے ساتھ ساتھ دیگر آرائشی اشیاء کا نمونہ بلگاریہ کے نووی پزار، اور خزارہ کے سارکل کے آثار سے قریبی مماثلت ظاہر کرتا ہے۔چونکہ مگیار اور بلگار دونوں طویل عرصے تک خزاروں کے زیر تسلط تھے، یہ زیادہ حیران کن نہیں ہے اور جنگجو، بقیہ خزانے سمیت، ہمیں کم از کم خزار سلطنت (فارسی اور بازنطینی اثر و رسوخ غالب ہے) میں فنونی پیشوں کا کچھ پتہ ضرور دیتا ہے۔[پر شوق قاری Gyula László's The Art of the Migration Period میں تصاویر کا ایک شان دار مجموعہ دیکھا جا سکتا ہے (گو اس کی تاریخی توضیح پر احتیاط کی ضرورت ہے)۔] چند ماہرین آثار قدیمہ کا کہنا ہے کہ دسویں صدی میں ہنگری میں دست کار سنار اور چاندی کا کام کرنے والے دراصل خزارے تھے۔37 جیسا کہ ہم بعد میں دیکھیں گے (دیکھیں III ،7، 8)، جب مگیار 896ء میں ہنگری کی طرف ہجرت کر گئے تو ان کی قیادت ایک اختلافی خزارہ قبیلے نے کی جو کبار کے نام سے موسوم تھا جو ان کے ساتھ اپنے نئے گھر میں آباد ہوئے۔کباری خزاروں کو سونے اور چاندی کے ماہر دست کار جانا جاتا تھا۔(اصل میں زیادہ قدیم) مگیاروں نے یہ مہارتیں صرف اپنے نئے ملک میں حاصل کیں۔اس طرح ہنگری میں

خِزار کی ابتدا کا نظریہ کم از کم چند آثار قدیمہ کی دریافت کے مد نظر نا قابل تصور نہیں ہے جیسا کہ بعد میں زیر بحث مگیار۔ خِزار کڑی کی روشنی میں واضح ہو جائے گا۔

باب 14

سونے کے برتن پر جنگجو مگیار نسل کا سوار ہو یا خِزار کا، وہ اس دور کے ایک گھڑ سوار کی شکل میں دیکھنا ہماری مدد کرتا ہے، شاید اس کا تعلق کسی اشرافیہ فوجی دستے کے حصہ سے ہو۔ مسعودی کہتا ہے کہ سات ہزار خِزاری فوجی [استخری کی تعداد 12،000 ہے۔] چار آئینہ لگائے تیر انداز، مِغفر اور لوہے کی چھلے دار صدری پہنے بادشاہ کے ساتھ چلتے ہیں۔ مسلمانوں کی طرح لیس اور مسلح نیزہ باز ہیں.... دنیا کے اس حصے میں خِزاری بادشاہ کے علاوہ کسی کے پاس ہمہ وقت تیار فوج نہیں ہے۔" اور ابن حوکل کے مطابق: "اس بادشاہ کی خدمت میں بارہ ہزار سپاہی ہیں۔ان میں سے جب کوئی مر جاتا ہے تو اس کی جگہ فورا'' دوسرا شخص منتخب کیا جاتا ہے۔" یہاں ہمارے پاس خِزاروں کے غلبے کی ایک اور اہم علامت ہے: ایک مستقل پیشہ ور فوج جس میں پریٹورین گارڈ جو امن میں نسلی پیچیدگیوں کو مؤثر طریقے سے قابو میں رکھتا اور جنگ کے زمانے میں ایک جان فروش مسلح گروہ کا کام کرتا تھا۔ یہ ہم نے دیکھا کہ غالبا'' کبھی کبھی اس کی تعداد ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ تک پہنچ جاتی تھی۔ مسعودی کے مطابق ''شاہی فوج'' ان مسلمانوں پر مشتمل تھی جنہوں نے خوارزم کے پڑوس سے ہجرت کی۔ بہت عرصہ پہلے ظہور اسلام کے بعد ان کے علاقے میں جنگ اور وباء پھیلی تھی۔ وہ تب خِزار بادشاہ کے پاس گئے .... جب خِزار بادشاہ مسلمانوں سے جنگ کرتا ہے تو اس کی فوج میں مسلمانوں کا الگ مقام ہوتا ہے چونکہ وہ اپنے عقیدے کے لوگوں سے نہیں لڑتے "حوالہ ڈنلوپ (1954)، صفحہ 206] یہ کہ فوج مسلمانوں پر "مشتمل" تھی یقیناً مبالغہ آرائی ہے جس کی تردید مسعودی نے خود چند سطروں کے بعد کی ہے، جہاں وہ کہتا ہے۔ خِزار کی فوج میں مسلمانوں کا دستہ ایک "الگ جگہ "رکھتا ہے۔ نیز ابن حوکل کا کہنا ہے کہ "بادشاہ کے جلو میں 4،000 مسلمان اور خدمت کیلئے 2،000 سپاہی ہیں۔ خوارزمیوں نے غالبا'' فوج میں سوِس گارڈ قسم کی چیز بنالی تھی جبکہ ان کے ہم وطن " "یرغمالیوں" کی بات کرتے ہیں (اوپر دیکھیں، سیکشن 10)۔ اس کے برعکس بازنطینی شہنشاہ Constantine Porphyrogenitus نے اپنے محل کے دروازوں پر خِزاروں کے محافظوں کا ایک دستہ تعینات کیا تھا۔ یہ ایک ایسا اعزاز تھا جو بڑی قیمت چکا کر حاصل کیا گیا تھا: "ان محافظوں کو اتنا اچھا معاوضہ دیا گیا تھا کہ انہیں اپنی آسامیاں خریدنے کیلئے کافی رقم ادا کرنی پڑی، تنخواہوں پر تقریباً 2.25 سے 4 فیصد

تک سالانہ وظیفہ ہوتا تھا.(Constantine, De Ceremoniis, pp. 692-3)۔ مثلا "ایک خِزارہ جس نے 7.4 s حاصل کیے اس نے اندراج کیلئے 302.8 s ادا کیے تھے."(Bury, p. 228n)"

باب 15

" اس گونا گوں سلطنت کا دارالحکومت پہلے غالباً قفقاز کے شمالی دامن کوہ میں واقع قلعہ بالانجر میں تھا۔ آٹھویں صدی میں عربوں کے حملوں کے بعد اسے کیپسین کے مغربی ساحل وولگا کے دریا کے دہانے پر واقع سَمندر منتقل کر دیا گیا تھا.

ہمارے پاس متعدد وضاحتیں ہیں جو ایک دوسرے سے کافی حد تک مماثل ہیں۔ یہ ایک جڑواں شہر تھا جو دریا کے دونوں کناروں پر تعمیر کیا گیا تھا۔ مشرقی نصف کو خزاران، مغربی نصف کو [یہ قصبہ مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے مذکور ہے، البیضا، "سفید شہر" کہا جاتا تھا۔] دونوں کشتیوں کے پل کے ذریعے ملے ہوئے تھے۔ مغربی نصف اینٹوں سے بنی ایک مضبوط دیوار سے گھرا ہوا تھا۔ اس میں کیگن اور بیک کے محلات اور دربار، ان کے خدام کی رہائش گاہیں تھیں [مسعودی ان عمارتوں کو مغربی کنارے کے قریب کسی جزیرہ یا جزیرہ نما میں بتاتا ہے۔] اور "خالص نسل کے خِزار"۔ دیوار کے چار دروازے تھے جن میں سے ایک کا رخ دریا کی طرف تھا۔ دریا کے اس پار مشرقی کنارے پر، "مسلمان اور بت پرست "رہتے تھے؛ 38 اس حصے میں مساجد، بازار، حمام اور دیگر عوامی سہولیات بھی تھیں۔ کئی عرب مصنفین مسلم علاقے میں مساجد کی تعداد اور مرکزی مینار کی اونچائی سے متاثر ہوئے۔ وہ مسلم عدالتوں اور پادریوں کو میسر خود مختاری پر بھی زور دیتے رہے۔ "عربوں کا ہیروڈوٹس" کے نام سے مشہور المسعودی نے اس موضوع پر اپنی کتاب Meadows of Gold Mines and Precious Stones میں کہتا ہے:

خِزار کے دارالحکومت میں سات ججوں کا رواج ہے۔ ان میں سے دو مسلمانوں، دو خِزاروں کیلئے جو تورات (موسیٰ کے قانون) کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں، دو عیسائیوں کیلئے، انجیل کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں اور ایک سقلیبہ، روس اور دیگر مشرکین کیلئے جو مشرکین کے قانون کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔۔۔۔ اس کے [خِزار بادشاہ کے] شہر میں بہت سے مسلمان، سوداگر اور کاریگر ہیں جو اس کے انصاف اور اس میں حفاظت کی وجہ سے یہاں آئے ہیں۔ ان کی

ایک مرکزی مسجد اور ایک مینار ہے جو شاہی قلعے سے بلند ہے اور اس کے علاوہ وہاں دیگر مساجد ہیں جن میں اسکول ہیں جہاں بچے قرآن سیکھتے ہیں۔ دسویں صدی کے پہلے نصف میں لکھے سب سے بڑے عرب مؤرخ کی یہ سطور پڑھ کر [قیاس 943ء اور 947ء کے درمیان۔] خزاری سلطنت میں زندگی کے متعلق شاید بہت ہی دلکش منظر کی خواہش جاگے۔ چنانچہ ہم جیوش انسائیکلوپیڈیا کے مضمون "خزار" میں پڑھتے ہیں:

"مغربی یورپ میں جب جنون، جہالت اور طوائف الملوکی کا راج تھا تو خزاروں کی سلطنت منصفانہ اور وسیع النظر انتظامیہ پر فخر کرسکتی تھی۔" [یہودی انسائیکلوپیڈیا، شائع 6-1901ء انسائیکلوپیڈیا جوڈیکا، 1971ء میں ڈنلوپ کا خزاروں پر مضمون مثالی واقعیت ہے۔] یہ، جیسا ہم نے دیکھا کہ جزوی طور پر درست ہے؛ لیکن صرف جزوی طور پر۔ یہودیت قبول کرنے سے پہلے یا بعد خزاروں کے مذہبی ظلم و ستم میں ملوث ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اس لحاظ سے وہ مشرقی رومی سلطنت یا اسلام کے ابتدائی دور میں زیادہ روادار اور روشن خیال کہلا سکتے ہیں۔ دوسری طرف ایسا لگتا ہے کہ انھوں نے اپنے قبائلی ماضی کی کچھ وحشیانہ رسومات کو محفوظ کر رکھا ہے۔ ہم نے ابن فضلان سے شاہی قبر کھودنے والوں کو قتل کرنے کا سنا ہے۔ ایک اور قدیم رسم و رواج کے متعلق کہتے ہیں: "بادشاہ کی حکومت کی مدت چالیس سال ہے۔ اگر اس کی عمر اس وقت سے ایک دن زیادہ ہو جائے تو اس کی رعایا اور حاضرین اسے یہ کہتے ہوئے مار ڈالتے ہیں کہ "اس کے استدلال کی لو پہلے ہی مدھم ہے اور بصیرت الجھی ہوئی ہے"۔

استخری کا بیان اس سے مختلف ہے: جب وہ اس کیگن کو تخت نشین کرنا چاہتے ہیں تو وہ اس کی گردن میں ریشمی ڈوری ڈال کر اور اسے اس کے دم گھٹنے تک کستے ہیں اور پوچھتے ہیں: "تم کب تک حکومت کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" اگر وہ اس سال سے پہلے نہ مرے تو اس کے پاس پہنچ کر اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ 39

بری مشکوک ہے آیا عرب مسافر کی روایت پر یقین کیا جائے، اگر رسمی شاہ کشی (اور نہ بہت ہی قدیم) اس قدر عام ہوتی تو کوئی شخص اس کو مسترد کرنے پر مائل نہ ہوتا۔ فریزر نے اس کی طاقت کے زوال پزیر ہونے پر اور ایک مقررہ مدت کے بعد لوگوں میں اسے مارنے کے الوہیت کے مقدس فریضے پر زیادہ زور دیا تاکہ شائد الٰہی طاقت زیادہ جوان سال اور پرجوش اوتار ڈھونڈ نکالے۔ [فریزر نے اسی انداز میں ایک خصوصی مقالہ لکھا۔ Killing of the Khazar Kings” (Folklore, xxvlll] یہ بات استخری کے حق میں ہے کہ مستقبل کے بادشاہ کی

"دم گھٹنے" کی عجیب و غریب تقریب بظاہر دوسرے لوگوں، کوک ترکوں کے درمیان کچھ دیر پہلے سے موجود تھی۔ ذکی ولیدی نے ایک فرانسیسی ماہر بشریات سینٹ جولین کے حوالہ سے 1864ء میں لکھا:

جب نیا سردار چن لیاجاتاتواس کے افسران اور حاضرین... اسے اس کے گھوڑے پر سوار کر دیتے۔ وہ اس کی گردن کے گرد بغیر اس کا گلا گھونٹے ریشم کی ایک ڈوری کستے، پھر ڈوری ڈھیلی کرتے اور نہائت اصرار سے پوچھتے: تم کتنے سال ہمارے خان رہ سکتے ہو؟ بادشاہ پریشانی کے عالم میں کوئی مدت بتانے سے قاصر ہوتا، اس کی رعایا اس کے مونہہ سے نکلے الفاظ کی قوت کے مد نظر فیصلہ کرتی، آیا اس کی حکومت کی مدت طویل ہو گی یا مختصر۔ 40

ہمیں اس کا علم نہیں کہ بادشاہ کا قتل (اگر یہ رسم کبھی موجود تھی)، خزاروں میں یہودیت اپنانے کے بعد منقطع ہو گئی؛ اس صورت میں عرب مصنفین ماضی کو حال کے طرز عمل کے ساتھ الجھا رہے تھے جیسا کہ انہوں نے ہمیشہ کیا؛ مسافروں کی قدیم رپورٹیں مرتب کر کے انہیں معاصرین سے منسوب کرتے تھے۔ بہر حال یہ ہو سکتا ہے کہ جو نکتہ برقرار رکھا جا سکتا ہے اور اختلاف سے بالاتر معلوم ہوتا ہے وہ الٰہی کردار ہے جو کیگن سے منسوب ہے، قطع نظر اس سے کہ اس کا مطلب حتمی قربانی ہے یا نہیں۔ ہم نے پہلے سنا ہے کہ اس کی تعظیم کی جاتی تھی لیکن عملی طور پر خلوت میں رکھا جاتا تھا، لوگوں سے بے گانہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ اسے بڑی تقریب کے ساتھ دفن کیا جاتا تھا۔ ریاستی امور بشمول فوجی قیادت کا انتظام بیک (کبھی کبھار کیگن بیک بھی کہا جاتا تھا) کے ذریعے کیا جاتا تھا، جس کے اختیار میں تمام مؤثر طاقت تھی۔ اس نکتے پر عرب اور جدید مورخین متفق ہیں اور مؤخر الذکر عام طور پر خزاری نظام حکومت کو "دوہری بادشاہت" کے طور پر بیان کرتے ہیں، کیگن الٰہی کا نائب، بیک لامذہب طاقت کی نمائندگی کرتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ بالکل غلطی سے خزاروں کی دوہری بادشاہت کا اسپارٹن بادشاہت اور مختلف ترک قبائل کے درمیان سطحی طور پر ایک جیسی دوہری قیادت کا موازنہ کیا گیا ہے۔ سپارٹا کے دو بادشاہ، دو سرکردہ خاندانوں کی اولاد، برابر اختیار رکھتے تھے اور جہاں تک خانہ بدوش قبائل کے درمیان دوہری قیادت کا تعلق ہے [الفولڈی نے خیال ظاہر کیا ہے کہ قبیلے کے دونوں رہنما دونوں بازؤں کے سپہ سالار تھے (بحوالہ Dunlop, p. 159, n.123)۔] خزاروں کے درمیان افعال کی بنیادی تقسیم کے متعلق کوئی شہادت نہیں ملی۔ زیادہ درست موازنہ جاپان میں قرون وسطیٰ سے لے کر 1867ء تک کے نظام حکومت سے ہے جہاں غیر مذہبی اختیار فوجی حاکم کی ذات میں مجتمع تھا جب کہ میکاڈو کو دور سے ایک الٰہی شخصیت کے طور پر پوجا جاتا تھا۔ 41 کیسل نے خزاری نظام حکومت اور شطرنج کے کھیل کے درمیان

ایک پرکشش تشبیہ پیش کی ہے۔ دوہری بادشاہت کی نمائندگی شطرنج کے تختے پر بادشاہ (کیگن) اور ملکہ (بیک) کرتے ہیں۔ بادشاہ کو تنہائی میں رکھا جاتا ہے، اس کی حفاظت خدمت گار کرتے ہیں، اس میں بہت کم قوت ہوتی ہے اور وہ بیک وقت صرف ایک چھوٹے سے قدم سے آگے بڑھ سکتا ہے۔ ملکہ، اس کے برعکس تختے پر سب سے طاقت ور موجودگی غلبہ رکھتی ہے۔ پھر بھی ملکہ ہار سکتی ہے اور کھیل اب بھی جاری ہے، جب کہ بادشاہ کا زوال حتمی تباہی ہے جس سے مقابلہ فورا'' ختم ہو جاتا ہے جو دوہری سلطنت کے درمیان ایک واضح فرق کی نشان دہی کرتا ہے۔

خزاروں کی ذہنیت میں مقدس اور ناپاک۔ کیگن کی الوہی صفات ابن حوکل کے درج ذیل حوالے سے بخوبی ثابت ہے: [ابن حوکل، ایک اور عرب جغرافیہ دان اور مورخ نے 977ء کے قریب اپنا مشرقی جغرافیہ لکھا جو استخری نے چالیس سال قبل لکھا تھا، لیکن اس میں کم ابہام ہے، اس لیے میں نے ابن حوکل کے اوسلی کے ترجمہ (1800ء) کی پیروی کی ہے۔]

خاکان کو ہمیشہ شاہی نسل کا ہونا چاہیے۔ اہم کام کے سوا کسی کو اس کے پاس جانے کی اجازت نہیں ہے: پھر وہ اس کے سامنے سجدہ کرتے اور اپنے منہ زمین پر رگڑتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ان کے پاس آنے اور بولنے کا حکم دیتا ہے۔ جب کوئی خاکان مر جاتا ہے تو جو بھی اس کی قبر کے قریب سے گزرے اسے پیدل جانا اور قبر پر تعزیت کرنا چاہیے۔ جب وہ روانہ ہو رہا ہو تو گھوڑے پر سوار نہ ہو جب تک کہ قبر نظر سے اوجھل نہ ہو جائے۔ اس حاکم کا اتنا مکمل اختیار ہے اور اس کے احکام کی اتنی صریح تعمیل کی گئی ہے۔ کہ اگر اس کیلئے یہ مناسب معلوم ہو کہ اس کے امیروں میں سے کوئی مر جائے اور اگر وہ حکم دے کہ جا اور اپنے آپ کو مار ڈال تو وہ آدمی فوراً اپنے گھر جا کر اس کے حکم کی تعمیل میں خود کو مار ڈالتا۔ خاکان کی جانشینی اس طرح ایک ہی خاندان میں قائم کی گئی [استخری: "مشہور افراد کے خاندان میں جس کے پاس نہ طاقت ہے اور نہ دولت"]؛ کسی فرد پر جب وراثت کی باری اس میں سے آتی ہے تو اس کی عظمت کی تصدیق کی جاتی ہے، گو اس کے پاس ایک درہم بھی نہ ہو۔ میں نے اہل ایمان سے سنا ہے کہ بازار میں ایک نوجوان کی بساطی کی چھوٹی سی دکان تھی تو لوگ اس کے متعلق کہتے تھے: جب موجودہ خاکان رخصت ہو جائے گا تو یہ شخص تخت پر براجمان ہو جائے گا" [استخری: روٹی بیچتا ہو] "خانیٹ شعبے میں اس سے زیادہ لائق کوئی آدمی نہیں ہے"]۔

لیکن وہ نوجوان مسلمان تھا لیکن خاکانیت کا حق دار صرف یہودی ہوتا ہے۔ خاکان کے پاس سونے کا تخت اور شہ نشین ہوتا ہے جو کسی دوسرے شخص کو عطا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ خاکان کا محل دیگر عمارات سے بلند تر ہوتا ہے۔ 42

بازار میں روٹی بیچنے والے نیک نوجوان کے متعلق عبارت، یا جو بھی ہے، ہارون الرشید کے متعلق ایک کہانی کی طرح لگتا ہے، اگر اسے یہودیوں کیلئے مخصوص سونے کے تخت کا وارث بننا ہوتا تو پھر اس کی پرورش ایک غریب مسلمان کے طور پر کیوں ہوئی؟ اس کہانی کو بامطلب بنانے کیلئے یہ فرض کرنا پڑے گا کہ کیگن کو اس کی عمدہ خوبیوں کی بنیاد پر منتخب کیا گیا تھا، لیکن "شاہی نسل" یا "مشہور افراد کے خاندان" کے اراکین میں سے منتخب کیا گیا تھا"۔ یہ دراصل آرٹامونوف اور ذکی ولیدی کا نظریہ ہے۔ آرٹامونوف کا خیال ہے کہ خزاروں اور دیگر ترک عوام پر ترکوت خاندان کی اولادوں کی حکومت تھی جو قدیم ترک معدوم سلطنت کے پہلے حاکم تھے (اوپر سیکشن 3)۔ ذکی ولیدی نے رائے دی کہ "شاہی نسل" یا "مشہور افراد کے خاندان" سے کیگن کا تعلق ہونا ضروری ہے، اس سے مراد ایسا قدیم خاندان ہے جس کا ذکر چینی ذرائع میں کیا گیا ہے، ایک قسم کی صحرائی اشرافیہ جس کا ترک اور منگول حکمران روایتی طور پر نسبی سلسلے کا دعویٰ کرتے ہیں. یہ کافی حد تک بظاہر معقول لگتا ہے اور اس بیانیے میں، جس کا ابھی حوالہ دیا گیا ہے، متضاد اقدار کو ہم آہنگ کرنے کی طرف کسی حد تک جاتا ہے:

عظیم نوجوان کا ایک درہم تک کا مالک نہ ہونا۔۔ اور سنہری تخت کے آس پاس کی شان و شوکت اور حالات۔ ہم ایک اسکرین پر دو روایات کی نظری مداخلت کی طرح دو لہروں کے نمونے کو منطبق ہونے کا مشاہدہ کر رہے ہیں: سخت زندگی گزارنے والے صحرائی خانہ بدوشوں کے قبیلے کی تپسیا، اس کی پھلتی پھولتی تجارت اور دستکاری کی بنیاد پر شاہی دربار کی چمک دمک جو بغداد اور قسطنطنیہ میں اپنے حریفوں پر سبقت لے جانے کی سر توڑ کوشش کر رہی ہے۔ ان شان دار عدالتوں کے ذریعے جن عقائد کا دعویٰ کیا گیا ہے وہ ماضی میں بھی صحرائی انبیاء سے متاثر ہوئے تھے.. یہ سب کچھ الہٰی اور لامذہب طاقت کی چونکا دینے والی تقسیم کی وضاحت نہیں کرتا جو اس دور اور خطے میں بظاہر منفرد ہے۔ جیسا کہ بری نے لکھا43:

"ہمارے پاس کسی قسم کی معلومات نہیں ہیں کہ چاگن کی فعال حاکمیت کو کس وقت اس کی معدوم الوہیت کے بدلے تبدیل کیا گیا یا اسے جاپان کے شہنشاہ جیسے عہدے پر کیوں سرفراز کیا گیا تھا جس میں اس کا وجود نہ کہ اس کی حکومت ریاست کی خوش حالی کیلئے ضروری سمجھا جاتا تھا۔" اس سوال کا ایک قیاس آرائی پر مبنی جواب حال ہی میں آرٹامونوف نے تجویز کیا ہے کہ یہودیت کو بطور ریاستی مذہب قبول کرنا ایک انقلاب کا نتیجہ تھا جس نے بیک وقت کیگن کو محض ایک کٹھ پتلی سا بنا دیا، ایک کافر خاندان کی اولاد جس کا موسوی قانون کی وفاداری پر فی الواقع بھروسہ نہیں

کیاجاسکتا تھا۔یہ بھی دوسروں جیسی ایک قیاس آرائی ہے اوراس کے حق میں بہت کم ثبوت ہے۔پھر بھی ایسالگتاہے کہ دوواقعات کاامکان۔۔۔یہودیت کواپنانااور دوہری بادشاہت کاقیام-کسی نہ کسی طرح سے جڑے ہوئے تھے۔[پتہ چلتاہے کہ تبدیلی مذہب سے قبل، مثلا" جسٹینین سے نپٹنے کیلیئے کیگن فعال کرداراداکرتاتھا۔ جسٹنین معاملات کو مزید پیچیدہ بنانے کیلیئے عرب ذرائع بعض اوقات "کیگن "کاحوالہ دیتے ہیں جبکہ ان کاواضح مطلب "بیک "ہوتاہے (جیسے "کیگن"، بہت سے قبائل میں "حاکم "کیلیئے عام اصطلاح تھی۔)اور وہ بیک کیلیئے بھی مختلف نام استعمال کرتے ہیں جودرج ذیل فہرست سے ظاہر ہوتاہے(منورسکی کے بعد، حدودالعالم، صفحہ 451):کانسٹ۔پورفیر، خاقان بیک ؛ابن رستہ، خِزار خاقان، عائشہ؛مسعودی، خاقان مالک؛استخری، مالک خِزار، خاقان خِزار ل؛ابن حوکل، خاقان خِزار ،ملک خِزار یابیک؛ گردیزی، خِزار خاقان ابشاد؛.ایسالگتاہے کہ حکمرانوں کی ترتیب بدل گئی ہے۔]

22

حوالہ جات

.p. 690،De Cacromoniis l،Constantine Porphyrogenitus1

pp. ix-x،D. M. (1954)،Dunlop3.p.402،J. B. (1912)،Bury2

4بارتلیہ،اے(1968)،ص۔5.35پولیک،اےاین(1951)۔6 کیسیل،ص(1876)۔

7برتھا،صفحہ24۔8بارتھا،صفحہ24اورنوٹس۔9برتھا،ص۔24،این.147-9۔10استوریہ خِزار،1962۔

11ابن سعیدالمغربی،ڈنلوپ کاحوالہ،صفحہ 1112Schultze(1905)،صفحہ۔23.

13مارکوارٹ،ص۔44،این.4ڈنلوپ(1954)کے حوالے سے14،صفحہ۔15.96ابنِ بلخی،فارس نمک۔

16گبن،جلد۔وی،صفحہ87-8۔17کا لنکاٹک کے موسیٰ،ڈنلوپ کاحوالہ،صفحہ۔29.

18آرٹامونوف،ایم1.(1962)۔19اوبولنسکی،ڈی،(1971)،صفحہ1712۔20گبن،ص79۔

21گبن،ص۔22.180گبن،ص۔Op23.182.حوالہ،صفحہ176۔24ذکی ولیدی،ایکس۔a36

AI-Masudi28۔استخارہ27.61ص.Ibid26۔p. 50،Ibid.25

29ابن حکل، استخری بھی (جو صرف 4000 باغات تھے)۔

30 مقدسی، ص۔355، بیرن III کے حوالے سے، صفحہ۔197.

31ٹوئن بی، اے (1973)، صفحہ 54932 ذکی ولیدی، ص۔33.120 بارتھا کا حوالہ، صفحہ۔184،

34 برتھا، ص۔35.139 ڈنلوپ (1954) کے حوالے سے، صفحہ۔36.231 برتھا، صفحہ 143-5۔

László37، G. (1974)، pp. 66f، Dunlop37 a (1954) کا حوالہ دیا گیا۔p206۔

38 حدود العالم، نمبر 50۔39 آپریشن .cit، p. 405.

St. Julien40، Documents sur les Tou Koue، Zeki Validi کے حوالے سے، p.
41.z69 کیسیل، اوپر. حوالہ، صفحہ 52۔42ابن حکل، صفحہ 189-90۔43Op.cit.، p. 405

تبدیلیءمذہب

عبرانیوں کے مذہب کا"، بیری لکھتا ہے، "اسلام کے عقیدہ، اور عیسائیت کی بنیاد پر گہرا اثر تھا؛ اس نے بکھرے نو مذہبیوں کو جیت لیا تھا لیکن خِزاروں کا یہوواہ کے اصل مذہب میں تبدیلی تاریخ میں منفرد ہے۔1

اس منفرد واقعہ کا محرک کیا تھا؟ خِزاری شہزادہ جو دھات کی چھلے دار صدری سے ڈھکا ہوُا تھا، کو سمجھنا آسان نہیں ہے۔ ہم اگر اقتدار کی سیاست کے حوالے سے استدلال کریں جو تمام زمانوں میں بنیادی طور پر ایک ہی اصول کی پابندی کرتی ہے تو کافی حد تک بظاہر معقول مشابہت نظر آتی ہے۔ آٹھویں صدی کے آغاز میں دنیا عیسائیت اور اسلام کی مستند قدیم سیاسی طاقت سے منسلک تھی۔ خِزاری سلطنت تیسری قوت کی نمائندہ بنی جو عیسائیت یا اسلام قبول نہ کر کے ہی اپنی آزادی برقرار رکھ سکتی تھی۔۔۔ دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب خود بخود رومی شہنشاہ یا بغداد کے خلیفہ کی جھولی میں ڈال دیتا۔ خِزاروں کو عیسائی یا مسلم بنانے کیلئے درباری کوششوں میں کوئی کمی نہیں تھی لیکن شاہی سفارتی تبادلوں، باہمی خاندانی شادیوں اور مفاد پرستی پر مبنی فوجی اتحاد کی تبدیلیوں کے باوجود خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ اپنی فوجی طاقت پر بھروسہ کر کے میدانی آزاد قوموں کی رہنما خِزاری سلطنت تھی جو اندرونی علاقے کے باصلاحیت قبائل سمیت بطور تیسری قوت اپنی حیثیت برقرار رکھنے کیلئے پرعزم تھی۔ باز نطیم اور خلافت کے ساتھ گہرے روابط سے یہ بھی علم ہوُا کہ خِزاری قدیم شمانیت نہ صرف وحشیانہ اور پرانی تھی بلکہ وہ دیگر رہنماؤں کے عظیم توحیدی، روحانی اور

قانونی عقائد عطا کرنے سے بھی قاصر تھی۔ وہ اختیار جس سے دونوں عالمی الوہی حکومتی طاقتوں کے حکمران، خلیفہ اور شہنشاہ بہرہ ور ہو رہے تھے۔ پھر بھی کسی مسلکی طور پر تبدیلی کو تسلیم کرنا آزادی کا خاتمہ ہوتا یا بالفاظ دیگر مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ اس سے زیادہ منطقی بات اور کیا ہو سکتی تھی کہ کسی تیسرے عقیدے کو اپنایا جائے جو دونوں کا غیر پابند ہوتا لیکن دونوں کی قابل احترام بنیاد کا نمائندہ بھی ہوتا؟ فیصلے کی ظاہری منطق یقیناً پچھلے فریب نظر کی وجہ سے ہے۔ یہودیت میں تبدیلی کیلئے فوق الفطرت صلاحیت کی ضرورت تھی۔ عرب اور عبرانی دونوں تبدیلیءمذہب کی تاریخ کے ذرائع گو تفصیل میں مختلف ہیں، استدلال کے ایک طرز کی طرف اشارہ کرتے ہیں جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ ایک بار پھر بری کے حوالہ سے:

اس میں قطعا" شک نہیں کہ حکمران کا یہودیت کو اپنانا سیاسی مقاصد کے تحت تھا۔ محمدی مذہب کو اپنانا اسے خلفائے راشدین کا روحانی مقلد بنا دیتا جنہوں نے خزاروں پر اپنے عقیدے کا دباؤ ڈالنے کی کوشش کی اور عیسائیت میں رومن سلطنت کا کلیسیائی غلام بننے کا خطرہ تھا۔ یہودیت مقدس کتابوں سمیت ایک اچھی شہرت والا مذہب تھا جس کا عیسائی اور محمدی دونوں احترام کرتے تھے؛ اس نے اسے وحشیوں سے بلند کیا اور اسے خلیفہ یا شہنشاہ کی مداخلت سے محفوظ رکھا۔ لیکن ختنہ سمیت یہودی فرقے کی عدم برداشت کو نہیں اپنایا اور لوگوں کی بڑی تعداد کو کفر اور بت پرستی کی اجازت دئے رکھی۔2

خزاری دربار کی تبدیلیءمذہب گو بلاشبہ سیاسی محرک کی وجہ سے تھی لیکن یہ تصور کرنا مضحکہ خیز ہوگا کہ انہوں نے راتوں رات بلا تحقیق ایک ایسا مذہب قبول کر لیا وہ جس کے اصولوں سے لاعلم تھے۔ وہ یہودیوں اور ان کی مذہبی عبادات سے کم از کم ایک صدی پہلے سے بازنطیم میں مذہبی ظلم و ستم سے پناہ گزینوں کے ہجوم اور قدرے ایشیا کوچک سے عربوں کی فتوحات کے باعث مسلسل آمد کے ذریعے بخوبی واقف تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ شمال کے وحشیوں میں سے خزاری ایک نسبتاً مہذب ملک تھا لیکن ابھی تک عسکریت پسندوں میں سے کسی کا بھی پابند نہیں تھا اور یہ اس لیے بازنطینی حکمرانی کے دوران جبری تبدیلی اور دیگر دباؤ کے تحت یہودیوں کے وقتاً فوقتاً اخراج کیلئے ایک قدرتی پناہ گاہ بن گیا، تھا۔ جسٹینین اول (65- 527)ءاور ساتویں صدی میں ہیر یکلیس کے تحت خصوصا" آٹھویں میں لیوIII، نویں میں باسل اور لیو چہارم، دسویں میں رومانس کے تحت مختلف خبیث شکلوں میں ظلم و ستم شروع ہو چکا تھا۔ اس طرح لیو۳ جس نے خزاروں کی یہودیت کیلئے تبدیلی سے صرف دو دہائی پہلے حکومت کی۔ "ایک

جھٹکے میں [یہودیوں کی قابل قبول حیثیت] بے ضابطگی کو ختم کرنے کی یہ کوشش کی کہ تمام یہودیوں کو بالجبر بپتسمہ دیا جائے۔3 اپنی تمام یہودی رعایا کو بپتسمہ دینا غالبا" غیر مؤثر لگتا تھا بدیں وجہ باز نطیم سے کافی تعداد میں یہودیوں کی نقل مکانی ہوئی۔ مسعودی بیان کرتا ہے:

اس شہر میں مسلمان، عیسائی، یہودی اور کافر آباد ہیں۔ یہودی بادشاہ، اس کے خادم اور اس کی قسم کے خزاری ہیں۔ [یعنی، غالباً "سفید خزاروں" کا حکمران قبیلہ، اوپر دیکھیں، باب اول، 3۔] خزاری بادشاہ ہارون الرشید کی خلافت کے وقت یہودی بن چکا تھا [یعنی، 786ء اور 809ء کے درمیان؛ لیکن عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مسعودی نے آسان تاریخی واقعہ کا استعمال کیا۔ اور یہ کہ تبدیلی 740 ء کے آس پاس ہوئی۔] اور اس کے ساتھ تمام اسلامی مملک اور یونانی ملک کے یہودی شامل ہوئے۔ [باز نطیم]۔ در حقیقت موجودہ وقت میں یونانیوں کے بادشاہ نے ہجری کے سال 332 [943-4ء] میں اپنی سلطنت کے یہودیوں کو بالجبر عیسائی بنالیا۔ ..اس طرح بہت سے یہودیوں نے یونانی ملک سے خزاریا کی طرف نقل مکانی کی۔..3a۔

آخری دو جملے جن کا حوالہ دیا گیا ہے وہ خزاروں کی تبدیلیء مذہب کے دوسو سال بعد کے واقعات ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ صدیوں کے دوران ظلم و ستم کی لہریں کس طرح باقاعدگی سے پیچھا کرتی رہی ہوں گی۔ لیکن یہودی بھی اسی طرح ثابت قدم رہے۔ بہت سے لوگوں نے اذیتیں برداشت کیں اور جن میں مزاحمت کی طاقت نہیں تھی وہ بعد میں اپنے عقیدے کی طرف لوٹ آئے۔ "جیسے کتے کا اپنی قے پر جانا" جیسے عیسائی وقائع نگار نے اسے خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔4 عبرانی مصنف کی تفصیل بھی اتنی ہی دلکش ہے۔5 شہنشاہ باسل کے دور میں یہودیوں کے خلاف جنوبی اٹلی میں اور یا کمیونٹی میں استعمال ہونے والی جبری تبدیلی کا جو طریقہ اختیار کیا:

انہیں کیسے مجبور کیا؟ ان کے غلط عقیدے کو قبول کرنے سے انکار پر زیتون کی چکی میں لکڑی کی پریس کے نیچے رکھ کر ویسے نچوڑا گیا جیسے زیتون کو چکی میں نچوڑا جاتا ہے۔

ایک اور عبرانی مآخذ 6 شہنشاہ رومانس کے تحت ہونے والے ظلم و ستم پر تبصرہ کرتا ہے۔ "یونانی بادشاہ" مسعودی جس کا حوالہ دیتا ہے: "اور اس کے بعد ایک بادشاہ پیدا ہوگا جو انہیں تباہی سے نہیں بلکہ رحم دلی سے ملک بدر کر کے ستائے گا۔" تاریخ میں ان لوگوں پر جو رحم کیا گیا، جنھوں نے تبدیلی سے پہلے اور بعد نقل مکانی کی یا جہاں دھکیل دئے گئے وہ خزاریا کا وجود تھا" یہ پناہ گزینوں کی پناہ گاہ تھی جو بعد میں ایک قسم کا قومی گھر بن گیا۔ مہاجرین ایک اعلیٰ ثقافت

کی پیداوار تھے اور بلاشبہ اسے بین الاقوامی، روادار رنگ ڈھنگ کا بنانے میں ایک اہم عنصر تھے جس نے متذکرہ بالا عرب مورخین کو متاثر کیا۔ ان کا اثر ورسوخ —ان کے تبدیلیٔ مذہب کے جوش نے بلاشبہ اسے سب سے پہلے دربار کے معروف شرفاء سے منوالیا ہوگا۔ [یہ وہ دور تھا جب کافروں کیلئے بالجبر یا ترغیب سے تبدیلیٔ مذہب نہائت باعث تشویش تھا۔ یہ کہ یہودی بھی اس میں ملوث تھے اس حقیقت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب سے جسٹنین کے دور حکومت میں بازنطینی قانون عیسائیوں کو یہودیت میں تبدیل کرنے کی کوشش کی پاداش میں سخت سزاؤں کی دھمکی دیتا ہے جب کہ یہودیوں کی عیسائیت میں تبدیل کرنے کی "چھیڑ چھاڑ" کی سزا آگ میں جھونک دینے سے موت تھی۔ (شارف، صفحہ 25)۔]

انہوں نے اپنی تبلیغی کوششوں میں مذہبی دلائل اور مسیحی پیشین گوئیاں جمع کر کے ہوشیاری سے تخمینا" سیاسی فوائد جو خزاروں کو ایک "غیر جانبدار" مذہب اپنانے سے حاصل ہوں گے، جلاوطن اپنے ہمراہ بازنطینی فنون، دست کاری، اعلیٰ زراعتی طریقے، تجارت اور مربع عبرانی حروف تہجی لائے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس سے پہلے خزارے کس قسم کا رسم الخط ااستعمال کرتے تھے لیکن ابن ندیم کی فہرست، 7 ایک قسم کی عالمگیر کتابیات جو تقریباً 987ء لکھی گئی، ہمیں مطلع کرتی ہے کہ اس کے زمانے میں خزارے عبرانی حروف تہجی استعمال کرتے تھے۔ (مغرب میں قرون وسطیٰ کے لاطینی استعمال کا مترادف) اور خزاریا میں مستعمل مختلف زبانوں کیلئے بطور تحریری حروف تہجی (مغربی یورپ میں مختلف مقامی زبانوں کیلئے لاطینی حروف تہجی کے استعمال کا مترادف) عبرانی میں عالمانہ گفتگو کیلئے اس نے دوہری خدمت کی۔ ایسا لگتا ہے کہ خزاریہ سے عبرانی رسم الخط پڑوسی ممالک میں پھیل گیا۔ اس طرح چوولسن مطلع کرتا ہے کہ "کریمیا میں ایک غیر سامی زبان میں (یا ممکنہ طور پر دو مختلف غیر سامی زبانوں میں) فاناگوریہ اور پارتھینیٹ کی دو قبروں کی الواح پر نوشتہ جات عبرانی حروف میں پائے گئے تھے؛ وہ ابھی تک پڑھے نہیں جا سکے۔"8 [یہ نوشتہ جات فرکووچ کی جعل سازی کے علاوہ ہیں، جو مورخین میں بدنام ہے (ملاحظہ کریں ضمیمہ III)- پولیاک (4/3) بحوالہ چوولسن، ڈی۔ اے۔ (1865)] (کریمیا جیسا کہ ہم جانتے ہیں وقتاً "فوقتاً" خزاروں کے زیر اقتدار رہا لیکن یہاں قدیم مستحکم یہودی آبادی بھی تھی، ممکن ہے نوشتہ جات تبدیلیٔ مذہب سے پہلے کے ہوں۔) چند عبرانی حروف (شن اور ساڈا) سریانی حروف تہجی میں بھی پائے گئے 9، اس کے علاوہ بارہویں یا تیرھویں صدی کے بہت سے پولش چاندی کے سکے ملے ہیں، جن پر عبرانی میں پولش نوشتہ موجود ہے۔ خطوط (مثلاً" ، Leszek krol

(Polski - Leszek King of Poland)، کندہ سکوں کے ساتھ ہی لاطینی حروف تہجی پر پولیک تبصرہ کرتا ہے:

یہ سکے خزاریا سے ہمسایہ سلاوی ممالک میں عبرانی رسم الخط کے پھیلنے کا حتمی ثبوت ہیں۔ان سکوں کا استعمال مذہب کے کسی سوال سے متعلق نہیں۔اگر اسے خصوصا" یہودی نہ سمجھا جائے کہ وہ ٹکسال میں ڈھالے گئے تھے کیونکہ بہت سے پولش لوگ رومن رسم الخط کے مقابلتا" ایسے رسم الخط کے زیادہ عادی تھے۔"10

اس طرح جب تبدیلی بلاشبہ چالاک سیاسی ہتھکنڈوں کے موقع پرستانہ مقاصد سے متاثر تھی—اس نے ثقافتی ارتقا کو جنم دیا، جس کی شروع کرنے والوں کیلئے پیش گوئی کرنا شاید ہی ممکن ہوتا۔25

عبرانی حروف تہجی سے آغاز تھا۔ تین صدی بعد خزاری ریاست کے زوال کی نشان دہی مسیحی صیہونیوں کی بار بار شورشوں سے ہوئی ہے، جس میں ڈیوڈ ایل۔۔روئی (ڈیسرائیلی کے ناول کا ہیرو) جیسے جعلی مسیحا سرکردہ ہیں۔یروشلم کی بازیابی کیلئے صلیبی جنگیں کیں [نیچے دیکھیں، باب چہارم،دوم۔]737 میں عربوں کے ہاتھوں شکست کے بعد کیگن کا جبر کے تحت اسلام قبول کرنا تقریباً فورا" منسوخ ہو گیا تھا جس نے بظاہر لوگوں پر کوئی اثر نہ چھوڑا۔اس کے برعکس یہودیت کیلئے رضاکارانہ تبدیلی کے گہرے اور دیرپا اثرات مرتب ہونا تھے۔

باب 2

مذہبی تبدیلی کے حالات افسانوی رنگ کی وجہ سے پس پردہ ہیں لیکن اہم ترین عرب اور عبرانی بیانات کی چند بنیادی خصوصیات مشترک ہیں۔خزاریہ میں یہودیوں کی حکومت کے متعلق المسعودی کا محولہ سابقہ بیان،اس حوالہ کے ساتھ ختم ہوتا ہے جس میں اس نے ان حالات کی تفصیل دی تھی۔ مسعودی کی وہ پرانی تصنیف کھو گئی ہے۔ لیکن گم شدہ کتاب پر مبنی دو بیانات موجود ہیں۔پہلا، دیماسکی کا(1327 کی تحریر)،اس بات کا اعادہ کرتا ہے کہ ہارون الرشید کے وقت بازنطینی شہنشاہ نے یہودیوں کو ہجرت پر مجبور کیا۔ یہ مہاجرین خزاری ملک میں آئے جہاں انہیں "ایک ذہین لیکن غیر تعلیم یافتہ نسل ملی جسے انہوں نے اپنا مذہب پیش کیا۔ مقامی لوگوں نے اسے اپنے سے بہتر پایا اور اسے قبول کیا۔"11

دوسرا، بہت زیادہ تفصیلی بیان البکری کی بُک آف کنگڈمز اینڈ روڈز میں ہے۔(گیارہویں صدی):

خِزاری کافر بادشاہ کی یہودیت میں تبدیلی کی وجہ مندرجہ ذیل ہے۔اس نے عیسائیت اختیار کرلی تھی۔[جہاں تک مجھے علم ہے کوئی دوسرا مآخذ اس کا ذکر نہیں کرتا۔ مسلمان قارئین کیلئے کیگن کا مختصر عرصے کیلئے یہودیت سے پہلے اسلام قبول کرنا بظاہر زیادہ معقول متبادل ہوسکتا ہے۔] پھر اس نے اس کا جھوٹ پہچان لیا اور بہت فکرمند ہونے کی وجہ سے اس معاملے پر ایک اعلیٰ عہدے دار سے بحث کی۔اعلیٰ عہدے دار نے کہا: اے بادشاہ! مقدس صحائف تین گروہوں کے قبضے میں ہیں. انہیں بلاکر ان کا مؤقف پوچھیئے، پھر جو سچا ہو اس کی پیروی کی جئے۔ چنانچہ اس نے عیسائیوں کو ایک اسقف بھیجنے کیلئے کہا۔ بادشاہ نے بحث میں ماہر ایک یہودی شامل کیا۔اس نے پوچھا اسقف: "آپ موسیٰ بن عمران کے متعلق کیا کہتے ہیں اور تورات جو اس پر نازل کی گئی تھی؟" اسقف نے جواب دیا: "موسیٰ ایک نبی ہے اور تورات سچ بولتی ہے۔"تب یہودی نے بادشاہ سے کہا: "وہ میرے عقیدے کی سچائی پہلے ہی تسلیم کرچکا ہے۔ اب اس سے پوچھو کہ وہ کس چیز پر یقین رکھتا ہے۔‘‘تو بادشاہ نے اس سے پوچھا اور اس نے جواب دیا: "میں کہتا ہوں کہ عیسیٰ مسیح ابن مریم ہیں، وہ الوہی کلام ہے،اور اس نے خدا کے نام پر اسرار کو ظاہر کیا۔" پھر خزاری بادشاہ سے یہودی نے کہا: "وہ ایک ایسے نظریے کی تبلیغ کرتا ہے جسے میں نہیں جانتا، جبکہ وہ میری تجاویز کو قبول کرتا ہے۔" لیکن اسقف ثبوت پیش کرنے میں کمزور تھا۔ پھر بادشاہ نے ایک مسلمان کو طلب کیا تو انہوں نے اسے ایک ہوشیار عالم بھیجا جو دلائل میں اچھا تھا۔ لیکن یہودی نے اس عالم کو زہر دینے کیلئے ایک شخص کو نوکر رکھا وہ عالم سفر میں ہی مر گیا. اور یہودی بادشاہ کا ایمان جیتنے میں کامیاب ہو گیا لہٰذا اس نے یہودیت قبول کرلی۔ 12

عرب مورخین کے پاس یقینی طور پر گولی کو میٹھا بنانے کا تحفہ تھا۔اگر مسلمان عالم بحث میں حصہ لینے کے قابل ہوتا تو وہ بھی اسقف کی طرح اسی جال کی نظر ہو جاتا, دونوں نے پرانے عہد نامے کی سچائی کو قبول کیا جبکہ نئے عہد نامہ کے حامیوں اور قرآن پاک میں سے ہر ایک کو دو کے مقابلہ میں ایک ووٹ دیا۔اس استدلال کے متعلق بادشاہ کی منظوری علامتی ہے: وہ صرف ان عقائد کو قبول کرنے کیلئے تیار ہے جو تینوں میں مشترک ہیں-ان کے مشترکہ نسب نما-اور خود کو کسی بھی حریف کے اس سے آگے نکتے کے دعولے کے ساتھ منسلک ہونے سے انکار کرتا ہے۔ یہ ایک بار پھر غیر پابند دنیا کا اصول ہے جو الٰہیات پر لاگو کیا گیا ہے۔ کہانی کا مطلب یہ بھی ہے جیسا کہ بری 13 نے اشارہ کیا ہے کہ خِزارہ دربار میں باقاعدہ مذہبی تبدیلی کیلئے یہودی اثر ورسوخ اسقف اور مسلمان عالم کو بلانے سے پہلے ہی مضبوط ہو گا چونکہ یہودی پہلے ہی (بادشاہ) "اس کے ساتھ "موجود ہے۔

باب 3

اب ہم مذہبی تبدیلی کے اصل عرب مآخذ— مسعودی اوراس کے مرتبین— سے اصل یہودی مآخذ کی طرف آتے ہیں۔ یہ نام نہاد "خِزاری خط وکتابت" ہے۔ یہ حسدائی ابن شپروت، قرطبی خلیفہ کے یہودی وزیر اعلیٰ اور خِزارہ بادشاہ جوزف یااس کے متعلقہ کاتبوں کے درمیان عبرانی میں خطوط کا تبادلہ ہے۔ تنازعہ کا موضوع خط وکتابت کا مصدقہ ہونا ہے لیکن بعد کے نقل نویسوں کی من موجیوں کی مناسب رعایت کے پیش نظر قبول کیا جاتا ہے۔[اس تنازعہ کا خلاصہ ضمیمہ III میں ملے گا۔]

خطوط کا تبادلہ بظاہر 954ء کے بعد اور 961ء سے پہلے ہؤا جو تقریباً مسعودی کی تحریر کا زمانہ تھا۔ حسدائی ابن شپروت کی شخصیت کی اہمیت کو سمجھنے کیلیئے اس کے متعلق کچھ کہنا ضروری ہے جو سپین میں شاید یہودیوں کے "سنہری" دور(1200-900 ء) کی سب سے شان دار شخصیت ہے۔

929ء میں عبدالرحمٰن سوم جو امیہ خاندان کا رکن اپنے دور حکومت میں جزیرہ نما ہسپانیہ کے جنوبی اور وسطی حصوں میں مسلم مقبوضات کو یک جا کرنے میں کامیاب ہؤا اور مغربی خلافت کی بِنا ڈالی۔ اس کا دارالحکومت قرطبہ عرب ہسپانیہ کی شان اور کیٹلاگ میں 400،000 جلدوں کی لائبریری لئے یورپی ثقافت کا ایک مرکزی مقام بن گیا۔

حسدائی 910ء میں قرطبہ کے ایک ممتاز یہودی گھرانے میں پیدا ہؤا۔ سب سے پہلے خلیفہ کو چند ایک مؤثر علاجوں کی بنیاد پر طبّی معالج کی حیثیت سے متوجہ کیا۔ عبدالرحمن نے اسے اپنا درباری معالج مقرر کیا اور اس کے فیصلے پر اتنا بھروسہ کیا کہ سب سے پہلے حسدائی سے ریاستی مالیات کی درستی کیلیئے مدد چاہی، پھر سپین کے شمال میں باز نطیم، جرمن شہنشاہ اوٹو، کاسٹیئے، ناوارا، اراگون اور دیگر عیسائی سلطنتوں کے ساتھ نئی خلافت کے پیچیدہ معاملات کیلیئے وزیر خارجہ اور سفارتی خرابیوں کی سراغ رسانی پر کام کرنے کیلیئے کہا۔ حسدائی نشاۃ ثانیہ سے صدیوں پہلے ایک حقیقی ہر فن مولا تھا جو ریاستی امور کے درمیان اب بھی طبّی کتب کا عربی میں ترجمہ، بغداد کے عالم رابائیوں سے خط وکتابت اور عبرانی گرامر اور شاعروں کی سرپرستی کیلیئے وقت نکال لیتا تھا۔

وہ بظاہر ایک روشن خیال مخلص یہودی تھا جو اپنے سفارتی رابطوں کے استعمال کے ذریعے دنیا کے مختلف حصوں میں منتشر یہودی گروہوں کے متعلق معلومات جمع کرتا اور جب بھی ممکن ہوا ان کی طرف سے مداخلت کرتا تھا۔ وہ رومانس کے تحت بازنطینی سلطنت میں یہودیوں پر ظلم وستم کے متعلق فکر مند تھا (اوپر دیکھیں، سیکشن I)۔ اسے خوش قسمتی سے بازنطینی دربار میں کافی اثر ورسوخ حاصل تھا جو مشرق کے مسلمانوں کے خلاف بازنطینی مہمات کے دوران قرطبہ کی خیر خواہ غیر جانب داری حاصل کرنے میں کافی دلچسپی رکھتا تھا۔ مذاکرہ کرنے والے حسدائی نے بازنطینی یہودیوں کی طرف سے بظاہر کامیابی کے ساتھ شفاعت کرنے کا موقع استعمال کیا۔ 14

اس کے اپنے بیان کے مطابق حسدائی نے سب سے پہلے فارس میں خراسان کے چند تاجروں سے ایک آزاد یہودی سلطنت کے وجود کے متعلق سنا؛ لیکن اس نے ان کی کہانی کی حقیقت پر شک کیا. بعدازاں اس نے قرطبہ آئے بازنطینی سفارتی مشن کے ارکان سے پوچھ گچھ کی اور انہوں نے تاجروں کی بات کی تصدیق کی جس میں بشمول اس کے موجودہ بادشاہ کا نام—جوزف، خزار سلطنت کے متعلق حقائق پر مبنی کافی تفصیل سے بتایا۔ اس کے بعد حسدائی نے فیصلہ کیا کہ شاہ جوزف کو ہرکاروں کے ہاتھ ایک خط بھیجے۔ خط (جس پر بعد میں مزید تفصیل سے بات کی جائے گی) سوالات کی فہرست پر مشتمل ہے۔ خزارہ ریاست، اس کے لوگ، طریقِ حکومت، مسلح افواج وغیرہ۔۔ اور جس میں یہ بھی شامل تھا کہ جوزف کا تعلق بارہ قبیلوں میں کس سے تھا۔ یہ اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ حسدائی کے خیال میں خزاری یہودی فلسطین کے باشندے ہیں—جیسا کہ ہسپانوی یہودیوں نے خیال کیا—اور شاید گم شدہ قبائل میں سے ہوں۔ جوزف یہودی نسل سے نہیں، بلاشبہ اس کا تعلق کسی بھی قبیلے سے نہیں تھا۔ حسدائی کے جواب میں وہ ایک مختلف قسم کا نسب نامہ مہیا کرتا ہے جیسا کہ ہم دیکھیں گے، لیکن اسے بنیادی سروکار حسدائی کو گوافسانوی— تبدیلی مذہب کا مفصل بیان دینا ہے جو دو صدی پہلے ہوا تھا، اور وہ حالات جو اس کی وجہ بنے۔ جوزف کی داستان اپنے آباؤاجداد، بادشاہ بلان، ایک عظیم فاتح کی مدح سرائی سے شروع ہوتی ہے۔ ایک عقل مند آدمی جس نے "جادوگروں اور بت پرستوں کو اپنی سرزمین سے نکال دیا"۔ اس کے بعد بادشاہ بلان کو اپنے خوابوں میں ایک فرشتہ نظر آیا اور اسے صرف سچے خدا کی عبادت کرنے کی تلقین کرتا رہا۔ اس کے بدلے میں وعدہ کیا کہ وہ "بلان کی اولاد کو برکت دے گا اور بڑھائے گا اور اسے نجات دے گا، دشمنوں کو اس کے حوالے کرے گا اور اس کی سلطنت کو دنیا کے آخر تک قائم رکھے گا۔" یہ یقیناً ''پیدائش میں عہد کی کہانی سے متاثر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خزاروں نے بھی ایک منتخب نسل کی حیثیت کا دعویٰ

کیا، جنہوں نے رب کے ساتھ اپنا عہد بھی کیا حالانکہ وہ ابراہیم کی نسل سے نہیں تھے۔ لیکن اس مقام پر جوزف کی کہانی ایک غیر متوقع موڑ لیتی ہے. بادشاہ بلان اللہ تعالیٰ کی خدمت کرنے کیلئے کافی تیار ہے، لیکن وہ ایک مشکل کا ذکر کرتا ہے: میرے رب، تو میرے دل کے پوشیدہ خیالات جانتا ہے اور تیرے پاس اس بات کی تصدیق کیلئے میرے پانچوں عناصر کی تفتیش کی کہ میرا بھروسہ تجھ پر ہے، لیکن لوگوں پر میں حکومت کرتا ہوں ان کا دماغ کافر ہے اور مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ پر یقین کریں گے یا نہیں۔ تیری نظروں میں مجھے اگر فضل اور رحم ملا ہے تو میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ ان کے عظیم شہزادے پر بھی ظاہر ہو جا تا کہ وہ میرا ساتھ دے۔ اس ہمیشہ رہنے والے نے بلان کی درخواست منظور کی۔ وہ اس شہزادے کو خواب میں نظر آیا اور جب وہ صبح کو اٹھ کر بادشاہ کے پاس آیا تو اسے آگاہ کیا۔

تبدیلی مذہب، ایک عظیم شہزادہ کے متعلق جس کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے، اس کا ذکر کتاب پیدائش میں اور نہ ہی عرب تحریروں میں ہے۔ یہ خزار کی دوہری سلطنت کا ایک نہائت واضح حوالہ ہے۔ "عظیم شہزادہ"، بظاہر، بیک ہے؛ لیکن یہ ناممکن نہیں ہے کہ " بادشاہ" بیک تھا اور "شہزادہ" کیگن۔ علاوہ ازیں عرب اور آرمینیائی ذرائع کے مطابق خزاری فوج کا رہنما جس نے 731ء میں ٹرانس کاکیشیا پر حملہ کیا، (یعنی تبدیلی کی متوقع تاریخ سے چند سال قبل) کو "بلچان" کہا جاتا تھا۔ 15 جوزف کا خط جاری ہے کہ فرشتہ ایک بار پھر خواب میں کیسے ظاہر ہوا اور بادشاہ کو ایک عبادت گاہ بنانے کا حکم دیا جس میں خداوند سکونت پذیر ہو سکے، کیونکہ: "آسمان اور آسمان کے اوپر کے آسمان اتنے بڑے نہیں ہیں کہ میں ان میں سما سکوں۔" شاہ بلان نے جھینپتے ہوئے جواب دیا کہ اس کے پاس ایسے بڑے کام کیلئے درکار سونا اور چاندی نہیں ہے۔ "گو یہ میرا فرض ہے اور اسے نبھانے کی خواہش ہے۔" فرشتہ اسے تسلی دیتا ہے: بولان کو بس یہ کرنا ہے کہ آرمینیا میں داری ایلہ اور اردبیل پر اپنی فوجوں کے ساتھ چڑھائی کرے جہاں چاندی اور سونے کے خزانے اس کے منتظر ہیں. یہ تبدیلی مذہب سے پہلے بولان یا بلچان کے چھاپے پر منطبق ہوتا ہے اور عرب ذرائع سے بھی کہ خزار کسی زمانے میں قفقاز کی چاندی اور سونے کی کانوں پر قابض تھے۔ 16 بولان نے ویسا ہی کیا جیسا فرشتہ نے کہا تھا، وہ فاتح بن کر مال غنیمت لئے لوٹتا ہے۔ اور "ایک مقدس اٹھاؤ مکان مقدس تجوری [مقدس صندوق] سمیت تعمیر کرتا ہے ایک موم بتی سٹینڈ، ایک قربان گاہ اور مقدس آلات جو اس کیلئے آج تک محفوظ کیے گئے ہیں اور اب بھی میرے [کنگ جوزف] کے قبضے میں ہیں۔" جوزف کا خط جو دسویں صدی کے دوسرے نصف میں لکھا گیا، ان واقعات کو دو سو سال بعد بیان کرنے کا منشاء، ظاہر ہے کہ یہ حقیقت اور افسانے

کے مرکب کے علاوہ کچھ نہیں۔اس کی عبادت گاہ کے قلیل سامان کی تفصیل اور محفوظ تبرکات کی کمی اپنے ملک کی موجودہ خوش حالی کے خط کے دوسرے حصوں میں دیے گئے بیانات کے بالکل برعکس ہے۔اس کے آباؤاجداد بولان کے وہ دن قدیم آثار نظر آتے ہیں جب غریب لیکن نیک بادشاہ کے پاس مقدس خیمے کی تعمیر کیلئے پیسے بھی نہیں تھے۔ خیمہ تو ایک خیمہ ہی تھا۔اس وقت تک جوزف کا خط صرف تبدیلی کے حقیقی ڈرامے کا پیش خیمہ ہے جسے اب وہ مزید بیان کرنے جارہاہے۔بظاہر بولان کا بت پرستی ترک کرکے "صرف سچے خدا" کی حمایت حاصل کرنا پہلا قدم تھا، جس نے اب بھی تین توحیدی عقائد کے درمیان انتخاب کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔جوزف کے خط کے تسلسل سے کم از کم یہی اخذ کیا جاسکتا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ :

ہتھیاروں کے ان کارناموں [آرمینیا پر حملے] کے بعد بادشاہ بلان کی شہرت تمام ممالک میں پھیل گئی۔.ادوم کے بادشاہ [بازنطیم]اور اسماعیل کے بادشاہ [مسلمانوں] نے یہ خبر سنی تو عقائد تبدیل کرنے کیلئے اس کے پاس ایلچی سمیت قیمتی تحائف ، پیسے اور علماء بھیجے۔لیکن بادشاہ عقل مند تھا اور اس نے متبحر عالم اور دقیقہ رس یہودی کو بلا بھیجا اور تینوں کو اپنے عقائد پر بات کرنے کیلئے ایک ساتھ۔جمع کردیا۔

چنانچہ ہمارے پاس ایک اور بریز ٹرسٹ ، یا گول میز کانفرنس ہے، جیسا کہ مسعودی کے نزدیک اس فرق کے ساتھ کہ مسلمان کو پہلے زہر نہیں دیا گیا تھا۔لیکن دلیل کا نمونہ ایک جیسا ہے. طویل اور فضول بحث کے بعد بادشاہ تین روز کیلئے اجلاس ملتوی کردیتا ہے جن کے دوران مباحثے کے شرکاء کو اپنے اپنے خیموں میں دماغ ٹھنڈا کرنے کیلئے بھیج دیا جاتا ہے۔پھر وہ ایک تدبیر کرتا ہے۔وہ بحث کرنے والوں کو الگ سے دعوت دیتا ہے۔وہ عیسائی سے پوچھتا ہے۔ دوسرے دو مذاہب میں سے کون سا سچائی کے قریب ہے تو عیسائی جواب دیتا ہے، "یہودی"۔وہ یہی سوال مسلمان سے پوچھتا ہے اور وہ بھی وہی جواب دیتا ہے۔غیر جانبداری ایک بار پھر بازی لے گئی۔

باب 4

اس قدر تو تھا تبدیلی کے متعلق۔ہم معروف "خزاری خط و کتابت" سے اور کیا حاصل کرتے ہیں؟ حسدائی کے خط کو پہلے لیتے ہیں: یہ ایک عبرانی نظم سے شروع ہوتا ہے۔پھر مروجہ رسم سے مذہبی گیت، ایک رزمیہ نظم کی شکل جس میں اشارے یا پہیلیاں اور اکثر ایسی نظم جو حروف تہجی سے شروع ہوتی ہے۔ نظم میں مخاطب شاہ جوزف کی فوجی

فتوحات کو سراہا جاتا ہے؛ اسی وقت سطور کے ابتدائی حروف سے مخصوص الفاظ بناتے ہیں جس میں حسدائی بار اسحاق بار عزرا بار شاپرت کا پورا نام لکھا گیا ہے، اس کے بعد مناحم بن شرق کا نام۔ اب یہ مناحم ایک مشہور عبرانی شاعر، لغت نگار اور ماہر گرامر، حسدائی کا سیکرٹری اور متوسل تھا۔ ظاہر ہے اسے شاہ جوزف کو خط کا مسودہ اپنے انتہائی آرائشی انداز میں تیار کرنے کا کام دیا گیا تھا اور اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا، اپنے سرپرست کے نام کے بعد خصوصی حروف میں خود کو امر کرنے کیلئے اپنا نام شامل کر دیا۔ مناحم بن شرق کی کئی تحریریں محفوظ ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حسدائی کا خط اس کی دست کاری ہے۔[ملاحظہ کریں ضمیمہ III۔] نظم، تعریفوں اور فصیح آرائشی سفارتی الفاظ کے بعد خط میں خلیفہ عبدالرحمٰن کے زیر سایہ مسلم ہسپانیہ کی خوش حالی اور اس کے تحت یہودیوں کی خوش حالی کی تمتماتی تفصیل پیش کرتا ہے کہ "اس جیسی حکومت کبھی علم میں نہیں آئی۔۔۔

اس طرح لاوارث بھیڑوں کی دیکھ بھال کی گئی، ان کے ستانے والوں کے بازو شل کر دئے گئے اور جوا اتار دیا گیا۔ جس ملک میں ہم رہتے ہیں اسے عبرانی میں سفار کہا جاتا ہے لیکن یہاں رہنے والے اسماعیلی اسے اندلس کہتے ہیں۔''

حسدائی وضاحت کرتا ہے کہ اس نے کیسے سب سے پہلے خراسان کے تاجروں سے یہودی سلطنت کے متعلق سنا، پھر مزید تفصیلا'' بازنطینی سفیروں سے، اور انہوں نے وہی بیان کیا سفیروں نے جو اسے بتایا: ی میں نے ان سے [بازنطینیوں] سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ سچ ہے اور یہ کہ مملکت کا نام الخِزار ہے۔ قسطنطنیہ اور اس ملک کے درمیان بذریعہ سمندر پندرہ دن کا سفر ہے۔[اس سے غالباً نام نہاد "خِزاری راستہ" مراد ہے: بحیرہ اسود کے پار قسطنطنیہ سے اور ڈان کے اوپر، پھر ڈان وولگا کے مقام سے پار اور وولگا سے نیچے تک۔(ایک متبادل، چھوٹا راستہ قسطنطنیہ سے بحیرہ اسود کے مشرقی ساحل کی طرف سے تھا۔)] لیکن انہوں نے کہا، زمینی راستے سے ہمارے اور ان کے درمیان اور بھی بہت سے لوگ ہیں۔ حکمران بادشاہ کا نام جوزف ہے۔ ہمارے پاس جہاز سے آتے ہیں جن کے ملک سے مچھلی، سمور اور بھانت بھانت قسم کا سامان لاتے ہیں۔ ہمارا ان کے ساتھ اتحاد ہے ہم جس کے پابند ہیں۔ ہم سفارت خانے اور تحائف کا تبادلہ کرتے ہیں۔ وہ طاقت ور ہیں اور ان کی چوکیوں اور فوجوں کیلئے ایک قلعہ ہے جو وقتاً فوقتاً تاخت وتاراج کرنے کیلئے حملے کرتے ہیں۔[سارکل قلعہ واضح طور جو ڈان پر ہے۔"ہم انہیں عزت دیتے ہیں کیگن کو خطوط میں استعمال ہونے والی خاص سونے کی مہر کے متعلق" Constantine Born-in-the Purple کے حوالے سے فٹ بیٹھتا ہے۔ اسپین میں سفارت کے وقت بازنطینی شہنشاہ کانس

ٹینٹین تھا۔۔] حسدائی کی طرف سے خزار بادشاہ کواس کے ملک کے متعلق پیش کردہ معلومات کا یہ تھوڑا سا حصہ ہے جس کا واضح مقصد جوزف کی طرف سے ایک تفصیلی جواب حاصل کرنا مقصود تھا۔ یہ اچھی نفسیات تھی:

حسدائی کو ضرور علم ہو گا کہ اصل اظہار کی نسبت غلط بیانات پر تنقید قلم سے بآسانی بہہ نکلتی ہے۔

اس کے بعد، حسدائی نے جوزف کے ساتھ رابطہ کرنے کی اپنی پہلے کی کوششوں کا ذکر کیا۔ سب سے پہلے اس نے ایک قاصد، کسی آئزک بار ناتھن کو خزار کے دربار میں جانے کی ہدایات کے ساتھ بھیجا تھا۔ لیکن آئیزک صرف قسطنطنیہ تک پہنچا، جہاں اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا، لیکن اسے سفر جاری رکھنے سے روک دیا گیا۔ (یہ سمجھ میں آتا ہے: سلطنت کا یہودی سلطنت کے متعلق متضاد رویہ کے پیش نظر یہ یقینا" قسطنطنیہ کے مفاد میں نہیں تھا کہ خزار یا اور قرطبہ خلافت بمع اس کے یہودی وزیر اعلیٰ۔) دونوں کو بآسانی متحد ہونے دے۔ چنانچہ حسدائی کا قاصد اسپین لوٹ آیا، مشن ناکام ہوا۔ لیکن جلد ہی ایک اور موقع میسر ہوا: مشرقی یورپ سے سفارت کی قرطبہ آمد۔ اس کے ارکان میں دو یہودی بھی شامل تھے۔ مار ساؤل اور مار جوزف، جنہوں نے ہاسدائی کا خط کنگ جوزف تک پہنچانے کی پیشکش کی۔ (حسدائی کو بمطابق جوزف کا جواب، یہ درحقیقت ایک تیسرے شخص اسحاق بن ایلیزر نے پہچایا تھا۔)

یہ بالتفصیل بیان کرنے کے بعد کہ اس کا خط کیسے لکھا گیا اور اسے پہچانے کیلئے کیا کوششیں کی گئیں، حسدائی براہ راست سوالات کا ایک سلسلہ وار شروع کرتا ہے جو خزار ملک کے ہر پہلو کے متعلق مزید معلومات کیلئے، جغرافیہ سے سبت کی رسومات کے مشاہدہ تک، اس کے شوق کی عکاسی کرتے ہیں، حسدائی کے خط کا اختتامی حوالہ اس کے ابتدائی پیراگراف سے بالکل مختلف تاثر پیدا کرتا ہے:

میں سچ جاننے کی شدید خواہش محسوس کرتا ہوں، آیا واقعی روئے زمین پر کوئی جگہ ہے جہاں ہراساں اسرائیل خود حکومت کر سکتا ہے، جہاں وہ کسی کے تابع نہیں ہے۔ اگر مجھے علم ہو جاتا کہ واقعی یہ حقیقت ہے تو میں تمام اعزازات ترک کرنے سے نہیں ہچکچاؤں گا، اپنے اعلیٰ عہدے سے استعفیٰ دینا، اپنے خاندان کو ترک کرنا، اور پہاڑوں پر اور میدان میں سفر کرنا، بحر و بر پر، یہاں تک کہ میں اس جگہ پہنچ جاتا جہاں میرا رب، [یہودی] بادشاہ حکمرانی کرتا ہے۔۔۔ اور میری ایک اور گزارش ہے: مطلع کیا جائے کہ کیا آپ کو حتمی معجزہ کا [ممکنہ تاریخ] کا کوئی علم ہے۔ جس [مسیحا کی آمد] کا ملکوں ملکوں گھومتے ہم انتظار کر رہے ہیں۔ منتشر ہونے کی وجہ سے ہمیں بے عزتی اور ذلت میں خاموشی سے یہ

سننے کو ملتا ہے لوگ جو کہتے ہیں: "ہر قوم کا اپنا ملک ہوتا ہے اور اکیلے آپ ہیں جن کا نہیں ہے۔ یہاں تک کہ روئے زمین پر کسی ملک کا شائبہ تک بھی۔"

خط کے آغاز میں اسپین میں یہودیوں کی خوش حالی کی تعریف کی گئی ہے؛ آخر میں الم ناک دربدری، صیہونی سرگرمی اور مسیحائی امید سانس لے رہی ہے۔۔ لیکن یہودیوں کے منقسم دل میں یہ متزاد رویے تمام تاریخ میں ہمیشہ ان کے ساتھ رہے۔ حسدائی کے خط میں تضاد پر صداقت کا لمس مستزاد ہے۔ خزاری بادشاہ کی خدمت کرنے کیلئے اس کی مضمر پیشکش کس حد تک ہے، اسے سنجیدگی سے لینا ایک اور سوال ہے جس کا جواب ہم نہیں دے سکتے۔ شاید وہ خود بھی نہ دے سکے۔

باب 5

حسدائی کے خط سے شاہ جوزف کا جواب کم شائستہ اور غیر متاثر کن ہے۔ کوئی تعجب نہیں جیسا کہ کیسل اظہار کرتا ہے: "وولگا کے یہودیوں میں علوم اور ثقافت کی حکمرانی نہیں تھی جو مقابلتاً" سپین کے دریاؤں پر تھی۔" جواب کی خاص بات تبدیلی مذہب کی کہانی ہے جس کا پہلے ہی حوالہ دیا جا چکا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جوزف نے بھی قلم بند کرنے کیلئے شاید ایک باز نطیمی پناہ گزین عالم کو کتابت کیلئے رکھا تھا جواب دسویں صدی کے جدید سیاست داں کے سلجھے ہوئے زیر و بم کے مقابلتاً" پرانے عہد نامے کی آواز جیسا لگتا ہے۔ اس کا آغاز مبارک باد کی تُرّی کے بجنے سے ہوتا ہے، پھر حسدائی کے خط کا اہم مواد دہرایا جاتا ہے، فخر کے ساتھ اس بات پر زور دیتے ہوئے کہ خزاری بادشاہت ان لوگوں کو جھوٹ قرار دیتی ہے جو کہتے ہیں کہ "یہواہ کا عصائے شاہی" ہمیشہ کیلئے یہودیوں کے ہاتھوں سے گر گیا ہے اور "کہ ان کی اپنی سلطنت زمین پر کہیں نہیں ہے" اس کے بعد نتیجتاً" ایک خفیہ تبصرہ کیا جاتا ہے کہ "پہلے ہی ہمارے باپ دادا نے دوستانہ خطوط کا تبادلہ کیا ہے جو ہمارے محافظ خانہ میں محفوظ ہیں اور ہمارے بزرگوں میں مشہور ہیں۔" [یہ نویں صدی کے یہودی مسافر الداد ہادانی کے حوالہ سے ہے جس کی لاجواب کہانیاں جو قرون وسطیٰ میں بہت زیادہ پڑھی جاتی تھیں، ان میں خزاریا کا ذکر بھی ہے؛ وہ کہتا ہے کہ یہ اسرائیل کے تین گم شدہ قبائل سے آباد ہے، اور اٹھائیس پڑوسی ریاستوں سے خراج وصول کرتی ہے۔ ایلداد نے 880ء کے قریب اسپین کا دورہ کیا اور ہو سکتا ہے کہ اس نے خزار ملک کا دورہ بھی کیا یا نہ کیا ہو۔ حسدائی نے جوزف کے نام اپنے خط میں مختصراً اس کا تذکرہ کیا ہے— گویا پوچھا ہے کہ اس سے کیا معنیٰ اخذ کئے جائیں۔] جوزف پھر اپنے لوگوں کا نسب نامہ فراہم کرنے

کیلئے آگے بڑھتا ہے۔ اگرچہ ایک کٹر یہودی قوم پرست، 'یہودا کا عصائے شاہی' چلانے پر فخر کرتا ہے، لیکن وہ ان کیلئے سامی نسل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ ہی کرتا ہے؛ وہ ان کے آباؤاجداد کا پتہ شیم سے نہیں بلکہ نوح کے تیسرے بیٹے یافث سے لگاتا ہے۔ یا زیادہ واضح طور پر یافث کے پوتے توگرما سے جو تمام ترک قبائل کا اب موجد ہے۔ "ہم نے یہ باپ دادا کے خاندانی رجسٹروں میں پایا ہے،" جوزف نے دلیری سے کہا، "کہ توگرما کے دس بیٹے تھے، جن کے نام درج ذیل ہیں: ویگور، درسو، آوار، ہن، باسیلی، ترنیاخ، خزار، زگورہ، بلگاری، صابر۔ ہم ساتویں بیٹے خزار، سے ہیں۔"

عبرانی رسم الخط میں لکھے ہوئے کچھ قبائل کے ناموں کی شناخت مشکوک ہے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ اس نسبی مشق میں خصوصی حلیہ ترک قبائلی روایت کے ساتھ پیدائش کا امتزاج ہے۔ [یہ خزاروں کو ماجوج کے لوگوں کے طور پر بکثرت بیان کرنے پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ ماجوج، پیدائش X-2-3 کے مطابق توگرما کا انتہائی بدتمیز چچا تھا۔]

شجرہ نسب کے بعد جوزف نے مختصراً اپنے آباؤاجداد کی کچھ فوجی فتوحات کا ذکر ڈینیوب تک بڑھا دیا۔

اس کے بعد بولان کی تبدیلی مذہب کی طویل کہانی چلتی ہے۔ "اس دن کے بعد سے،" جوزف نے بیان جاری رکھا، "خُداوند نے اُسے طاقت دی اور اس کی مدد کی؛ اس نے اپنا اور اپنے پیروکاروں کا ختنہ کروایا اور یہودی شیوخ کو بلا بھیجا جنھوں نے اسے شریعت کی تعلیم دی اور احکام کی وضاحت کی۔" فوجی فتوحات، مفتوح اقوام وغیرہ کے متعلق مزید شیخیاں، اور پھر ایک اہم عبارت:

ان واقعات کے بعد اس کے پوتوں میں سے ایک بادشاہ بنا۔ اس کا نام عبادیاب تھا۔ وہ ایک بہادر اور قابل احترام شخص تھا جس نے اصول کی اصلاح کی، روایت اور استعمال کے مطابق قانون کو مضبوط بنایا، عبادت گاہیں اور اسکول تعمیر کئے۔ اسرائیل کے شیخوں کی ایک بڑی تعداد جمع کی، انہیں سونے اور چاندی کے بیش بہا تحائف دیے اور ان سے چوبیس [مقدس] کتابوں کی تشریح کرائی۔ 29 [احکامات] اور تلمود، اور وہ ترتیب جس میں عبادات پیش کی جائیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بولان کے بعد تقریباً چند نسلوں میں ایک مذہبی احیاء یا اصلاح ہوئی (ممکنہ طور پر آرٹامونوف کے متصور خطوط پر بغاوت کے ساتھ)۔ ایسا لگتا ہے کہ خزاروں کی یہودیت واقعی کئی مراحل میں آگے بڑھی۔

ہمیں یاد ہے کہ بادشاہ بلان نے فرشتہ کے ظاہر ہونے سے پہلے "جادوگروں اور بت پرستوں" کو نکال باہر کیا تھا۔ اور قبل اس کے کہ وہ یہودی، عیسائی یا مسلمان خدا کے متعلق فیصلہ کرے اس نے "سچے خُدا" کے ساتھ اپنا عہد باندھا۔ ایسا لگتا ہے کہ بادشاہ بلان اور اس کے پیروکاروں کی تبدیلی کے امکان کے درمیان ایک اور قدم تھا کہ انہوں نے یہودیت کی ایک قدیم یا ابتدائی شکل قبول کی جس کی بنیاد تالمود، تمام رابائی ادب اور اس سے اخذ کردہ مشاہدات کو چھوڑ کر صرف بائبل پر تھی۔

اس لحاظ سے وہ اہل تورات سے مشابہت رکھتے تھے، ایک بنیاد پرست فرقہ جو آٹھویں صدی میں فارس میں شروع ہو کر "چھوٹے خزاریا"، کریمیا میں خصوصا'' اور تمام یہودی دنیا میں پھیل گیا۔ ڈنلوپ سمیت چند فضلاء نے اندازہ لگایا کہ بولان اور عبادیہ کے درمیان (یعنی تقریباً 740ء اور 800ء کے درمیان) ملک میں اہل تورات کی کچھ شکلیں رائج تھیں، اور وہ قدامت پسند ''رابائی'' یہودیت صرف عبادیہ کی مذہبی اصلاح کے دوران متعارف کرائی گئی۔ یہ نکتہ قدرے اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اہل تورانیت بظاہر خزاریا میں آخر تک زندہ رہا اور ترک بولنے والے دیہات اہل تورات یہودی، ظاہر ہے کہ خِزار کی نسل سے ہیں جو جدید دور میں بھی موجود تھے (نیچے دیکھیں، باب پنجم، 4)۔

اس طرح خزاروں کی یہودیت ایک تدریجی عمل تھا جو سیاسی طور پر شروع ہوُا اور آہستہ آہستہ ان کے ذہنوں کی گہرائیوں میں اتر گیا اور بالآخر ان کے زوال کے دور میں مسیحیت پیدا ہو گئی۔ جیسا کہ ہم دیکھیں گے کہ ان کی مذہبی وابستگی اپنی ریاست کی تباہی کے برعکس بچ کر روس اور پولینڈ کی خِزارہ یہودی بستیوں میں برقرار رہی۔

باب 6

عبادیاہ کی مذہبی اصلاحات کا ذکر کرنے کے بعد جوزف اپنے جانشینوں کی فہرست مہیا کرتا ہے:

اُس کا بیٹا ہِسکیہ، اُس کا بیٹا منسّہ اور عبادیاہ کا بھائی چنوکاہ اور اس کا بیٹا آئیزک، اس کا بیٹا منسی، اس کا بیٹا نِسی، اس کا بیٹا مناحم، اس کا بیٹا بنیامین، اس کا بیٹا ہارون اور میں محترم ہارون کا بیٹا یوسف ہوں اور ہم سب بادشاہوں کے بیٹے تھے اور کسی اجنبی کو باپ دادا کے تخت پر قبضہ کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

جوزف نے اس کے بعد حسدائی کے حدود اربعہ اور جغرافیہ کے متعلق سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی۔

لیکن ایسا لگتا ہے کہ اس کے دربار میں کوئی ایسا قابل شخص نہیں ہے جو عرب جغرافیہ دانوں کی مہارت کا مقابلہ کر سکے اور دیگر ممالک اور اقوام کے حوالے سے اس کے غیر واضح حوالہ جات سے کچھ اضافہ نہیں ہوتا جو ہم ابن حوکل، مسعودی اور دیگر فارسی اور عربی ذرائع سے جانتے ہیں۔ اس کا سینتیس قوموں سے خراج وصول کرنے کا دعویٰ—جو ایک لمبی تجویز لگتا ہے۔ ابھی تک ڈنلوپ بتاتا ہے کہ ان میں سے نو خزارہ کے قلب میں رہنے والے قبائل معلوم ہوتے ہیں اور باقی اٹھائیس ابن فضلان کی پچیس بیویوں کے تذکرے سے بالکل متفق ہیں، ہر ایک جاگیر دار بادشاہ کی بیٹی (اور الدادہادانی کی مشکوک کہانیوں سمیت)۔ ہمیں ذہن میں مزید رکھنا چاہیے کہ نیپر کے اوپر کے علاقوں میں سلاوونک قبائل کی ماسکو تک بھیڑ دیکھیں گے جو خزاروں کو خراج پیش کرتے ہیں۔

ایسا البتہ ہو سکتا ہے کہ جوزف کے خط میں شاہی حرم کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔ صرف ایک ملکہ اور اس کی لونڈیوں اور خواجہ سراؤں کا ذکر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ جوزف کے دارالحکومت کے تین قصبوں میں سے ایک میں رہتے ہیں:
"دوسرے میں اسرائیلی، اسماعیلی، عیسائی اور دوسری قومیں جو دوسری زبانیں بولتی ہیں؛ تیسرے میں جو ایک جزیرہ ہے جہاں میں اپنے شہزادوں، غلاموں اور تمام نوکروں سمیت خود رہتا ہوں۔ [جیسا ہم نے دیکھا ہے، تین حصوں میں اس تقسیم کا بعض عرب ذرائع میں بھی ذکر کیا گیا ہے]، ہم تمام موسم سرما شہر میں گذارتے ہیں، لیکن نیسان کے مہینے [مارچ-اپریل] میں ہم باہر نکلتے ہیں اور ہر کوئی اپنے کھیت اور باغ میں کام کرنے کیلئے جاتا ہے۔ ہر قبیلے کی اپنی موروثی جائیداد ہوتی ہے جہاں وہ خوشی خوشی جاتے ہیں۔ وہاں کسی کے زبردستی گھسنے والے کی آواز سنائی دیتی اور نہ کوئی دشمن نظر آتا ہے. اس ملک میں زیادہ بارش نہیں ہوتی لیکن بہت سے دریا ہیں جن میں بڑی مچھلیاں بکثرت ہوتی ہیں زرخیز کھیتوں میں انگور، پھل دار درختوں اور پھولوں کے گھنے باغات ہیں جو دریاؤں سے سیراب ہونے کی وجہ سے خوب پیداوار دیتے ہیں۔...اور خدا کی مدد سے میں سکون سے رہ رہا ہوں۔" اگلی عبارت مسیح کی آمد کی تاریخ کیلئے وقف ہے:

یہاں سے ہماری نظریں یروشلم اور بابل کے بزرگوں پر جمی ہوئی ہیں، اور اگرچہ ہم صیہون سے بہت دور رہتے ہیں ہم نے پھر بھی سنا ہے کہ گناہوں کی کثرت کی وجہ سے حسابات غلط ہیں اور ہمیں کچھ علم نہیں، صرف ابدیت کا حامل گنتی رکھنے کا طریقہ جانتا ہے۔ ہمارے پاس دانیال کی پیشن گوئیوں کے علاوہ کچھ نہیں اور دعا ہے کہ ابدیت کا حامل ہماری نجات تیزی سے کر دے۔

جوزف کے خط کا اختتامی پیرا گراف حسدائی کا خزاری بادشاہ کی خدمت میں داخل ہونے کی ظاہری پیشکش کا جواب ہے:

آپ نے خط میں میرا چہرہ دیکھنے کی خواہش کا ذکر کیا ہے۔ میری شدید خواہش ہے کہ میں آپ کے مہربان چہرے کی شان و شوکت، دانش مندی اور عظمت دیکھوں، میری خواہش ہے کہ میری باتیں سچ ہوں، میں آپ کو اپنی آغوش میں لینے کی خوشی سے سرفراز ہوں اور آپ کا پیارا، لطف و کرم سے معمور اور دل پذیر چہرہ دیکھوں؛ آپ میرے لیے باپ کی مانند ہیں۔ میرے تمام لوگ آپ کے ہونٹ چومیں گے؛ ہماری آمد و رفت آپ کے دانش مندانہ مشورہ کے مطابق ہوگی۔ جوزف کے خط میں ایک عبارت مسائل حاضرہ کی سیاست سے متعلق ہے جو واضح نہیں۔ ٦ اللہ تعالیٰ کی مدد سے میں دریا [وولگا] کے منبع کی حفاظت کرتا ہوں۔ اپنے جہازوں میں آنے والے روسیوں کو عربوں کی سرزمین پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔۔۔ میں ان کے ساتھ بھاری جنگیں لڑتا ہوں کیونکہ اگر میں نے اجازت دی تو اسماعیل کی سرزمین حتیٰ کہ بغداد تک وہ تباہ کر دیں گے۔ جوزف یہاں نارمن-روس حملہ کے خلاف بغداد خلافت کے محافظ کے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ (باب III دیکھیں)۔ قرطبہ کی اموی خلافت (جس کی خدمت حسدائی کر رہا ہے) اور بغداد کے عباسی خلفاء کے درمیان سخت دشمنی کے پیش نظر یہ بات قدرے بے تکی سی ہو سکتی ہے۔)

دوسری طرف خزاروں کی طرف بازنطینی بے سروپا پالیسی سے جوزف کیلئے یہ قرین مصلحت ہو گیا کہ دو خلافتوں کے درمیان تفرقہ سے قطع نظر وہ اسلام کے محافظ کے کردار میں نظر آئے۔ وہ کم از کم یہ امید رکھ سکتا تھا کہ حسدائی بحیثیت تجربہ کار سفارت کار اشارہ سمجھ جاتا۔ دونوں نامہ نگاروں کے درمیان ملاقات اگر کبھی سنجیدہ ارادہ سے کی گئی ہوتی۔۔۔ کبھی ہوئی ہی نہیں۔ مزید خطوط۔۔۔ اگر کوئی تبادلہ ہوا، محفوظ نہیں کئے گئے۔ "خزاری خط و کتابت" میں حقیقت پر مبنی مواد بہت کم ہے اور دوسرے ذرائع سے میسر معلومات میں بہت کم اضافہ کرتی ہے۔ اس کی کشش ان عجیب و غریب، متفرق مناظر میں پنہاں ہے جسے یہ بیان کرتا ہے جیسے یہ گھنی دھند میں الگ الگ علاقوں پر توجہ مرکوز کرنے والی اس ڈانوں ڈول کھوجتی روشنی ہے جو اس دَور کا احاطہ کرتی ہے۔

باب 7

دیگر عبرانی ذرائع میں، "کیمبرج دستاویز" (جسے کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں موجودہ مقام کے نام سے پکارا جاتا ہے) موجود ہے۔ یہ پچھلی صدی کے آخر میں کیمبرج کے اسکالر سلیمان شیخٹر نے دیگر انمول دستاویزات سمیت ایک قدیم یہودی عبادت گاہ کے سٹور روم "قاہرہ جینیزا" میں دریافت کی۔ دستاویز بری حالت میں ہے؛ یہ ایک خط (یا خط کی نقل) ہے جو عبرانی میں تقریباً سو سطور پر مشتمل ہے؛ اول و آخر غائب ہیں، اس لیے یہ پتہ لگانا ممکن ہے کہ اسے کس نے لکھا اور کون مخاطب ہے۔ اس میں کنگ جوزف کا ذکر ایک ہم عصر کے طور پر کیا گیا ہے اور اسے "میرا رب" سے منسوب کیا ہے، خزاریا کو "ہماری سرزمین" کہا ہے۔ تو سب سے زیادہ قابل فہم اندازہ یہ ہے کہ یہ خط جوزف کی زندگی میں اس کے دربار کے ایک خزاری یہودی نے لکھا تھا، یعنی یہ تقریباً "خزاری خط و کتابت" کا ہم زمانی ہے۔ بعض حکماء نے مزید رائے زنی کی ہے کہ اس کا مخاطب حسدائی ابن شپروت تھا اور قسطنطنیہ میں حسدائی کے ناکام ایلچی، اسحاق بار ناتھن کے حوالے کیا گیا تھا جو اسے قرطبہ واپس لایا (جہاں یہ اس وقت پہنچا جب یہودیوں کو اسپین سے نکال دیا گیا)۔ اندرونی شہادت سے بہر حال یہ اشارہ ملتا ہے کہ دستاویز کی ابتدا گیارہویں صدی کے بعد نہیں ہوئی اور قوی امکان ہے کہ جوزف کی زندگی یعنی دسویں میں ہوئی۔ اس میں تبدیلی مذہب کا ایک اور افسانوی بیان ہے جس کی بنیادی اہمیت سیاسی ہے۔ مصنف بازنطینی اشتعال انگیزی کے تحت الانوں کا جوزف کے والد خوش بخت ہارون کے خزاریا پر حملے کی بات کرتا ہے۔ کوئی دوسرا یونانی یا عرب ماخذ اس مہم کا ذکر کرتا نظر نہیں آتا۔ لیکن Constantine Porphyrogenitus کی De Imperio Adminisdrando میں ایک اہم عبارت ہے جو 50-947ء میں لکھی گئی جو گمنام خط لکھنے والے کے بیانات کو کچھ اعتباری حیثیت بخشتی ہے:

خزاریا کے متعلق کہ ان سے جنگ کیسے اور کون کرے گا؟ غز قریب ہونے کے ناطے خزاروں کے خلاف جنگ کرنے کے قابل ہیں۔ اسی طرح الانیہ کا حکمران، کیونکہ خزاریا کی نو آب و ہواؤں میں [شمالی قفقاز کا زرخیز علاقہ] الانیہ کے قریب ہے اور الان چاہے تو اس علاقہ سے ان پر چھاپہ مار کر خزاروں کو بہت نقصان اور تکلیف پہنچا سکتا ہے۔

جوزف کے خط کے مطابق الانوں کے حکمران نے اسے خراج ادا کیا، اس نے در حقیقت ادا کیا یا نہیں، لیکن کے تئیں اس کے جذبات شاید بلگار کے بادشاہ کے متعلق جیسے ہی تھے۔ قسطنطین کی ایک عبارت سے اس کی کوششوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایلانوں کو خزاروں کے خلاف جنگ کیلئے اکسایا جائے۔ ستم ظریفی سے ابن فضلان کا ایک مشن

متوازی مقصد کی یاد دلاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جوزف کے زمانے میں بازنطینی- خِزار کے میل جول کے دن قصہ ءپارینہ بن چکے تھے۔ لیکن میں بعد میں ہونے والی پیش رفت سے متوقع ہوں جن پر باب IIIمیں بحث کی جائے گی۔

باب 8

خِزاری خط وکتابت کے تقریباًایک صدی بعد اوراس کی کیمبرج دستاویز متوقع تاریخ،یہودا حلوی نے اپنی ایک مشہور کتاب کزاری، خاص خِزاری لوگ لکھی۔ خِزار حلوی(1085-1141)ء کو سپین میں عبرانی کا عموما'' سب سے بڑاشاعر سمجھا جاتاہے؛ کتاب عربی سے عبرانی میں ترجمہ کی گئی تھی۔اس کا ذیلی عنوان"حقیر عقیدے کے دفاع میں ثبوت اوردلیل کی کتاب"ہے۔31 حلوی ایک صیہونی تھاجو یروشلم کی زیارت کے دوران فوت ہوٗا۔کزاری جو اس کی موت سے ایک سال قبل لکھا گیا،ایک فلسفیانہ رسالہ ہے جواس نظریے کی ترجمانی کرتاہے کہ یہودی قوم خدا اور باقی بنی نوع انسان کے درمیان واحد ثالث ہے۔آخری زمانے میں تمام اقوام یہودیت میں تبدیل ہو جائیں گی اور خِزاروں کی تبدیلی حتمی واقعہ کی علامتا'' ظاہر ہوئی ہے۔اس عنوان کے باوجود رسالے میں خِزارہ ملک کے متعلق کچھ نہیں کہاگیاجو تبدیلی مذہب کے متعلق بادشاہ اورتینوں مذاہب کے ممتاز اشخاص—بادشاہ، فرشتہ ،یہودی عالم وغیرہ کے درمیان فلسفیانہ اور مذہبی مکالمے کیلئے بنیادی طورپر ایک اورافسانوی بیان کے پس منظر کے طورپر کام کرتاہے۔

حقائق پر مبنی چند حوالہ جات ہیں جو اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ حلوی نے حسدائی اور جوزف کے درمیان خط وکتابت یاتوپڑھی تھی یاخِزارہ ملک کے متعلق معلومات کے دیگر ذرائع تھے۔اس طرح ہمیں مطلع کیاجاتاہے کہ فرشتہ کے ظہور کے بعد خِزاری بادشاہ نے "اپنے خواب کاراز فوج کے جنرل پر ظاہر کیا"اور" مخصوص جنرل'' بھی بعد میں بڑاسایہ فگن ہوتاہے—کیگن اوربیک کی دوہری حکمرانی کاایک اورواضح حوالہ ہے۔ حلوی نے "تواریخ"اور "خِزاروں کی کتب"کا بھی ذکر کیاہے جو جوزف کی "ہماری قدیم دستاویزیں"کی یاددلاتاہے جہاں ریاست کی دستاویزات رکھی جاتی ہیں۔آخر میں، حلوی دوبار کتاب کے مختلف مقامات پر تبدیلی مذہب کی تاریخ بتاتاہے جو "400"سال قبل ہوئی۔"اور"سال4500میں"(بمطابق یہودی کیلنڈر)۔یہ740ءکی طرف اشارہ ہے جو سب سے زیادہ ممکنہ تاریخ ہے۔ جہاں تک حقائق پر مبنی بیانات کاتعلق ہے یہ مجموعی طورپر ایک ناکارہ فصل ہے۔ایک ایسی کتاب جس نے قرون وسطیٰ کے یہودیوں میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی۔قرون وسطیٰ کاذہن افسانے کی نسبت حقیقت کی طرف کم راغب تھااوریہودی جغرافیائی اعداد وشمار کے مقابلتا'' مسیحا کی آمد کی تاریخ میں زیادہ دلچسپی تھی۔

عرب جغرافیہ دانوں اور تاریخ نویسوں کا فاصلوں، تاریخوں اور سرحدوں کے متعلق حقیقت اور گمان کے درمیان اسی طرح کا شہ سوارانہ رویہ تھا۔ اس کا اطلاق مشہور جرمن۔یہودی سیاح، راٹسبورن کے رابائی پٹاچیا پر بھی ہوتا ہے جس نے 1170ء اور 1185ء کے درمیان مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کا دورہ کیا۔ اس کا سفر نامہ، صیبوب ہاؤلام "دنیا کے گرد سفر"، بظاہر اس کے ایک شاگرد نے یادداشتوں یا فرمان کی بنیاد پر لکھا تھا کہ کریمیا کے شمال میں خزاری یہودیوں کے اچھے رابائی کو ان کے ابتدائی مشاہدات سے کتنا صدمہ پہنچا تھا جس کی وجہ اس نے اہل تورات کو بدعت کے پیروی قرار دیا ہے۔ رابائی پٹیکیا نے اس سے پوچھا:

"آپ بزرگوں [یعنی تلمودی]؟" باتوں پر یقین کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے جواب دیا: "کیونکہ ہمارے باپ دادا نے ہمیں ایسا نہیں سکھایا۔ انہوں نے سبت کی شام تمام روٹیاں کاٹیں جو وہ سبت پر اندھیرے میں بیٹھ کر کھاتے ہیں اور تمام دن ایک جگہ پر بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کی دعائیں صرف زبور پر مشتمل ہوتی ہیں۔ 17 [سبت اندھیرے میں گذارنا ایک معروف اہل تورات کی رسم تھی۔]

رابائی اس قدر غصے میں تھا کہ جب اس نے بعد میں خزاری مرکز کو عبور کیا تو اس کا کہنا فقط یہ تھا کہ اسے آٹھ دن لگے اس دوران اس نے عورتوں کے رونے کی آوازوں اور کتوں کا بھونکنا سنا" 18 وہ ذکر کرتا ہے کہ جب وہ بغداد میں تھا، اس نے وہاں خزارہ سلطنت کے ایلچی دیکھے تھے، یہاں تک کہ وہ اپنے بچوں کو تورات اور تلمود کی تعلیم دینے کیلئے میسوپوٹیمیا اور مصر سے بھی ضرورت مند یہودی علماء کی تلاش میں تھے۔ جب مغرب کے چند یہودی مسافروں نے وولگا کا خطرناک سفر کیا، انہوں نے مہذب دنیا کے تمام اہم مراکز میں خزاری یہودیوں کے ساتھ مقابلوں کا اندراج کیا۔ رابائی پٹیکیا نے ان سے بغداد میں ملاقات کی۔ ٹوڈیلا کا بنیامین، بارھویں صدی کے ایک اور مشہور سیاح نے قسطنطنیہ اور اسکندریہ میں معروف خزاری لوگوں سے ملاقات کی۔ ابراہیم بن داؤد جو یہوداہ حلوی کا ہم عصر ہے، مطلع کرتا ہے کہ اس نے ٹولیڈو میں "ان کی کچھ اولاد، دانش مندوں کے شاگردوں" کو دیکھا تھا۔ 19 روایت میں ہے کہ یہ خزاری شہزادے تھے۔ کسی کو ہندی جو اس سال شہزادوں کے متعلق سوچنے کی تحریص پیدا ہوتی ہے جو پڑھائی کیلئے کیمبرج بھیجے گئے۔ پھر بھی مشرق میں قدامت پسند یہودیوں کے رہنماؤں کا خزاروں کے ساتھ رویے میں بغداد میں تلمودی اکیڈمی پر مرکوز ہونا ایک عجیب ابہام ہے۔ گاون (عبرانی میں "عظیم") جو اکیڈمی کا سربراہ اور تمام مشرق قریب اور وسطیٰ میں منتشر یہودی بستیوں کا روحانی پیشوا تھا جب کہ Exilarch، یا "قید کا شہزادہ"، ان کم و بیش

خود مختار برادریوں پر غیر مذہبی طاقت کی نمائندگی کرتا تھا۔ سعدیہ گاؤں (942-882)ء، روحانی مہتموں میں سب سے مشہور، جس نے بے شمار تحریریں چھوڑی ہیں، جن میں خزاروں کا ذکر بار بار کرتا ہے۔ اس نے میسوپوٹیمیا کے ایک یہودی کا ذکر کیا جو خزاریا میں آباد ہونے کیلئے وہاں گیا تھا۔ گویا یہ روزمرہ کا واقعہ ہے۔ وہ خزارہ عدالت کے متعلق غیر واضح طور پر بولتا ہے۔ وہ دوسری جگہ وضاحت کرتا ہے کہ بائبل کے محاورہ "ٹائر کا ہیرام"، میں ہیرام ایک خاص نام نہیں ہے۔ بلکہ ایک شاہی لقب ہے، "جیسے عربوں کے حکمران کیلئے خلیفہ اور خزاروں کا بادشاہ کیلئے کیگن ہے۔" اس طرح خزاریا لفظی اور استعاراتی معنوں میں مشرقی یہودیوں کی کلیسیائی درجہ بندی کے رہنماؤں کیلئے بہت زیادہ "معروف" تھا؛ لیکن ساتھ ہی خزارے نسلی بنیادوں اور اہل توراتی بدعت کی طرف ان کے مشتبہ جھکاؤ کی بناپر مشکوک نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ گئے گیارہویں صدی کے ایک عبرانی مصنف، یافث ابن علی، جو خود اہل تورات سے ہے، ان خزاروں کی لفظ میمزر ''حرامی'' سے وضاحت کرتا ہے یعنی جو نسلی تعلق کے بغیر یہودی بنے۔ اس کا ہم عصر جیکب بن روبن، خزاروں کو "واحد" کہہ کر اس متضاد رویہ کے مخالف پہلو کو ظاہر کرتا ہے۔ ''وہ واحد قوم جس نے جلاوطنی کا جُوا نہیں اٹھایا لیکن عظیم جنگجو ہے جو غیر یہودیوں کو خراج ادا نہیں کرتی"۔ خزاروں کے متعلق عبرانی ذرائع کا لب لباب جو ہم تک پہنچا، اس میں جوش و خروش، شکوک و شبہات اور سب سے بڑھ کر حیرانگی کا ملا جلا رد عمل محسوس ہوتا ہے۔ جنگجو رابائیوں کو ترک یہودیوں کا ختنہ شدہ ہونا یک سنگے کی طرح عجیب سا لگا ہو گا۔ 32 خزار سال کے بکھراؤ کے دوران یہودی بھول گئے تھے کہ بادشاہ اور ایک ملک کیسا ہوتا ہے۔ ان کیلئے مسیحا کیگن سے زیادہ حقیقی تھا۔ تبدیلی مذہب کے متعلق عرب اور عبرانی ذرائع کا ذکر بطور تتمہ کرنا چاہیے کہ بظاہر مسیحی مآخذ ان دونوں سے قدیم ہے۔ 864ء سے پہلے کی کسی تاریخ میں ویسٹ فالیا کے راہب، ایکی ٹینیا کے کرسچن ڈر تھمر نے ایکسپوزیٹو، ایک لاطینی مقالہ، ایوینجیلین ماتائی میں لکھا، جس میں وہ درج کرتا ہے کہ "آسمان کے نیچے ان علاقوں میں عیسائی تو نہیں ہیں لیکن وہ لوگ موجود ہیں جو ہن ہیں، ان کا نام یاجوج ماجوج ہے اور ان میں سے ایک کو خزاری کہا جاتا ہے، جو مختون ہیں اور کاملا''یہودیت کو مانتے ہیں۔" یہ تبصرہ میتھیو 24.14 کے پیش نظر ہے ["اور تمام قوموں کی گواہی کیلئے تمام دنیا میں اس گاسپل آف دی کنگڈم کی منادی کی جائے گی اور پھر قیامت آئے گی۔] جس کا اس پر کوئی ظاہری اثر نہیں ہے اور اس موضوع کے متعلق مزید کچھ نہیں سنا گیا ہے۔

باب 9

اسی وقت جب ڈر تھمار نے یہودی خِزاروں کے متعلق ایک افواہ سی لکھی تقریباً ''اسی وقت باز نطینی شہنشاہ نے ایک مشہور عیسائی تبلیغی کوانہیں عیسائی بنانے کی کوشش کیلئے بھیجا تھا۔ وہ کوئی اور نہیں بلکہ سینٹ سیرل، "اپاسل آف دی سلیوز، "سریانی حروف تہجی کا مبینہ نمونہ بنانے والا تھا۔ پیٹر یارک فوٹیئس کے مشورے پر شہنشاہ مائیکل III کی طرف سے وہ اوراس کے بڑے بھائی سینٹ میتھوڈیس کواس اور دیگر تبلیغی مشنوں کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ (خود بظاہر خِزارہ نسل سے تھا، روایت ہے کہ شہنشاہ نے ایک بار غصے میں اسے "خِزاری چہرہ" کہا)۔ ایسا لگتا ہے کہ سیرل کی مذہب تبدیل کرنے کی کوششیں مشرقی یورپ کے سلیوونک لوگوں میں کامیاب رہی ہیں لیکن خِزاروں کے درمیان نہیں۔ اس نے کریمیا میں چیرسن کے راستے سے ان کے ملک کا سفر کیا۔؛ کہا جاتا ہے کہ اس نے چیرسن میں اس مشن کی تیاری کیلئے عبرانی زبان سیکھنے میں چھ ماہ گزارے؛ اس کے بعد اس نے "خِزاری راستہ "-ڈان وولگا بندرگاہ تک اختیار کیا، اور وہاں سے کیگن سے ملنے کیلئے کیپیبن کے ساتھ ساتھ سفر کیا (یہ نہیں بتایا گیا کہ کہاں)۔ اس کے بعد معمول کے مذہبی تنازعات ہوئے لیکن ان کا خِزاری یہودیوں پر بہت کم اثر ہوا یہاں تک کہ خوشامدی ویٹا کانسٹنٹائن (سیرل کا اصل نام) صرف اتنا کہتا ہے کہ سیرل نے کیگن پر اچھا تاثر چھوڑا، چند لوگوں نے بپتسمہ لیا اور کیگن کی طرف سے جذبہ خیر سگالی کے طور پر دوسو عیسائی قیدی رہا کئے گئے۔ شہنشاہ کے ایلچی کیلئے جس نے اتنی مصیبت اٹھائی، یہ کم سے کم تھا جو کر سکتا تھا۔ سلاوونک لسانیات کے طالب علموں کی طرف سے کہانی پر ایک متجسس ضمنی روشنی ڈالی گئی ہے۔ بذریعہ روایت نہ صرف سریانی بلکہ گلا گولائیٹک حروف تہجی وضع کرنے کا سہرا ابھی سیرل کے سر ہے۔ مؤخر الذکر، بیرن کے مطابق، کروشیا میں "سترھویں صدی تک استعمال ہوتی تھی۔ جو کم از کم گیارہ حروف میں عبرانی حروف تہجی کی مقروض ہے جو طویل عرصے سے مانا گیا ہے کہ یہ جزوی طور پر سلاوونک آوازوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ (یہ گیارہ حروف T, Sch, S,A, B, V, G, E, K, P, R) ہیں۔ اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس کے اثر ورسوخ کے متعلق جو پہلے کہا گیا ہے کہ خِزار کے پڑوسیوں میں خواندگی پھیلانے میں عبرانی حروف تہجی کا اثر ہے۔33

حوالہ جات

1دفن کرنا،اوپر۔.cit، 401 .Ibid2.p، 406 .3.p شرف،اے(1971)،ص۔61.

ڈنلوپ(1954)کے حوالے سے a3،صفحہ۔Ibid.4.89، 84 .5.p کاحوالہ شرف،ص۔88.

6دی ویژنزآف ڈینیئل،ایک تواریخ جوایک قدیم پیشن گوئی کے بھیس میں ہے۔شرف کے حوالے سے،

ص7.201 پولیک کاحوالہ،413؛ڈنلوپ،ص.8.119 پولیاک(3/4)چوولسن،ڈی اے(1865)

9پولیک،Baron Ill;3/4، 210 .p اورن.10.47 پولیاک،مقام۔cit

11کاحوالہ مارکوارٹ(1903)،صفحہ۔6۔12ڈنلوپ(1954)کاحوالہ،صفحہ۔90.

13دفن کرنا،اوپر۔.cit، 408 .14.p شرف،ص۔15n100دفن،ص۔n406

16ڈنلوپ(1954)،صفحہ۔17.227 بیرن،ایس ڈبلیو(1957)،والیوم۔بیمار،ص.f201.

18ڈنلوپ،صفحہ۔19.220 بیرن،جلد سوم،صفحہ۔203

تنزل

باب 1

"ڈی۔سنور نے لکھا،1 "آٹھویں صدی کے دوسرے نصف یعنی بولان کی مذہبی تبدیلی اور عبادیہ کے تحت اصلاحات کے درمیان خزاری سلطنت نے بلحاظ عظمت انتہائی عروج حاصل کیا"۔اس سے یہ مطلب اخذ نہیں کرنا چاہئے کہ خزارے اپنی خوش قسمتی کیلئے یہودی مذہب کے مرہوں منت تھے۔یہ البتہ اس کے برعکس ہے:وہ یہودی بننے کے متحمل ہو سکتے تھے کیونکہ وہ معاشی اور عسکری طور پر طاقت ور تھے۔ان کی طاقت کا زندہ مظہر شہنشاہ لیو خزاری تھا جس نے 80-775ء میں باز نطیم پر حکومت کی۔اس کا نام اپنی ماں کے نام خزارہ شہزادی "پھول" پر رکھا

گیا جس نے دربار میں ایک نیا فیشن تخلیق کیا تھا۔ ہمیں یاد ہے کہ اس کی شادی عظیم خِزارے کی اردبیل جنگ میں مسلمانوں پر فتح کے فوراً بعد ہوئی تھی۔ جس کا ذکر یوسف کے خط اور دیگر ذرائع میں ہے۔ دونوں واقعات پر ڈنلوپ رائے زنی کرتا ہے کہ "بمشکل ہی غیر متعلق ہیں"۔ 2 اس دور کی خفیہ سازشوں کے درمیان خاندانی شادیاں اور منگنیاں خطرناک ہوسکتی تھیں۔ یہ بارہا جنگ شروع کرنے یا کم از کم بہانہ بننے کی وجہ بنیں۔ نمونہ بظاہر اٹیلا نے پیش کیا جو خزاروں کا سابق مالک تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اٹیلا کو 450ء میں منگنی کی انگوٹھی سمیت مغربی رومن شہنشاہ ویلن ٹینین III کی بہن ہونریا کا پیغام موصول ہوُا۔ اس رومانوی اور جاہ طلب خاتون نے ہن سردار سے التجا کی کہ اسے موت سے بھی بدتر انجام یعنی ایک بوڑھے سینیٹر سے بالجبر شادی سے نجات دلائے اور اس لئے اسے اپنی انگوٹھی بھیجی۔ اٹیلا نے فوراً اسے اس کی آدھی سلطنت بطور جہیز سمیت اپنی دلہن قرار دیا۔ جب ویلن ٹینین نے انکار کیا تو اٹیلا نے گال پر حملہ کر دیا۔ خِزاری تاریخ اس نیم بنیادی موضوع پر متعدد اختلافات سے بھری پڑی ہے۔ ہمیں بیٹی کے اغوا پر بلگار بادشاہ کا غصہ میں آگ بگولہ ہونا یاد ہے اور اس نے کیسے اس واقعہ کو اس کے اس مطالبے کی بنیادی وجہ بنا کر خلیفہ کو خِزاروں کے خلاف ایک قلعہ تعمیر کرنے کیلئے کہا۔۔ اگر ہم عرب ذرائع پر یقین کریں تو اسی طرح کے واقعات (حالانکہ مختلف بلوں کے ساتھ) امن کے طویل عرصے کے بعد آٹھویں صدی کے آخر میں خِزار۔ مسلم کی آخری جنگوں کے بھڑکنے کا باعث بنے تھے،

الطبری کے مطابق، 798ء میں، [تاریخ غیر یقینی ہے۔] خلیفہ نے آرمینیا کے گورنر کو حکم دیا کہ وہ کیگن کی بیٹی سے شادی کر کے خِزارہ سرحد کو مزید محفوظ بنائے۔ یہ کیگن گورنر برمکی طاقت ور خاندان کا رکن تھا (جو اتفاق سے الف لیلہ میں اس نامی خاندان کے شہزادے کی یاد دلاتا ہے جس نے ایک بھکاری کو ایسی دعوت میں مدعو کیا جس میں قیمتی ڈھکنوں کے نیچے تھالیوں میں کچھ بھی نہیں تھا)۔ برمکی راضی ہو گیا اور خِزاری شہزادی کو اس کے خدم و حشم اور جہیز سمیت ایک پر تعیش قافلے کے ساتھ اس کے پاس روانہ کر دیا گیا (دیکھئے I،10)۔ لیکن وہ نوزائیدہ سمیت زچگی میں ہی فوت ہو گئی۔ درباریوں نے خِزار یا واپسی پر کیگن کو کنایتا" بتایا کہ اسے زہر دیا گیا تھا۔ کیگن نے فوری طور پر آرمینیا پر حملہ کیا اور (دو عرب ذرائع کے مطابق) 50,000 قیدی بنا لیے۔ خلیفہ کو مجبور کیا گیا کہ مجرموں کو جیلوں سے رہا کر کے خِزاروں کی پیش قدمی روکنے کیلئے انہیں مسلح کرے۔

عرب ذرائع آٹھویں صدی میں ایک اور خاندانی شادی کا غلط نتیجہ برآمد ہونے کا واقعہ بتاتے ہیں جو خزاری حملے کا سبب بنا۔مزید براں جار جین و قائع کی فہرست میں شامل کرنے کیلئے خصوصا" ہول ناک واقعہ ہے (جس میں کیگن کے بستر سے بچنے کیلئے عظیم شہزادی زہر کا شکار ہونے کے بجائے خود کشی کرتی ہے)۔تفصیلات اور صحیح تاریخیں اور اسی طرح ان مہمات کے پیچھے اصل محرک حسب معمول مشکوک ہیں۔4 بدلے کی دلہنوں اور زہر کی شکار رانیوں کے متعدد واقعات کے ذکر پر شک کی گنجائش نہیں کہ یہ لوگوں کے تخیل اور ممکنہ طور پر سیاسی واقعات پر بھی متاثر کن اثر چھوڑتا ہے۔

باب 2

آٹھویں صدی کے اختتام پر خزار۔عرب لڑائی کے متعلق مزید ذکر معدوم ہو گیا۔ہم جیسے نویں میں داخل ہوتے ہیں،ایسا لگتا ہے کہ خزاروں میں کئی دہائیوں تک امن کا دور دورہ رہا۔تاریخ میں ان کا بہت کم ذکر ہے اور تاریخ میں خبر کا نہ ہونا اچھی خبر ہے۔ان کے ملک کی جنوبی سرحدیں پرامن ہو چکی تھیں۔خلافت سے ایک خاموش غیر جار حیتی معاہدے کی وجہ سے تعلقات طے ہو پا چکے تھے؛ باز نطیم کے ساتھ دوستانہ تعلقات یقینا" جاری رہے،پھر بھی اس نسبتاً خوبصورت دور کے وسط میں ایک منحوس واقعہ ہے جس میں نئے خطرات کی جھلک تھی۔833ء میں یا اس کے قریب ہزارہ کیگن اور بیک نے مشرقی رومن شہنشاہ تھیوفیلس کی طرف درخواست کیلئے سفارت بھیجی کہ وہ ڈان کے نچلے سلسلے پر ایک قلعہ تعمیر کرنے کیلئے ماہر معمار اور کاریگر بھیجے۔شہنشاہ نے مستعدی سے جواب دیا۔اس نے بحیرہ اسود اور بحیرہ ازوف کے پار ایک بحری بیڑا ڈان کے دہانے کے اس اہم فوجی مقام پر بھیجا جہاں قلعہ کی تعمیر مقصود تھی۔اس طرح سارکل وجود میں آیا،مشہور قلعہ اور انمول آثار قدیمہ کی صحیح طور پر صرف ایک ہی جگہ ہے جس سے خزاری تاریخ کا سراغ ملتا ہے۔جب تک کہ یہ وولگا۔۔ڈان نہر سے ملحق Tsimlyansk کے آبی ذخیرہ میں ڈوب گیا۔کانسٹینٹائن پی،جس نے اس واقعہ کو کچھ تفصیلا" بیان کیا ہے کہ اس علاقے میں پتھر دستیاب نہیں تھے۔سارکل ان اینٹوں سے بنایا گیا تھا جنہیں خصوصا" بنے بھٹوں میں پکایا جاتا تھا۔وہ اس حیرت انگیز حقیقت کا تذکرہ نہیں کرتا (جب یہ جگہ قابل رسائی تھی تو سوویت ماہرین آثار قدیمہ نے دریافت کیا) کہ معماروں نے باز نطینی طرز کے سنگ مرمر کے ستون بھی استعمال کیے جو تاریخی طور پر چھٹی صدی کے ہیں،شاہی کفایت شعاری کی ایک عمدہ مثال،یہ شاید باز نطینی کھنڈرات سے نکالے گئے تھے۔5 ممکنہ دشمن جس کے خلاف یہ متاثر کن قلعہ تھا جو مشترکہ رومن۔۔خزار

نے تعمیر کیا تھا۔ وہ مرعوب کن اور دھمکانے والے نووار دان عالمی منظر نامے پر جنہیں اہل مغرب وائکنگز یا ناروی اور اہل مشرق رَوس یا رُس کہتے ہیں، نمودار ہوئے۔ دو صدی پہلے فاتح عرب مہذب دنیا کی طرف وسیع پیمانے پر دو شاخہ قسم کی پیش قدمی کر چکے تھے جس کی بائیں طرف پائرینیس کے اس پار اور دائیں قفقاز کے اس پار پہنچ چکے تھے۔ لگتا ہے کہ تاریخ نے وائکنگ کا دور پہلے جیسا ایک اور دور بنا ڈالا۔ ابتدائی دھماکہ جس نے مسلمانوں کی جنگی فتوحات کو جنم دیا اس وقت کی دنیا کے انتہائی جنوبی علاقے صحرائے عرب میں واقع ہوُا، جبکہ وائکنگ کے چھاپوں اور فتوحات کا سلسلہ اس کے انتہائی شمالی علاقے اسکینڈے نیویا میں شروع ہوُا۔ عربوں نے زمینی راستے سے شمال کی طرف جبکہ ناروی نے جنوب سے سمندر اور آبی گزرگاہوں سے پیش قدمی کی۔ عرب کم از کم بلحاظ نظریہ ایک مقدس جنگ لڑ رہے تھے، وائکنگز نے قزاقی اور باقاعدہ غارت گری کی غیر مقدس جنگیں لڑیں۔ لیکن متاثرین کیلئے نتائج ایک جیسے تھے۔ مورخین کسی بھی صورت میں اقتصادی، ماحولیاتی یا نظریاتی وجوہات کی بناپر معقول وضاحتیں فراہم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے جنہوں نے راتوں رات عرب اور سکنڈے نیویا کے بظاہر ان خوابیدہ خطوں کو پرجوش توانائی اور بے پرواہ مہم جوئی کے جوالا مکھی میں تبدیل کر دیا۔ دونوں کے پھٹ پڑنے کی طاقت چند صدیوں میں دنیا پر مستقل نشان ثبت کر گئی۔ دونوں قلیل مدت میں جابرانہ خصلت اور مسماری سے عظیم الشان ثقافتی کامیابی سے ہم کنار ہوئے ۔اس وقت کے متعلق جب مشرقی وائکنگز کے متوقع حملے سے باز نطینی۔۔ خزار کی مشترکہ کوششوں سے سارکل تعمیر ہوُا تھا، ان کی مغربی شاخ پہلے ہی تمام بڑے حصوں میں گھس چکی تھی۔ یورپ کی آبی گزرگاہوں اور آدھا آئرلینڈ فتح کر لیا۔ اگلی چند دہائیوں میں انہوں نے آئس لینڈ کو نوآبادی بنالیا، نارمنڈی فتح کیا، پیرس کو بارہا تاخت وتاراج کیا، جرمنی پر چھاپہ مارا، رائن ڈیلٹا، خلیج جینوا، جزیرہ نما آئبیریا کو سمندری طرف سے گھیر لیا اور کونسٹینٹین پر براستہ بحیرہ روم اور ڈارڈانیلیس کے علاوہ بیک وقت نیپر کے نیچے اور بحیرہ اسود کے اس پار روس پر حملہ کیا، جیسا کہ ٹوئن بی نے لکھا: 6 "نویں صدی جس میں روس نے خزاروں اور مشرقی رومیوں پر حملہ کیا تب سکنڈے نیوین چھاپے مار رہے تھے، فتح کر رہے تھے اور ایک بے پناہ قوس کی شکل میں نوآبادیات بنا رہے تھے جو آخر کار جنوب مغرب میں۔۔۔ شمالی امریکہ اور جنوب مشرق میں۔۔۔ بحیرہ کیسپیئن تک پھیل گیا۔" یہ تعجب خیز نہیں کہ مغرب کی دعائے مغفرت میں ایک خصوصی دعا شامل کی گئی تھی:

Normannorum libera nos Domine۔ تعجب نہیں کہ قسطنطنیہ کو وائکنگ جہازوں کی کمانوں پر کھدے شعلے برساتے عفریت کے خلاف خزار اتحادیوں کی ایک حفاظتی ڈھال کی ضرورت تھی جیسے پیغمبر کے سبز جھنڈوں کے خلاف چند صدی پہلے انہیں ضرورت تھی اور جیسے پہلے موقع کی طرح خزاروں کو دوبارہ حملے کا خمیازہ بھگتنا پڑا، اور آخر کار انہیں اپنے دار الحکومت کو کھنڈرات بنا دیکھنا پڑا۔ نہ صرف وائکنگ کے بحری بیڑے کا شمال کی طرف سے عظیم آبی گزرگاہوں سے خزاروں کا باز تطیم پر پیش قدمی روکنے کیلئے شکر گزار ہونے کی وجہ تھی۔ اب ہم نے جوزف کے خط حسدائی کے خفیہ حوالے کو بہتر سمجھ لیا ہے جو ایک صدی بعد لکھا گیا تھا:

"اللہ تعالیٰ کی مدد سے میں دریا کے دہانے کی حفاظت کرتا ہوں اور روس کو اجازت نہیں دیتا جو اپنے بحری جہازوں میں عربوں کی سرزمین پر حملہ کرنے کیلئے آتے ہیں۔۔۔ میں بڑی جنگیں [روس کے ساتھ]۔ لڑتا ہوں۔

باب 3

وائکنگز کا وہ خاص نشان جسے باز نطینی "روس" کہتے تھے اور عرب تاریخ نویس "ناروے کے ڈاکو"۔ "روس" کا سب سے زیادہ ممکنہ ماخذ ٹوئن بی کے مطابق "سویڈش لفظ 'rodher' ہے، جس کا مطلب ہے کھویئے"۔7 جہاں تک "ناروے کے ڈاکو" کا تعلق ہے یہ عربوں اور قدیم روسی مورخین نے بھی ناروی یا سکنڈے نیوین کو نامزد کرنے کیلئے استعمال کیا؛ بالٹک کو دراصل "ناروے کے ڈاکوؤں کا سمندر" کہا جاتا تھا۔ وائکنگز کی شاخ کا آغاز مشرقی سویڈن سے ہوُا جو ناروے اور ڈنمارک سے الگ ہے۔ ڈینز جنہوں نے مغربی یورپ پر چڑھائی کی، ان کی پیش قدمی بھی اسی نہج پر ہوئی۔ یہ موسمی تھا؛ ان کی بنیاد فوجی اہمیت پر رکھی گئی تھی جو ملک پر حملہ کرنے کیلئے مضبوط جگہوں، اسلحہ خانوں اور رسد پہچانے کے طور پر استعمال کی جاتی تھیں۔ ایسا وہیں ہوُا جہاں سازگار حالات میسر ہوئے جو غارت گری اور بالجبر تجارت سے لے کر کم و بیش مستقل بستیوں تک اور بالآخر مفتوح مقامی آبادیوں میں رل مل گئے۔ آئرلینڈ میں وائکنگ کی دخل اندازی کا آغاز ڈبلن بے میں ریچرو (لامبے) جزائر پر قبضے سے ہوُا۔ انگلستان پر تھانیٹ کے جزیرے سے حملہ کیا گیا تھا۔ والچرین (ہالینڈ سے دور) اور نوئرموٹیر (خلیج لوئر) کے جزیروں کی فتح سے براعظم میں دخول شروع ہوُا۔

یورپ کے انتہائی مشرق پر شمالی لوگ فتوحات کیلئے اسی خاکے پر عمل پیرا تھے۔ بالٹک اور خلیج فن لینڈ کو عبور کرنے کے بعد دریائے ولخوف تک کشتی رانی کرتے ہوئے ایلمین جھیل (لینن گراڈ کے جنوب میں) میں داخل ہوئے۔36

جہاں انہیں آئس لینڈک ساگا ز جیسا ایک موزوں جزیرہ ہولمگارڈ ملا۔ انہوں نے یہاں ایک بستی بسائی جو آخر کار نوو گورو ڈشہر بن گئی۔۔[نزنی نو گورو ڈ کے ساتھ گڈ مڈ نہ کریں (جس کا اب دوبارہ نام گورکی رکھا گیا ہے)۔]

یہاں سے وہ عظیم آبی گزرگاہوں پر جنوب کی طرف گھس آئے: وولگا سے کیسپین میں، اور نیپر سے بحیرہ اسود میں ۔سابقہ راستہ عسکریت پسند بلگاروں اور خزاروں کے ممالک سے اور دوسرا راستہ خزار سلطنت کے شمال مغربی مضافات میں آباد مختلف سلاوونک قبائل کے علاقوں سے گذرتا تھا جو کیگن کو خراج ادا کرتے تھے: کیف کے علاقے میں پولین؛ دی ویاٹیچی ماسکو کے جنوب میں؛ نیپر کے مشرق میں ریڈ یمشچی؛ ڈیر نا دریا پر سیورین، وغیرہ [کونس ٹینٹین پروفیر وجینیٹس اور روسی وقائع ان قبائل کے ناموں اور مقامات اور خزاروں کے تابع ہونے سے خاصے متفق ہیں۔] ایسا لگتا ہے کہ ان سلاووں نے زراعت کے جدید طریقے اپنائے ہیں اور بظاہر وولگا پر اپنے "ترک" پڑوسیوں سے زیادہ ڈرپوک مزاج کے تھے۔

جیسا کہ بری نے کہا، وہ سکینڈے نیوین حملہ آوروں کیلئے "ترنوالہ "بن گئے۔ یہ آخر کار نیپر کو اس کی خطرناک

آبشاروں کے باوجود وولگا اور ڈان پر ترجیح دینے لگے۔ یہ نیپر ہی تھا جو بالٹک سے بحیرہ اسود اور اس طرح قسطنطنیہ تک نورڈک رزمیہ داستانوں کا آسٹر ویگر "عظیم آبی گزرگاہ" بن گیا۔ انہوں نے سات بڑی آبشاروں کو سلاوی ناموں کے علاوہ سکنڈے نیوین نام بھی دیئے؛ کانسٹ ینٹین ایمان داری سے دونوں روائیتوں کو شمار کرتا ہے (مثال کے طور پر، Norse میں Baru-fors، Slavonic میں Volnyi، billowy waterfall"" کیلئے)۔

ایسا لگتا ہے کہ یہ Varangian-Rus اور ان کے بھائی وائکنگز کے درمیان بھی انوکھا امتزاج رہا ہے۔۔۔ قزاقوں، ڈاکوؤں اور نمائشی تاجروں کی خصوصیات یک جا تھیں جو تلوار اور جنگی کلہاڑی کے بل بوتے پر اپنی شرائط مسلط کر کے تجارت کرتے تھے۔ انہوں نے سونے کے بدلے کھال، تلواروں اور عنبر کا تبادلہ کیا لیکن ان کا بنیادی سامان غلام تھے۔ ایک ہم عصر عرب وقائع نگار نے لکھا:

اس جزیرے [نو گورو ڈ] میں 100،000 کی تعداد میں مرد ہیں جو کشتیوں میں سلاووں پر مسلسل چھاپے مارنے کیلئے نکلتے ہیں، سلاووں کو قیدی بنا کر خزاروں اور بلگاروں کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں۔ [ہمیں مسعودی کا مذکور غلاموں کا بازار یاد ہے]۔ ان کے پاس نہ مزروعہ زمینیں ہیں نہ بیج اور سلاووں کی لوٹ مار پر گذر اوقات ہے۔ جب ان کے ہاں

ایک بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے سامنے برہنہ تلوار رکھ کر اس کا باپ کہتا ہے: "میرے پاس سونا ہے نہ چاندی، نہ ہی دولت جو میں تمہارے لئے میراث چھوڑوں، یہ ہے تمہاری وراثت، اس کے ساتھ اپنے لیے خوش حالی مستحکم کرو۔" 9 ایک جدید مورخ میک ایویڈی نے اس کا خلاصہ خوب کیا ہے:

وائکنگ۔۔۔وار نگین سر گرمی، آئس لینڈ سے ترکستان کی سرحدوں تک، قسطنطنیہ سے قطبی دائرے تک نا قابل یقین قوت اور جرأت کی حامل تھی اور افسوس کہ اتنی محنت لوٹ مار میں رائیگاں گئی۔ شمالی جاں بازوں نے ایسی تجارت کرنا مناسب نہ سمجھا تاوقتیکہ وہ فتح یاب نہ ہو سکے۔ انہوں نے خون آلود شان دار سونے کو مستحکم تجارتی منافع پر ترجیح دی۔

10

اس طرح گرمیوں میں جنوب کی طرف جہاز راں روسی قافلے بیک وقت تجارتی اور فوجی بحری بیڑے دونوں تھے؛ دونوں کردار ایک ساتھ چلے اور ہر بیڑے کے متعلق قبل از وقت یہ بتانا ناممکن تھا کہ سوداگر کس لمحے جنگجو بن جائیں گے۔ یہ جسامت میں مہیب بحری بیڑے تھے۔ مسعودی (912-13 میں) "تقریبا 500 جہازوں پر مشتمل ایک روسی فوج کا ذکر کرتا ہے جو کیسپین سے وولگا میں داخل ہو رہی ہے۔ ہر ایک جہاز میں 100 افراد سوار تھے"۔ وہ کہتا ہے کہ ان 50،000 آدمیوں میں سے 35،000 جنگ میں مارے گئے۔ [نیچے دیکھیں، باب چہارم 1۔] مسعودی نے غالبا "مبالغہ کیا ہے لیکن بظاہر زیادہ نہیں۔ ان کے کارناموں کے ابتدائی مرحلے میں (تقریباً 860 ءمیں) روس نے بحیرہ اسود عبور کر کے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔ اس بحری بیڑے میں مختلف اندازوں کے مطابق 200 سے 230 جہازوں کی تعداد کا تخمینہ لگایا۔ ان زبردست حملہ آوروں کی غیر متوقع اور ضرب المثل مکاری کے پیش نظر بازنطینی اور خزاری کہاوت کے مطابق وہ "حالات و نتائج کے مد نظر" چلتے تھے۔ ڈیڑھ صدی اور سارکل کے قلعے کی تعمیر کے بعد روس کے ساتھ وحشی جنگوں کے متبادل کے طور پر تجارتی معاہدوں اور سفارتوں کا تبادلہ ہوا۔ آہستہ آہستہ اور درجہ بدرجہ مستقل بستیوں کی تعمیر کے ذریعے رعایا اور غلاموں میں میل ملاپ سے اور آخر کار بازنطینی گرجے کا عقیدہ اپنانے سے نارزمین کا کردار سلاوونی میں تبدیل ہوا۔ اس وقت سے دسویں صدی کے اختتامی سالوں تک "رُس" روسیوں میں تبدیل ہو چکا تھا۔ "روسی"۔ قدیم رُس شہزادوں اور امراء کے اب بھی سکنڈے نیوین نام ہیں جو سلاوونی بن چکے تھے: جیسے Hröekr سے Rurik، Helgi سے Oleg، Ingvar سے Igor،

Helga سے Olga، وغیرہ۔ شہزادہ ایگور-انگوار نے 945ء میں بازنطینیوں کے ساتھ جو تجارتی معاہدہ کیا تھا اس کے پچاس سکنڈے نیوین ساتھیوں کی فہرست میں سے صرف تین کے نام سلاوانی ہیں. 11 لیکن انگوار اور ہیلگا کے بیٹے نے سلاوانی نام سویاٹو سلاو رکھ لیا اور اس کے بعد سے انضمام کا عمل کامیابی سے بڑھنا شروع ہوا اور مقامی آہستہ آہستہ اپنی الگ شناخت کھو بیٹھے اور نارویوں کی روایت روسی تاریخ سے ختم ہو گئی۔ ان عجیب وغریب لوگوں کی ذہنی تصویر بنانا مشکل ہے جن کی وحشیانہ کیفیت اس وحشی دور میں بھی نہائت عیاں رہی۔ شمالی حملہ آوروں سے دوچار مظلوم قوموں کے لوگوں کے وقائع متعصب ہیں؛ اپنی کہانی میں ان کا اپنا پہلو کہاں رہتا ہے۔ سکنڈے نیوین ادب وائکنگز کے عروج کے دور کے بہت بعد آیا جب ان کے کارنامے افسانوی شکل اختیار کر چکے تھے۔ اس کے باوجود، ایسا لگتا ہے کہ ابتدائی ناروی ادب لڑائی میں ان کی بے لگام ہوس کی تصدیق کرتا ہے اور جنگ میں عجیب قسم کا جنون جوان پر ایسے مواقع پر حاوی ہو جاتا تھا۔ ان کے پاس بھی اس کیلئے ایک خاص لفظ۔ :berserksgangr تھا—وحشت زدہ طریقہ تھا۔ 37 عرب وقائع نگاران سے اس قدر چکرا گئے کہ وہ نہ صرف ایک دوسرے کے بلکہ چند سطروں کے بعد خود کے بھی مخالف ہیں۔ ہمارا پرانا دوست ابن فضلان رُس کے غلیظ اور فحش دربار سے بالکل بیزار ہے جس سے اس کی ملاقات بلغروں کے ملک میں وولگا کے مقام پر ہوئی تھی۔ بلگاری روس پر مندرجہ ذیل حوالہ اس کے خزاروں کے محولہ بیان سے بالکل پہلے آتا ہے:

وہ خدا کی گندی ترین مخلوق ہیں۔ صبح ایک نوکرانی گھر کے مالک کیلئے پانی سے بھرا تسلہ لے کر آتی ہے؛ وہ اس میں اپنا چہرہ اور بال کھنگالتا ہے۔ اسی میں تھوکتا اور ناک سِنکتا ہے؛ تب لڑکی وہی تسلہ اگلے شخص کو دیتی ہے جو اسی طرح کرتا ہے، حتیٰ کہ گھر کے تمام افراد وہ تسلہ استعمال نہ کر لیں جس میں سبھی ناک سنکنے، تھوکنے اور اس میں اپنا چہرہ اور بال کھنگالتے ہیں۔ 12

اس کے مقابلتاً، ابن رستہ اسی زمانے کے متعلق لکھتا ہے: "وہ لباس کے معاملے میں صاف ستھرے ہیں۔"—اور اسے اسی پر چھوڑ دیتا ہے۔ 13 ایک بار پھر ابن فضلان روس کے کھلے عام، بشمول بادشاہ مجامعت اور رفع حاجت پر برہم ہے جبکہ ابن رستہ اور گردیزی ایسی گھناؤنی عادات کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ لیکن ان کے اپنے بیانات بھی اتنے ہی مشکوک اور متضاد ہیں۔ چنانچہ ابن رستہ: "وہ ان مہمانوں کی عزت کرتے ہیں۔ اور ان اجنبیوں پر مہربان ہیں جو ان کی پناہ مانگتے ہیں اور ہر اس شخص کے ساتھ جو ان میں سے بد نصیب ہو۔ وہ اپنوں میں سے کسی کو ان پر ظلم کرنے

کی اجازت نہیں دیتے، وہ ایسے غلط کار یا جابر کو تلاش کر کے باہر نکال دیتے ہیں۔ لیکن چند پیرا گراف نیچے اس نے بالکل مختلف تصویر پیش کی ہے—یا روسی معاشرے کے حالات کی نیم تصویر:

ان میں سے کوئی بھی فطری حاجت پورا کرنے کیلئے اکیلا نہیں جاتا بلکہ وہ تین ساتھیوں سمیت جاتا ہے جو اپنے درمیان اس کی حفاظت کرتے ہیں اور ہر ایک مشکوک حفاظت اور خیانت کی وجہ سے تلوار بردار ہوتا ہے، کیونکہ اگر کسی کے پاس تھوڑی سی بھی دولت ہو تو اس کا اپنا بھائی اور اس کا دوست جو ساتھ ہے، لالچ میں اسے مارنے اور برباد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔15 ان کے فن سپہ گری کے فضائل کے متعلق ذرائع متفق ہیں۔

یہ لوگ پر جوش اور حوصلہ مند ہوتے ہیں اور جب میدان جنگ میں اترتے ہیں تو کوئی بھی ان کے مد مقابل کی عورتوں کو تباہ کیے اور خود کو غلامی میں دئے بغیر بچ نہیں سکتا.16

باب 4

ایسے ہی امکانات تھے جو اب خِزاروں کو درپیش تھے۔ سارکل بروقت تعمیر کیا گیا تھا؛ یہ کہ ڈان اور ڈان۔۔ وولگا کے نچلے حصے پر بار برداری کے خرچ کے ساتھ ساتھ روسی بحری بیڑے کی نقل و حرکت کو کنٹرول کرنے کے قابل بنایا ("خِزاری راستہ")۔ مجموعی طور پر ایسا لگتا ہے کہ پہلی صدی کے دوران منظر پر ان کی موجودگی میں [بہت حد تک، 930 -830ء] روسی لوٹ مار کے چھاپے بنیادی طور پر بازنطیم پر مارے جاتے تھے (جہاں ظاہر ہے کہ لوٹ مار میں بہت مال ملتا تھا)، جبکہ ان کے خِزاروں کے ساتھ تعلقات بنیادی طور پر تجارتی تھے اگرچہ وقفے وقفے سے ناچاقی اور جھڑپیں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ خِزار اس قابل تھے کہ وہ روس کے تجارتی راستوں کو کنٹرول کرنے اور بازنطیم اور مسلم مملک کو جانے والے تمام تجارتی مال پر 10 فیصد ٹیکس عائد کر سکیں۔ انہوں نے شمالی باشندوں پر قدرے ثقافتی اثر بھی ڈالا جو اپنے تمام پر تشدد طریقوں کے باوجود ان کے رابطے میں آئے لوگوں سے سیکھنے کی معصوم خواہش تھی .اس رسوخ کا ابتدائی روس کے نوگوروڈ کے حکمرانوں کا "کیگن" عنوان اپنانے سے ظاہر ہوتا ہے۔ بازنطینی اور عرب دونوں ذرائع سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ابن رستا، اس جزیرے کو بیان کرنے کے بعد جہاں نوگوروڈ تعمیر کیا گیا تھا، کہتا ہے "ان کا ایک بادشاہ ہے جسے کیگن روس کہا جاتا ہے۔" مزید برآں، ابن فضلان نے درج کیا ہے کہ کیگن روس کا ایک جنرل ہے جو فوج کی قیادت کرتا ہے اور عوام میں ظاہر ہوتا ہے۔ ذکی ولیدی نے نشان دہی

کی ہے کہ فوج کی کمان کا ایسا نمائندہ شمالی جرمن باشندوں میں نامعلوم تھا، جہاں بادشاہ کو سب سے بڑا جنگجو ہونا چاہیے ۔ولیدی یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ روس نے صریحا'' خِزاری نظام کی جڑواں حکمرانی کی تقلید کی۔اس حقیقت کے پیش نظر یہ امکان ہے کہ خِزاری سب سے زیادہ خوش حال اور ثقافتی طور پر ترقی یافتہ لوگ تھے. روس نے فتوحات کے ابتدائی مراحل میں جن کے ساتھ علاقائی رابطہ کیا وہ خِزاری تھے۔وہ رابطہ کافی گہرا ہو گا چونکہ خِزاریہ میں روس کے تاجروں کی کالونی تھی اور کیف میں خِزاری یہودیوں کی بھی ایک جماعت تھی۔اس تناظر میں یہ اطلاع دیتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ زیر بحث ہزار سال سے زائد عرصے کے بعد سوویت حکومت نے خِزاروں کے تاریخی کردار اور ثقافتی کامیابیوں کے واقعات کی یاد کو مٹانے کی پوری کوشش کی ہے۔12 جنوری 1952 کو دی ٹائمز نے درج ذیل خبر شائع کی۔ابتدائی روسی ثقافت کو کمتر دکھانے پر سوویت مورخ کی سرزنش کی گئی۔پراودا نے ایک اور سوویت مورخ کو روسی لوگوں کی ابتدائی ثقافت کو کم کرنے پر تنقید کا نشانہ بنایا ہے 38 یہ پروفیسر آرٹامونوف ہے جس نے یو ایس ایس آر اکیڈمی آف سائنسز کے تاریخ اور فلسفہ کے شعبہ کے حالیہ اجلاس میں وہی نظریہ دہرایا جو اس نے 1937 میں ایک کتاب میں پیش کیا تھا کہ قدیم شہر کیف پر خِزاری لوگوں کا بہت بڑا احسان تھا۔وہ انہیں ایک ایسے ترقی یافتہ لوگوں کے روپ میں دکھاتا ہے جو روسیوں کی جارحانہ خواہشات کا شکار ہو گئے تھے۔پراودا کا کہنا ہے کہ ''ان تمام باتوں کی تاریخی حقائق سے کوئی مماثلت نہیں ہے۔خِزاری سلطنت جو مختلف قسم کے قدیم قبائل کے امتزاج کی نمائندگی کرتی تھی انہوں نے سلاو مشرقی ریاست کی تشکیل میں کوئی مثبت کردار ادا نہیں کیا۔قدیم ذرائع گواہ ہیں کہ مشرقی سلاووں میں ریاست کی تشکیل خِزاروں کے کسی بھی ریکارڈ سے بہت پہلے ہوئی تھی۔قدیم روس کی ترقی کو فروغ دینا تو درکنار خِزاری سلطنت نے مشرقی سلاو قبائل کی ترقی روک دی۔ہمارے آثار قدیمہ کے ماہرین کا مواد قدیم روس کی اعلیٰ ثقافت کی نشان دہی کرتا ہے۔خِزاری ثقافت کی برتری روس کی تاریخی سچائی کی تضحیک اور حقائق کو نظرانداز کرنے سے ہی ممکن ہے۔خِزاری سلطنت کی کامل بنی ان بورژوا مورخین کے معیوب نظریات کے واضح بقا کی عکاسی کرتی ہے جو روسی عوام کی مقامی ترقی کو حقیر سمجھتے ہیں۔اس تصور کی غلطی واضح ہے۔ایسا تصور سوویت تاریخ نگاری کیلئے ناقابل قبول ہے۔''

آرٹامونوف، جس کا میں نے اکثر حوالہ دیا ہے، (معتبر جرائد میں اس کے متعدد مضامین کے علاوہ) اس کی پہلی کتاب جو خِزاروں کی ابتدائی تاریخ سے متعلق تھی، 1937 میں شائع ہوئی۔جب پراوڈا نے حملہ کیا وہ بظاہر اپنی شاہ کار

خِزاروں کی تاریخ کی تیاری میں مصروف تھا۔ کتاب تنیجتا'' دس سال بعد 1962 میں شائع ہوئی۔اس کے آخری حصے میں وہ تمام جو اس سے پہلے لکھا گیا، تمام تحریروں سے دست برداری کے مترادف تھا جس نے درحقیقت مصنف کی زندگی بھر کی محنت پر پانی پھیر دیا۔اس میں سے متعلقہ اقتباسات درج ذیل ہیں:

خِزار سلطنت بکھر کر ٹکڑوں میں بٹ گئی، جس میں سے اکثریت دیگر متعلقہ لوگوں میں ضم ہو گئی اور اقلیت اپنی قومیت سے محروم یہودی رنگت کے ساتھ ایک طفیلی طبقے میں تبدیل ہو کر آباد ہو گئی۔روسیوں نے مشرق کی ثقافتی کامیابیوں سے کبھی گریز نہیں کیا۔۔ لیکن روسیوں نے خِزاروں سے کچھ نہیں لیا۔دوسرے لوگوں مگیار، بلگار، پشنیگ، ایلن اور پولوویٹسین ... نے بھی جنگجو خِزارہ یہودیت کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا۔استحصالیوں کے ساتھ جدوجہد کی ضرورت نے کیف کے سنہری تخت کے ارد گرد غز اور سلاو کے اتحاد کو متحرک کیا اور اس اتحاد نے تنیجتا'' نہ صرف روسی ریاستی نظام بلکہ قدیم روسی ثقافت کی پر تشدد ترقی کا امکان بھی پیدا کیا۔ یہ ثقافت ہمیشہ سے جبلی رہی ہے اور خِزاری اثرورسوخ پر کبھی تکیہ نہیں کیا۔روسی ثقافت میں وہ غیر اہم مشرقی عناصر جو خِزاروں کے ذریعے ورثے میں ملے تھے اور عموما'' روس اور خِزاروں کے درمیان ثقافتی تعلقات کے مسائل سے نمٹتے وقت ذہن میں یہ بات رہتی ہے کہ یہ روسی ثقافت کے دل میں جگہ نہ پا سکی، فقط سطح پر رہی جو مختصر مدت اور کم اہمیت کی حامل تھی۔وہ روسی ثقافت کی تاریخ میں "خِزاری'' دور کا بالکل اقرار نہیں کرتے. پارٹی کی سرکار پالیسی کے فرمودات نے آخری نشان تک مٹانے کا عمل مکمل کر لیا جس کا آغاز سارکل کی باقیات کے سیلاب سے ہوُا تھا۔

باب 5

وسیع تجارتی اور ثقافتی تبادلوں کے باوجود خزاری مملکت نے روس کو اپنی سلاوی رعایا اور غلاموں کو مختص کر کے آہستہ آہستہ ہتھیا لینے سے نہیں روکا۔ قدیم روسی وقائع کے مطابق 859ء تک ۔یعنی تقریباً سارکل کی تعمیر کے پچیس سال بعد سلاووں سے خراج "خِزاروں اور بحیرہ بالٹک پار کے ناروی ڈاکوؤں" کے درمیان تقسیم کیا گیا۔ناروی ڈاکوئں نے "زیر زمین آدم خوروں''، "کری و چینیوں" وغیرہ پر خراج عائد کیا، یعنی زیادہ شمالی سلوونک لوگوں پر جب کہ خِزاروں نے ویاٹیچی، سیوی این اور سب سے اہم کیف کے مرکزی علاقے پولی این سے خراج وصول کرنا جاری رکھا، گو زیادہ دیر تک نہیں۔ اگر ہم (روسی کرانیکل) کی تاریخوں پر بھروسہ کریں تو تین سال بعد، نیپر پر کیف کا کلیدی قصبہ جو پہلے خِزاروں کے زیر تسلط تھا، روس کے ہاتھ لگ گیا۔اسے روسی تاریخ میں ایک فیصلہ کن واقعہ ثابت کرنا تھا،

گو یہ بظاہر مسلح جدوجہد کے بغیر ہوُا تھا۔ وقائع نگاری کے مطابق، نوگوروڈ پر اس وقت (نیم افسانوی) شہزادہ رورک کی حکومت تھی جس کا تمام وائکنگ بستیوں، شمالی سلوونک اور کچھ فن لینڈ کے لوگوں پر تسلط تھا۔ رورک کے دو آدمیوں، اوسکولڈ اور دیر نے نیپر کے نیچے سفر کے دوران ایک پہاڑ پر ایک قلعہ بند جگہ دیکھی، جس کا نظارہ انہیں پسند آیا۔ انہیں بتایا گیا کہ یہ کیف کا قصبہ ہے اور "خِزاروں کو خراج پیش کرتا ہے"۔ دونوں اپنے خاندانوں سمیت شہر میں بس گئے۔ "بہت سے شمالی باشندوں کو جمع کیا اور پڑوسی سلاووں پر حکومت کی جبکہ نوگوروڈ رورک کے زیر نگیں تھا۔ کوئی بیس سال بعد رورک کا بیٹا اولگ آیا اور اوسکولڈ اور دیر کو موت کے گھاٹ اتار کر کیف پر قبضہ جمالیا۔

کیف نے جلد ہی اہمیت میں نوگوروڈ کو پیچھے چھوڑ دیا: یہ وارنجیئنوں کا دار الحکومت اور "روسی شہروں کی ماں" بن گیا جب کہ اس کا نام لینے والی ریاست ہی پہلی روسی ریاست کا گہوارہ بن گئی. جوزف کا خط جو کیف پر روس کے قبضے کے تقریباً ایک صدی بعد لکھا گیا تھا، اب خِزاروں کے اثاثوں کی فہرست میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن دونوں قصبے اور صوبہ کیف میں بااثر خِزار-یہودی آبادیاں بچ گئیں اور یہاں اپنے ملک کی آخری تباہی کے بعد خِزار ہجرت کرنے والوں کی بڑی تعداد شامل ہوئی۔ روسی کرانیکل زملیازیڈوسکایا سے آنے والے سورماؤں کا حوالہ دیتا رہتا ہے۔ "اہل یہود کا ملک"؛ اور کییف میں "خِزاروں کا صدر دروازہ" نے اپنے قدیم حکمرانوں کی یاد کو جدید دور تک زندہ رکھا۔

باب 6

اب ہم نویں صدی کے دوسرے نصف تک پہنچ چکے ہیں اور روسی توسیع کی کہانی کو جاری رکھنے سے پہلے ہمیں اپنی توجہ کچھ اہم باتوں، خصوصا" بیابانی مگیاروں میں ترقی کی طرف مبذول کرنا ہے۔ یہ واقعات روس کی طاقت کے عروج کے ساتھ متوازی چلتے رہے اور ان کا براہ راست اثر خِزاروں اور یورپ کے نقشے پر پڑا۔

مگیار خِزاروں کے اتحادی رہے تھے اور بظاہر خِزارہ سلطنت کے برضا تابع تھے۔ "ان کی اصلیت اور ابتدائی گھومنے پھرنے کے مسئلہ نے علماء کو طویل عرصے سے زچ کر رکھا ہے۔"، میکارٹنی نے لکھا؛ 17 دوسری جگہ پر وہ اسے "تاریخی پہیلیوں میں اسے تاریک ترین" کہتا ہے۔ ان کی اصل کے متعلق ہم یقینا" جانتے ہیں کہ مگیاروں کا کن لوگوں سے تعلق ہے اور یہ کہ ان کی زبان نام نہاد Finno-Ugrian زبان کے خاندان اور شمالی یورال کے جنگلاتی علاقوں میں رہنے والے ووگل اور اوستیاک لوگوں سے تعلق رکھتی ہے۔ اس طرح ان کی اصل کا بیابانی

سلاووں اور ترک قوموں سے کوئی تعلق نہیں تھا جن کے درمیان وہ رہنے کیلئے آئے تھے۔ایک نسلی تجسس، جو وہ آج بھی ہیں۔ جدید ہنگری دیگر چھوٹی اقوام کے برعکس اپنے پڑوسیوں کے ساتھ کوئی لسانی تعلقات نہیں رکھتا ہے۔مگیار یورپ میں ایک نسلی محصور علاقہ میں رہے ہیں، دور دراز کے فِن ان کے اکلوتے چچیرے ہیں۔ عیسائی دور کی ابتدائی صدیوں کے دوران کسی نامعلوم تاریخ میں یہ خانہ بدوش قبیلہ تھا۔یورال میں اپنی سابقہ رہائش گاہ سے باہر نکلا اور بیابانوں سے ہوتا ہوُا جنوب کی طرف ہولیا، آخر کار ڈان اور کوبان دریاؤں کے درمیانی علاقے میں آباد ہوگیا۔ وہ اس طرح خزار کے پڑوسی بن گئے، یہاں تک کہ مؤخرالذکر کے عروج سے پہلے تھوڑی دیر کیلئے نیم خانہ بدوش لوگوں کی فیڈریشن اونو گرز ("دس تیر" یا دس قبائل) کا حصہ تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ نام "ہنگیرین" اس لفظ کا سلووانی ترجمہ ہے؛19 جبکہ "مگیار" وہ نام جس سے وہ خود کو ازل سے پکارتے آئے ہیں۔

تقریبا'' ساتویں صدی کے وسط سے لے کر نویں صدی کے آخر تک وہ جیسے پہلے ہی کہا جا چکا ہے، خزار سلطنت کی رعایا تھے۔ یہ ایک قابل ذکر حقیقت ہے کہ اس تمام مدت میں جب دوسرے قبائل کرسی بدلنے کے قاتلانہ کھیل میں مصروف تھے، ہمارے پاس خزاروں اور مگیاروں کے درمیان ایک بھی مسلح تصادم کا ریکارڈ نہیں ہے جبکہ دونوں میں سے ہر ایک اپنے قریبی یا دور کے پڑوسیوں وولگابلگار، ڈینیوب بلگار، غز، پیچنیگس وغیرہ کے ساتھ عربوں اور روس کے علاوہ جنگوں میں کبھی نہ کبھی ملوث تھے: روسی کرانیکل اور عرب ذرائع کو بیان کرتے ہوئے، ٹوئن بی لکھتا ہے، اس تمام دور میں مگیاروں نے خزاروں کی طرف سے سلاو اور فِن لوگوں سے بلیک ارتھ زون مگیاروں کے اپنے بیابانی علاقے کے شمال میں اور اس کے شمالی جنگل کے علاقے سے "خراج لیا"۔ اس تاریخ سے شمالی روس کے اس خطے میں متعدد جگہوں کے ناموں میں مگیار نام کا استعمال اس کی بقا کا ثبوت ہے۔ ان جگہوں کے نام غالباً سابق مگیار چھاؤنیوں اور چوکیوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔"20 اس طرح مگیار نے اپنے سلاوونی پڑوسیوں پر غلبہ حاصل کیا اور ٹوئن بی نے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا، "خزارے مگیاروں کو دلال کے طور پر استعمال کر رہے تھے حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مگیاروں نے ایجنسی کو اپنے لیے منافع بخش بنانے کی خاطر بھی ایسا کیا تھا۔21 روس کی آمد نے اس منافع بخش حالت کو یک سر بدل دیا۔ تقریباً اسی وقت جب سارکل تعمیر کیا گیا تھا، ڈان کے اس پار مغربی کنارے کی طرف مگیار کی واضح نقل و حرکت جاری تھی۔ تقریباً 830ء کے بعد ڈان اور نیپر کے درمیان قوم کا بڑا حصہ اس

خطے میں دوبارہ آباد ہو گیا جو بعد میں لیبیڈیا کے نام سے موسوم ہوُا۔اس اقدام کی وجہ پر مورخین کے درمیان بہت بحث کی گئی ہے؛ ٹائن بی کی وضاحت دونوں یعنی تازہ تریں اور بظاہر معقول لگتی ہے:

ہم شاید یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ مگیاروں نے خِزار سرداروں کی اجازت سے بیابانی علاقے سے ڈان کے مغرب تک قبضہ کیا۔ بیابانی علاقے کے مالک خِزارے تھے،اور مگیار خِزاروں کے ماتحت اتحادی تھے، ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ مگیاروں نے خِزاروں کی مرضی کے خلاف خِزاری علاقے میں خود کو قائم نہیں کیا۔۔۔در حقیقت ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ خِزاروں نے مگیاروں کو ڈان کے مغرب میں محض مستقل جا گزیں ہونے کی اجازت نہیں دی تھی بلکہ اصل میں خزاروں نے اپنے مقاصد کی تکمیل کیلیئے انہیں وہاں نصب کیا۔ حکمت عملی کی بناپر رعایا کی دوبارہ آبادکاری ایک ایسا آلہ ءکار تھا جس پر پچھلے خانہ بدوش سلطنت کے معماروں نے عمل کیا تھا۔۔۔اس نئی جگہ سے مگیار خِزاروں کیلیئے روس کی جنوب مشرق اور جنوب مغرب کی طرف سے پیش قدمی کو روکنے میں مدد کر سکتے تھے۔ڈان کے مغرب میں مگیاروں کا نصب کرنے کے ساتھ قلعہ سارکل کا ڈان کے مشرقی کنارے پر تعمیر کرنا دفاع کا ایک حصہ رہا ہو گا۔22

باب 7

یہ انتظام تقریباً نصف صدی تک کافی کامیاب رہا۔اس دور میں مگیاروں اور خزاروں کے درمیان تعلق اور بھی گہرا ہو گیا جس کا اختتام دو واقعات پر ہوُا جس نے ہنگری قوم پر دیرپا نشانات چھوڑے۔ سب سے پہلے خِزاروں نے انہیں ایک بادشاہ دیا جس نے پہلے مگیار خاندان کی بنیاد رکھی۔ دوئم، بہت سے خِزاری قبائل مگیاروں کے ساتھ شامل ہوئے جس نے ان کے نسلی کردار پر گہرا اثر ڈالا۔ پہلا واقعہ قسطنطین نے ڈی ایڈ منسٹرینڈو (تقریباً 950)ء میں بیان کیا ہے اور اس کی تصدیق اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ اس نے جن ناموں کا ذکر کیا ہے وہ پہلے ہنگیرین کرانیکل میں آزادانہ طور پر ظاہر ہوتے ہیں (گیارہویں صدی)۔ کانسٹنٹائن ہمیں بتاتا ہے کہ خِزاروں کی مداخلت سے پہلے مگیار قبائل کے اندرونی معاملات کیلیئے ان کا کوئی بڑا بادشاہ نہیں تھا، صرف قبائلی سردار تھے۔ان میں سب سے نمایاں کو لیبیڈ یاس کہا جاتا تھا (بعد میں اس کے نام پر لیبیڈیا اختیار کیا گیا)۔

مگیار سات لشکروں پر مشتمل تھے لیکن اس وقت ان کا کوئی حاکم نہیں تھا دیسی ہو یا غیر ملکی، لیکن ان میں سے بعض سردار تھے۔ بڑا سردار مذکورہ بالا لیبیڈ یاس تھا۔ .. کیگن، خزاریا کا حکمران، ان کی [مگیاروں] کی بہادری اور فوجی امداد کی وجہ سے ان کے پہلے سردار جس کا نام لیبیڈ یاس تھا، کو ایک شریف النفس خزاری عورت بیوی کے طور پر دی تاکہ وہ اس سے بچے پیدا کرے۔ لیکن لیبیڈ یاس کا کسی وجہ سے اس خزاری عورت سے خاندانی سلسلہ نہ چل سکا۔ ایک اور خاندانی اتحاد جس کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ لیکن کیگن لیبیڈ یاس اور اس کے قبائل کے ساتھ تعلقات کو خزاری سلطنت سے منسلک کر کے مضبوط کرنے کیلیئے پر عزم تھا:

تھوڑے عرصہ کے بعد خزاریا کے حکمران کیگن نے مگیار سے اس کے پاس اپنا پہلا سردار بھیجنے کا کہا۔ لیبیڈ یاس کو خزاریا کے کیگن نے کیوں بلایا۔ کیگن نے اس سے کہا: ہم نے آپ کو اس وجہ سے بلایا ہے چونکہ آپ خاندانی، عقل مند، بہادر اور مگیاروں میں مقدم ہیں، ہم آپ کو آپ کی نسل کا حاکم بننے کیلیئے ترقی دے سکتے ہیں اور یہ کہ آپ ہمارے قوانین اور احکامات کے تابع رہیں.

لیکن ایسا لگتا ہے کہ لیبیڈ یاس ایک خود دار آدمی تھا۔ اس نے شکریہ کے مناسب تاثرات کے ساتھ کٹھ پتلی بادشاہ بننے کی پیشکش قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بجائے تجویز پیش کی کہ یہ اعزاز المس نامی ایک ساتھی سردار یا المس کے بیٹے ارپد کو عطا کیا جائے۔ کیگن، "اس تقریر سے خوش ہوا"، لیبیڈ یاس کو ایک معقول محافظ کے ساتھ اپنے لوگوں کے پاس واپس بھیج دیا۔ انہوں نے ارپد کو اپنا بادشاہ منتخب کیا۔ ارپد کی تنصیب کی تقریب "خزاروں کے رواج اور دستور کے مطابق اسے اپنی ڈھالوں پر اٹھانے سے ہوئی۔ اس سے قبل ارپد مگیاروں کا کبھی کوئی حکمران نہیں تھا۔ اس لیے ہنگری کا حکمران اس وقت سے لے کر اب تک اسی نسل سے لیا جاتا ہے۔ "یہ دن" جب قسطنطین نے لکھا وہ تقریباً 950ء کا تھا، یعنی واقعہ کے ایک صدی بعد۔ ارپد نے دراصل ہنگری کی فتح میں مگیاریوں کی قیادت کی۔ اس کے خاندان نے 1301ء تک حکومت کی۔ اس کا نام ہنگری میں سکول کے لڑکوں میں سب سے پہلے سیکھنے والوں میں سے ہے۔ خزارے بہت سی اور تاریخی کار آمد جگہوں پر مصروف تھے۔

باب 8 ایسا لگتا ہے کہ ہنگری کے قومی کردار پر اس کی دوسری قسط کا مزید گہرا اثر پڑا ہے۔ کسی غیر متعینہ تاریخ پر کانسٹینٹائن ہمیں بتاتا ہے 23 کہ خزار قوم کے ایک حصے نے حکمرانوں کے خلاف بغاوت (ارتداد) نے سر اٹھایا۔ باغی تین قبیلوں سے تھے، "جنہیں کاوار [یا کبار] کہا جاتا تھا۔ حکومت غالب آ گئی۔ کچھ باغیوں کو ذبح کر دیا گیا اور کچھ ملک

سے بھاگ کر مگیاروں کے ہاں آباد ہوئے اور وہ ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔ انہوں نے مگیاروں کو خزاری زبان بھی سکھائی جو وہ آج تک وہی بولی بولتے ہیں لیکن وہ مگیاروں کی دوسری زبان بھی بولتے ہیں۔ جنگوں میں زیادہ کار آمد اور آٹھ قبائل میں سب سے زیادہ قوی اور جنگ میں رہنما ثابت ہوئے [یعنی سات اصل مگیار قبائل کے علاوہ کبار] وہ پہلا لشکر منتخب ہوئے اور ان میں سے ایک سردار ہے جو [اصل میں] تین لشکروں میں سے ہے، کاوارس جو آج بھی موجود ہیں۔ "کونسٹ ینٹٹین اپنے اگلے باب کا آغاز انتہائی توجہ سے "کاوار اور مگیار گروہوں کی فہرست سے کرتا ہے اور سب سے پہلا وہ گروہ ہے جو خزاروں سے علیحدہ ہو گیا، یہ مذکورہ بالا کاواروں کا گروہ ہے۔24 وہ گروہ یا قبیلہ جو حقیقت میں اپنے آپ کو "مگیار" کہتا ہے تیسرے نمبر پر آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے مگیاروں کو استعاراتی اور شاید لفظی طور پر خزاروں سے انتقال خون ملا تھا۔ اس نے انہیں کئی طریقوں سے متاثر کیا۔ سب سے پہلے تو ہم حیرانی سے یہ دیکھتے ہیں کہ ہنگری میں کم از کم دسویں صدی کے وسط تک مگیار اور خزار دونوں زبانیں بولی جاتی تھیں۔ کئی جدید فضلاء نے اس واحد حقیقت پر تبصرہ کیا ہے۔ اس طرح بری نے لکھا:

"اس دوہری زبان کا نتیجہ جدید ہنگری زبان کا مخلوط کردار ہے جس نے مگیاروں کی نسلی وابستگی کیلئے دو متضاد آراء کیلئے مخصوص دلیل فراہم کی"25 ٹائن بی 26 کی رائے ہے کہ اگرچہ ہنگری میں بہت پہلے سے ذولسانیت ختم ہو چکی ہے، وہ اپنی ریاست کے آغاز میں ایسے ہی تھے، جیسا کہ ترکی کی پرانی چواش بولی کے تقریباً دو سو ادھار الفاظ سے گواہی دی جاتی ہے جو خزار بولتے تھے (اوپر دیکھیں، باب اول، 3)۔

روسیوں کی طرح مگیاروں نے بھی خزار کی دوغلی سلطنت کی تبدیل شدہ شکل اختیار کی۔41 اس طرح گردیزیوں: "... کار ہنما 20،000 گھڑ سواروں کے ساتھ نکلتا ہے جسے وہ کنڈا کہتے ہیں۔ [ہنگرین: کینڈے] اور یہ ان کے بہت بڑے بادشاہ کا لقب ہے جو ان پر مؤثر طریقے سے حکمرانی کرتا ہے اس شخص کا لقب جولا ہے اور مگیار وہی کرتے ہیں جو لاجو حکم دیتا ہے۔ یہ ماننے کی وجہ ہے کہ ہنگری کے پہلے جولا کبار تھے۔27 اس بات کی نشان دہی کرنے کیلئے کچھ شواہد بھی موجود ہیں کہ اختلافی کبار قبائل میں سے جس نے دراصل مگیار قبائل کی قیادت سنبھالی، وہاں یہودی یا "یہودی بنائے مذہب" کے پیروکار تھے۔28 یہ بالکل ممکن لگتا ہے— جیسا کہ آرٹامونوف اور بارتھا نے تجویز کیا ہے۔29 کہ کبار ارتداد کسی نہ کسی طرح مذہبی لحاظ سے جڑا ہوا تھا، یا شاہ عباد یاہ کی مذہبی اصلاحات کے خلاف رد عمل تھا۔ ربائی قانون، سخت غذائی قواعد، تلمودی باطل دلیل بازی ان بیابانی جنگجوؤں کے چمکتے سامان حرب کے

خلاف شائد حد پھلانگ گئی ہو۔ اگر انہوں نے "یہودی مذہب" کا دعویٰ کیا تو یہ قدیم رابائی عقیدے کی بنسبت صحرائی عبرانی مذہب کے زیادہ قریب رہا ہو گا۔ وہ شائد اہل تورات کے بنیاد پرست فرقے کے پیروکار بھی رہے ہوں اور اس لیے انہیں بدعتی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ محض قیاس ہے۔

باب 9

خِزاروں اور مگیاریوں کے درمیان گہرا تعاون اس وقت ختم ہو گیا جب 896ء میں مگیاروں نے یوریشین بیابان کو الوداع کہا، کارپیتھین پہاڑی سلسلے کو عبور کر کے اس علاقے کو فتح کیا جسے ان کا مستقل مسکن بننا تھا۔ ہجرت کے حالات ایک بار پھر متنازعہ ہیں لیکن کوئی کم از کم اس کا وسیع خاکہ سمجھا جا سکتا ہے۔ نویں صدی کے اختتامی عشروں کے دوران ایک اور گنوار کھلاڑی اس خانہ بدوش کے کرسی بدلنے کے کھیل میں شامل ہوا: پیچنیگز [یا "پیچیناک" یا ہنگری میں "بیسنِک"۔] اس ترک قبیلے کے متعلق کم و بیش جو ہم جانتے ہیں اس کا خلاصہ کونسٹینٹین کی تفصیل میں ہے۔ یہ وحشیوں کا ایک حریص لالچی گروہ ہے جو معقول پیسوں کی خاطر دوسرے وحشیوں اور روس کے خلاف لڑنے کیلئے خریدا جا سکتا ہے۔ وہ خِزار کے زیر تسلط وولگا اور یورال دریاؤں کے درمیان رہتے تھے۔ ابن رستہ کے مطابق، 30 خِزار ان سے خراج وصول کرنے کیلئے "ہر سال ان پر چھاپہ مارتے تھے"۔ نویں صدی کے آخر میں پیشنگوں پر ایک تباہی (کسی بھی طرح سے غیر معمولی نوعیت کی) نازل ہوئی، انہیں ان کے مشرقی پڑوسیوں نے اپنے ملک سے بے دخل کر دیا تھا۔ یہ پڑوسی کوئی اور نہیں بلکہ غزو (یا اوغز) تھے جنہیں ابن فضلان بہت ناپسند کرتا تھا- ان میں سے ترک لاتعداد قبائل میں سے ایک جو وقتاً فوقتاً الگ ہو جاتا ہے اور بہتا ہوا وسطی ایشیا کی مغربی لنگر گاہ میں جا نکلتا ہے۔ بے خانماں پیشینگوں نے خِزاریا میں آباد ہونے کی کوشش کی لیکن خِزاروں نے انہیں مار بھگایا۔ [یہ اس کی بظاہر معقول تشریح معلوم ہوتی ہے۔ قسطنطین کا بیان کہ "غز اور خِزاروں نے پیچیز کے خلاف جنگ کی"۔ [سی ایف۔ بری، ص۔ 424.] پیچنیگوں نے اپنا مغرب کی طرف سفر جاری رکھا، ڈان کو عبور کیا اور مگیاروں کے علاقہ پر حملہ آور ہوئے۔ بدلے میں مگیار مزید مغرب میں نیپر اور سیر تھ دریاؤں کے درمیان کے علاقہ کی طرف جانے پر مجبور ہوئے۔ انہوں نے اس خطے کو "دریاؤں کے درمیان زمین" کہا، ایسا لگتا ہے کہ وہ وہاں 889ء میں آباد ہوئے تھے۔ لیکن 896ء میں پیشنگوں نے دوبارہ حملہ کیا، ڈینیوبی بلگاروں سے اتحاد کیا، جس کے بعد مگیار موجودہ دور کے ہنگری میں آ بسے۔

یہ کسی نہ کسی شکل میں مشرقی میدانوں سے مگیاروں کے نکلنے اور مگیار۔۔ خِزار تعلق کے اختتام کا بے ربط ساخاکہ ہے۔ تفصیلات پر انگلی اٹھائی گئی ہے۔ کچھ مورخین جوش و خروش سے 31 کہتے ہیں کہ مگیاروں کو پیشنگوں کے ہاتھوں دو نہیں صرف ایک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔Pechenegs ،اور کز لیبیڈیا کا ہی ایک اور نام تھا، لیکن ہم ایسا مغالطہ خصوصی ماہرین کیلئے رکھ چھوڑتے ہیں۔ تصویر کے درمیان وہ واضح تضاد زیادہ دلچسپ ہے یعنی مگیاروں کا بطور طاقت ور جنگجو ہونا اور رہائش گاہوں سے ان کی پے در پے شرم ناک پسپائی۔ اس طرح ہمیں رائمز رائمر آف ہنکمار 32 کے وقائع سے علم ہوتا ہے کہ 862ء میں انہوں نے فاسٹ فرینکش سلطنت پر چھاپہ مارا۔۔ جو اگلی صدی کے دوران یورپ کو دہشت زدہ کرنے والی وحشیانہ دراندازیوں میں سے پہلی ہے۔ ہم نے ایک خوف ناک تصادم کے متعلق بھی سنا ہے جب 860ء میں مگیار کا لشکر خِزاریا کے راستے پر تھا تو۔ سینٹ سیرل، سلاووں کے رسول کے ساتھ تھا۔ وہ نماز پڑھ رہا تھا جب وہ اس پر "بھیڑیئے کی طرح چیختے ہوئے جلدی سے لپکے لیکن اسے گزند نہیں پہچایا۔ 33 فیگر وقائع 34 میں درج ہے کہ مگیار اور کا بار کا 881ء میں فرینکوں کے ساتھ تنازعہ ہوًا؛ کانسٹینٹائن ہمیں بتاتا ہے کہ تقریباً" دس سال بعد، مگیاروں نے "سمعون (ڈینوبی بلگاروں کا حکمران) سے جنگ کرکے انہیں خوب زدو کوب کیا اور پریسلاو تک چڑھائی کی اور اسے موندراگا نامی قلعے میں بند کرکے گھر واپس چلے آئے۔35

اسی دور میں ڈان سے ہنگری تک پسپائی کے سلسلے کو ان تمام بہادرانہ کاموں پر کیسے منطبق کیا جائے جو اسی عرصے میں ہوئی؟ ایسا لگتا ہے کہ جواب میں اشارہ کیا گیا ہے جو کونسٹینٹین کے محولہ پیراگراف میں جو ابھی ابھی دیا گیا ہے"]

.. لیکن سمعون کے بعد بلگار نے دوبارہ یونانی شہنشاہ کے ساتھ صلح کرکے ضمانت حاصل کی، اس نے پٹز نکاس کو بھیجا اور مگیاروں سے جنگ کرکے انہیں نیست و نابود کرنے کیلئے ایک معاہدہ کیا۔ مگیار جب ایک مہم پر گئے تو ان کے خلاف سمعون اور پیپٹز نکاس نے محاذ بنا کر ان کے خاندانوں کو مکمل طور پر تباہ کر دیا اور ان کا بری طرح پیچھا کیا جس کی وجہ سے مگیار اپنی علاقے کی حفاظت کیلئے پلٹے۔ لیکن مگیار واپس آئے تو دیکھا کہ ان کا ملک کس قدر ویران اور برباد ہو چکا ہے؛ نتیجتاً" وہ اس سرزمین کی طرف کوچ کر گئے جہاں وہ آج [یعنی ہنگری] آباد ہیں۔

مگیار فوج کا بڑا حصہ "ایک مہم پر دور" تھا جب ان کی علاقے اور خاندانوں پر حملہ ہوًا؛ اور مندرجہ بالا وقائع کے مطابق وہ "دور" ممالک پر اکثر چھاپے مار رہے تھے اور گھروں کو کم تحفظ پر چھوڑ رکھا تھا۔ یہ خطرناک عادت تب تک

جاری رہی جب تک خِزارے، ان کے سردار، اور امن پسند سلاوونک قبائل قریبی پڑوسی تھے۔ 42 زمین کے بھوکے پیشنیگوں کی آمد پر صورت حال بدل گئی. کنستنتین نے جس آفت کا ذکر کیا ہے وہ شاید اسی قسم کے سلسلہ وار واقعات کا آخری وار تھا۔ اس وجہ سے شائدانہوں نے پہاڑوں سے ماورا ایک نیا اور محفوظ گھر تلاش کرنے کا فیصلہ کیا، ایک ایسا ملک جسے وہ پہلے ہی کم از کم دو مرتبہ تاخت کرنے کی وجہ سے جانتے تھے۔ ایک اور غور طلب بات ہے جو اس مفروضے کے حق میں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مگیاروں نے چھاپہ مارنے کی عادت نویں صدی کے دوسرے نصف میں ہی حاصل کرلی تھی۔ اس وقت جب انہیں خزاروں کی طرف سے خون کی یہ نہائت اہم منتقلی ملی۔ ہو سکتا ہے یہ ایک ملی جلی نعمت ثابت ہوئی۔ کبار، جو "جنگ میں زیادہ کارآمد اور بہت بہادر" تھے، ان اوصاف کی وجہ سے وہ سرکردہ قبیلہ بن گیا اور اپنے میزبانوں میں مہم جوئی کے جذبے کی روح پھونک دی جو جلد ہی انہیں یورپ میں ہنوں جیسا وحشی فاتح بنانے والا تھا۔ مگیاروں کو "وہ بہت ہی عجیب اور خصوصی حربے جو ہر ترک قوم—ہنوں، آواروں، ترکوں، پیچنیگوں، کمانوں—اور دوسروں کے قدیم ترین زمانے سے استعمال میں ہیں؛ سواروں کے رسالے کی نقلی پسپائی میں پرانے آلات کا استعمال کرتے ہوئے یعنی فرار کے دوران تیر برساتے جانا، اچانک مڑ کے خوفناک، بھیڑیے کی طرح چیخنے ہوئے حملہ کرنا۔"36

یہ طریقے نویں اور دسویں صدی کے دوران، جب ہنگری کے چھاپہ ماروں نے جرمنی، بلقان، اٹلی اور یہاں تک کہ فرانس پر حملہ کیا، قاتلانہ طور پر کارآمد ثابت ہوئے—لیکن وہ پیشنگوں کے خلاف خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکے چونکہ انہوں نے بھی نے ویسے ہی ہتھکنڈے استعمال کیے اور بالکل اسی طرح ظالمانہ خوف و ہراس پیدا کرنے کیلئے چیخ سکتے تھے۔ اس طرح بالواسطہ تاریخ کی انحرافانہ منطق سے خِزاروں نے ہنگری کی ریاست کے قیام میں اہم کردار ادا کیا جب کہ خِزار خود دھند میں غائب ہو گئے۔ میکارٹنی اسی سوچ کی پیروی کرتے ہوئے کبار کے منتقلی کردار ادا کرنے پر پر زور فیصلہ کن انداز میں اور بھی بڑھ گیا۔:

مگیار قوم کی بڑی تعداد، حقیقی فینو۔۔ اگرین نسبتاً (اگرچہ بہت زیادہ نہیں) صلح منش اور کاہل زراعت پسندوں نے ڈینیوب کے مغربی۔۔۔ نرم رو ملک میں گھر بنائے۔ کباروں کی خانہ بدوش نسل جس حقیقی ترک، چرواہے، گھڑ سوار اور جنگجو، محرک قوت اور قومی فوج نے الفلڈ کے میدان پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ وہ نسل تھی جو کنسٹینٹین کے زمانے میں اب بھی مگیاروں کے "اولین لشکروں میں سر فہرست ہونے" کے طور پر فخر کا مقام رکھتی ہے۔" مجھے یقین

ہے کہ یہ زیادہ تر کباروں کی نسل تھی جس نے بیابانی سلاووں اور روسیوں پر چھاپہ مارا؛ 895ء میں بلگاروں کے خلاف مہم کی قیادت کی۔ بہت حد تک اور اس کے بعد نصف صدی سے زیادہ عرصے تک نصف یورپ پر دہشت بنے رہے۔37

ہنگیرین پھر بھی اپنی نسلی شناخت برقرار رکھنے میں کامیاب رہے۔"ساٹھ سالہ بے درد اور مضطرب جنگ وجدل کا بوجھ کباروں پر پڑا جن کی صفیں انتہائی حد تک کم ہو چکی ہوں گی۔ اصل مگیاروں نے دریں اثنا مقابلتا'' امن میں رہنے کی بنا پر اپنی تعداد میں اضافہ کیا۔ 38 جرمن اور سلاو پڑوسیوں کے درمیان رہنے کے ذولسانی زمانے میں اپنی اصل فینو۔۔اگریین زبان محفوظ رکھ سکے، ان ڈینیوبی بلگاروں کے برعکس جو اپنی اصلی ترک زبان کھو کر اب سلوونک بولی بولتے ہیں۔ ہنگری میں کبار کا اثر ان کے بعد بھی محسوس ہوتا رہا یہاں تک کہ جب کار پیتھین پہاڑوں کی وجہ سے الگ ہو گئے، خزار-مگیار رابطہ مکمل طور پر منقطع نہ ہوا۔ واسیلیف کے مطابق 39 دسویں صدی میں ہنگری کے ڈیوک ٹاکسونی نے خزاروں کی ایک نامعلوم تعداد کو اپنے علاقوں میں آباد ہونے کی دعوت دی۔ امکان ہے کہ ان تارکین وطن میں خزاری یہودیوں کا خاصا تناسب تھا۔ ہم یہ بھی فرض کر سکتے ہیں کہ دونوں کبار اور بعد میں آنے والے تارکین وطن اپنے ساتھ اپنے چند معروف کاری گروں کو لے کر آئے جنہوں نے ہنگری والوں کو فنون سکھائے (اوپر دیکھیں، باب اول، 13)۔ مگیاروں کو اپنے نئے اور مستقل گھر پر قبضہ کرنے کیلئے اس کے سابق مکینوں، موراویوں اور ڈینیوبی بلگاروں کو بے دخل کرنا تھا جو ان علاقوں میں چلے گئے جہاں وہ آج بھی رہتے ہیں. ان کے دیگر سلوون پڑوسی بھی— سرب اور کروٹس بھی کم و بیش اپنے مقامات پر مقیم رہے۔ اس طرح رد عمل کا وہ سلسلہ جو دور دراز یورالز۔۔۔ غز کا پیچنیگز،— غز، مگیاروں، بلگاروں اور موراویوں کا تعاقب شروع کے نتیجے میں تغیر پزیر عکس بین میں زیادہ یا کم مستحکم بھول بھلیاں جدید وسطی یورپ کا نقشہ بننے لگا تھا۔

باب 10

ہم نے روس کے عروج کی کہانی جہاں چھوڑی تھی، وہیں سے شروع کر سکتے ہیں۔— 862ء کے آس پاس رورک کے آدمیوں کے ذریعے کیف کا الحاق خون خرابے کے بغیر ہوا۔ یہ بھی ایک تاریخی تخمین ہے جب پیچنیگز نے مگیاروں کو مغرب کی طرف دھکیل دیا تو خزارے مغربی پہلو پر تحفظ سے محروم ہو چکے تھے۔ روس کی کیف پر غالبا'' اس قدر بآسانی کنٹرول کی وضاحت یہی ہو سکتی ہے۔ خزاروں کی فوجی طاقت کے کمزور ہونے کی وجہ سے روس کو حملہ آور

ہونے کیلئے بازنطینیوں کو غیر محفوظ کر دیا۔اس تاریخ کے قریب جب روسی کیف میں آباد ہوئے،ان کے بحری جہازوں نے نیپر سے نیچے جا کر بحیرہ اسود کو عبور کر کے قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔بیری نے اس واقعہ کو بڑے مزے لے کر بیان کیا ہے:

860ء کے جون کے مہینے میں شہنشاہ[مائیکل III]اپنی تمام افواج سمیت مسلمانوں پر چڑھائی کر رہا تھا۔جب اسے یہ حیرت انگیز خبر موصول ہوئی تو وہ شاید بہت دور جا چکا تھا لیکن وہ تمام تر تیزی کے ساتھ قسطنطنیہ واپس آیا۔روسی لشکر دو سو کشتیوں میں بحیرہ اسود پار کر چکا تھا۔43 باسفورس میں داخل ہو کر اس کے کنارے پر واقع خانقاہوں اور نواحی علاقوں میں باقاعدہ غارت گری کی اور شہزادوں کے جزیرے میں لوٹ مار کی۔اچانک خطرے کی ہولناکی اور اپنی نامردی کی وجہ سے شہریوں کی ہمت بالکل پست ہو چکی تھی۔دستے جو عموما" شہر کے پڑوس میں تعینات ہوتے تھے وہ شہنشاہ کے ہمراہ بہت دور تھے۔۔اور بحری بیڑا غائب تھا۔مضافاتی علاقوں کی تباہی اور بربادی کے بعد وحشیوں نے شہر پر حملہ کرنے کی تیاری کی۔اس بحران پر۔۔عالم پیٹریارک،فوٹیس بر موقع اٹھا اور ہم وطنوں کی اخلاقی ہمت کو بحال کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔۔اس نے عام احساس کے اظہار کیلئے مہمل بات کا سہارا لیا کہ شاہی شہر،"تقریباً تمام دنیا کی ملکہ "کا ایک گھٹیا اور وحشی غلاموں کا ہجوم اس کا مذاق اڑائے۔[بمطابق اصل]۔لوگ شاید اس سے زیادہ متاثر ہوئے اور تسلی ملی جب اس نے کلیسائی جادو کا سہارا لیا جو گزشتہ محاصروں میں مجرب طریقے کے طور پر استعمال کیا گیا تھا. شہر میں کنواری ماں کے قیمتی لباس کو جلوس نے چار دیواری کے گرد پھرایا جس کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ہوا کا طوفان برپا کرنے کیلئے اسے سمندر کے پانیوں میں ڈبویا گیا تھا. کوئی طوفان برپا نہیں ہوا لیکن اس کے فوراً بعد روسیوں کی پسپائی شروع ہوئی شاید خوش ہونے والے شہریوں میں بہت سے ایسے تھے جنہوں نے نجات کو آسمان کی ملکہ کی براہ راست مداخلت پر محمول کیا ہو۔40

ہم دلچسپی کی خاطر یہ اضافہ کر سکتے ہیں کہ "عالم پادری"،فوٹیئس،جس کی فصاحت نے شاہی شہر بچایا،وہ کوئی اور نہیں بلکہ "خِزاری شخص" تھا جس نے سینٹ سائرل کو مذہب تبدیل کرنے کی تبلیغ کیلئے بھیجا تھا۔جہاں تک روس کی پسپائی کا تعلق ہے یہ یونانی فوج اور بیڑے کی عجلت میں واپسی کی وجہ سے ہوا؛ لیکن "خِزاری شخص" نے انتظار کی اذیت ناک مدت کے دوران عوامی انضباط و اعتماد بچائے رکھا۔اس واقعہ پر ٹوئن بی کے بھی دلچسپ تبصرے ہیں۔وہ لکھتا ہے کہ 860ء میں روسی "شاید قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کے بہت قریب پہنچ چکے تھے"41 وہ بہت سے روسی مورخین

کے اس نظرئے میں شریک ہے کہ بحیرہ اسود کے اس پار مشرقی نار تھ مین کے نیپر بحری بیڑے کے حملے کو مغربی وائکنگ بحری بیڑے کے بیک وقت حملے سے ہم آہنگ کیا گیا تھا جو بحیرہ روم اور ڈارڈینیلس پار قسطنطنیہ پہنچ رہا تھا:

واسیلیو، پاسکیوِچ اور ورناڈسکی اس بات پر یقین کرنے کی طرف مائل ہیں کہ بحری مہمات جو اس طرح بحیرہ مرمرہ پر اکٹھا ہوئیں وہ نہ صرف بیک وقت بلکہ طے شدہ بھی تھیں۔ وہ اندازا'' کہتے بھی ہیں کہ ان کے قیاس میں جس نے اتنے بڑے پیمانے پر اتنی عمدگی سے حربی منصوبہ بندی کی وہ نووگورُوڈ کا رُورِک وہی شخص جَٹ لینڈ کا رورِک تھا۔42

اس سے دشمن کی متاثر کن قامت کا اندازہ ہوتا ہے کہ خزاروں کو کن سے مقابلہ کرنا پڑا۔ نہ تو باز نطینی سفارت کاری نے صحیح اندازہ لگانے میں دیر لگائی— جس میں دوہرا کھیل کھیلنے کا تقاضا تھا چونکہ جنگ کے درمیان حالات بدل رہے تھے جن سے گریز ناممکن تھا اور پاکیزہ امید سے ڈھارس بندھتی تھی کہ روسیوں کو بالآخر عیسائی بنا کر مشرقی اسقف اعظم کے ریوڑ میں شامل کر لیں گے۔ جہاں تک خزاروں کا تعلق ہے تو وہ فی الحال ایک اہم اثاثہ تھے اور اولین مناسب مہذب یا غیر مہذب موقع ملنے پر فروخت کر دئے جائیں گے۔

باب 11

اگلے دو سو سال میں باز نطینی۔۔۔روسی تعلقات مسلح تصادم اور دوستی کے معاہدوں کے درمیان بدلتے رہے۔

860 میں (محاصرہ قسطنطنیہ) 71- 969 ,907,941,944 میں جنگیں؛

838-9،861,911,945,957,970ء میں صلح نامے لکھے گئے۔ قسطنطنیہ کے ان کم و بیش خفیہ معاہدوں کے مشمولات کے متعلق ہم بہت کم جانتے ہیں، لیکن جو ہم جانتے ہیں وہ کھیل کی پراگندہ کن پیچیدگی کو ظاہر کرتا ہے۔ قسطنطنیہ کے محاصرے کے چند سال بعد اسقف فوٹی اس (ابھی وہی ہے) کی رپورٹ ہے کہ روس نے قسطنطنیہ سفیر بھیجے اور— باز نطینی کلیئے کے مطابق دباؤ کے ذریعے مذہب تبدیل کرنے کیلئے— "شہنشاہ سے عیسائی بپتسمہ کیلئے درخواست کی"۔ جیسا کہ بری نے تبصرہ کیا:

"ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس سفارت نے کتنی روسی بستیوں کی نمائندگی کی، لیکن مقصد یہ ہو گا کہ اس میں حالیہ چھاپہ میں شاید قیدیوں کی رہائی کیلئے مداوا پیش کیا جائے۔ یہ بات یقینی ہے۔ کہ چند روسی عیسائیت اختیار کرنے پر متفق ہوئے۔.. لیکن بہت زرخیز زمین پر بیج نہ گرا۔ سو سال سے اوپر تک ہم روسیوں کا عیسائیت کے متعلق مزید کچھ نہیں

سنتے۔ تاہم یہ معاہدہ جو 860 اور 866ء کے درمیان طے پایا تھا شاید دوسرے نتائج کا باعث بنا۔"43 ان نتائج میں سکینڈے نیویا کے ملاحوں کو بازنطینی بیڑے میں بھرتی کرنا تھا جو بحری بیڑے میں —902ء تک سات سو تھے۔ ایک اور نتیجہ مشہور "وارانجیئن گارڈ" تھا، روسیوں اور دیگر نارڈک شمالی کرائے کے فوجی جن میں انگریز بھی شامل تھے۔ 945ء اور 971ء کے معاہدوں میں کیف بلدیہ کے روسی حکمران نے بازنطینی شہنشاہ کی درخواست پر فوجی دستے فراہم کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ 44 کونسٹ ینٹین پوٹفیر وجینیٹس کے دور یعنی دسویں صدی کے وسط میں باسفورس پر روسی بحری بیڑے نظر آنا ایک عام سی بات تھی۔ وہ اب قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنے کے بجائے اپنا سامان بیچنے کی فکر میں تھے۔ تجارت اچھی طرح سے منظم کی گئی (سوائے اس کے کہ جب مسلح جھڑپوں کی وجہ سے مداخلت ہوئی)

44 روسی وقائع بمطابق 907ء اور 911ء کے معاہدوں میں اس بات پر اتفاق کیا گیا تھا کہ روسی زائرین قسطنطنیہ میں شہر کے صرف ایک دروازے سے داخل ہوں گے اور حکام کی زیر نگرانی بیک وقت پچاس سے زیادہ نہیں؛ انہیں شہر میں قیام کے دوران ماہانہ فروخت میں روٹی، شراب، گوشت، مچھلی، پھل اور نہانے کی سہولیات (حسب ضرورت) چھ ماہ تک دیگر اشیائے خوردنی کے علاوہ حسب ضرورت غلہ ملنا تھا۔) تمام لین دین کو بہتر اور باقائدہ طور پر یقینی بنانے کیلئے کرنسی میں غیر قانونی طور پر لین دین کی سزا ایک ہاتھ کاٹنا رکھی گئی. مذہب تبدیل کرنے کی کوششوں کو نظرانداز نہیں کیا گیا کیونکہ بڑھتے ہوئے طاقت ور روسیوں کے ساتھ پر امن بقائے باہمی کے حصول کا حتمی ذریعہ یہی تھا۔ لیکن یہ مشکل راہ تھی۔ روسی وقائع کے مطابق، جب کیف کے ریجنٹ اولیگ نے بازنطینیوں کے ساتھ 911ء کا معاہدہ کیا تو "شہنشاہ لیو اور الیگزینڈر [مشترکہ حکمران] نے خراج پر اتفاق کرنے اور باہمی طور پر حلف اٹھانے کے بعد صلیب کو چوما اور اولیگ اور اس کے آدمیوں کو اسی طرح حلف اٹھانے کی دعوت دی۔ روسی مذہب کے مطابق، بعد میں اپنے ہتھیاروں، دیوتا پیرون کے ساتھ ساتھ مویشیوں کے دیوتا وولوس پر حلف اٹھایا اور اس طرح اس معاہدے کی تصدیق ہوگئی۔ 45 تقریباً نصف صدی اور کئی لڑائیوں اور معاہدوں کے بعد مقدس کلیسا کی فتح نظر آنا شروع ہوئی: 957ء میں کیف کی شہزادی اولگا (شہزادہ ایگور کی بیوہ) نے قسطنطنیہ کے سرکاری دورے کے موقع پر بپتسمہ لیا تھا (اگر اس نے روانگی سے پہلے ہی ایک بار بپتسمہ نہیں لیا تھا —جو متنازعہ ہے)۔

اولگا کے اعزاز میں مختلف ضیافتوں اور تہواروں کا تفصیلی تذکرہ ڈی ڈیکاریمونس میں کیا گیا ہے۔ ہمیں اگرچہ یہ نہیں بتایا گیا کہ خاتون نے شاہی تخت کے کمرے میں مکینیکل کھلونوں کے ڈزنی لینڈ پر کیا ردعمل ظاہر کیا —مثال کے

طور پر بھرے شیروں پر جو مکانکی طریقے سے خوفناک طور پر دھاڑتے تھے۔(ایک اور معزز مہمان، بشپ لیوٹپرینڈ نے ریکارڈ کیا کہ وہ پر سکون رہا چونکہ اسے زائرین کیلئے حیران کن چیزوں کے متعلق پہلے سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔)

یہ موقع صاحب تشریفات (جو خود کانسٹینٹائن تھا) کیلئے درد سر بنا ہوگا کیونکہ اولگا نہ صرف ایک خود مختار خاتون تھی بلکہ اس کی نوکر چاکر بھی زنانہ تھیں؛ سفارت کار اور مشیر مرد تھے جو سبھی ملا کر بیاسی تھے؛[اولگا کے نور شتہ دار، بیس سفارت کار، تینتالیس تجارتی مشیر، ایک پادری، دو ترجمان، سفارت کاروں کے چھ خادم اور اولگا کا خصوصی مترجم۔] نہائت انکساری سے روسی وفد کے پیچھے چل رہے تھے۔ 46

ضیافت سے ذرا پہلے ایک چھوٹا سا واقعہ پیش آیا جو روسی۔۔۔ بازنطینی تعلقات میں نزاکت کی علامت ہے۔ بازنطینی دربار کی خواتین جب داخل ہوئیں تو وہ آداب کے مطابق شاہی خاندان کے آگے مونہہ کے بل گر پڑیں۔ اولگا کھڑی رہی "لیکن خیر گذری کہ اس نے اپنا سر تھوڑا سا جھکایا۔ اسے مسلمان ریاستی مہمان کی طرح ایک علیحدہ میز پر بٹھا دیا گیا۔ 47 روسی وقائع کے پاس اس ریاستی دورے کی ایک مختلف لیکن نہائت مزین عبارت بھی ہے۔

بپتسمہ کے نازک موضوع پر جب بات ہوئی تو اولگا نے کانسٹینٹائن کو بتایا "کہ اگر وہ اسے بپتسمہ دینا چاہے تو اسے یہ کام خود کرنا چاہیے؛ ورنہ وہ بپتسمہ قبول کرنے کیلئے رضامند نہیں ہوگی۔" شہنشاہ نے رضامندی ظاہر کی اور اسقف سے کہا کہ وہ اسے ایمان کی ہدایت کرے۔ اسقف نے اسے نماز، روزے، خیرات، عبادات اور عفیف رہنے کی ہدایات دیں۔

اس نے اپنا سر جھکا لیا، اور اس نے پانی جذب کرنے والے اسفنج کی طرح اشتیاق سے اس کی تعلیمات اخذ کیں۔۔۔ بپتسمہ کے بعد شہنشاہ نے اولگا کو بلا کر خواہش ظاہر کی کہ وہ اس کی بیوی بن جائے۔ اس نے جواب دیا، "مجھے بپتسمہ دینے اور اپنی بیٹی کہنے کے بعد تم مجھ سے شادی کیسے کر سکتے ہو؟ آپ کو خود معلوم ہونا چاہیے کہ عیسائیوں میں یہ غیر قانونی ہے۔" تب شہنشاہ نے کہا، "اولگا، تم مجھ سے زیادہ سمجھدار ثابت ہوئی۔" 48 جب وہ کیف واپس پہنچی تو کنسٹ ینٹین نے "اسے پیغام بھیجا کہ میں نے آپ کو بہت سے تحائف سے نوازا، آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ روس واپس پہنچ کر مجھے غلاموں، موم، کھال کے بہت سے تحائف اور میری مدد کیلئے سپاہی بھیجو گی۔۔' اولگا نے سفیروں کو جواب دینے کیلئے کہا کہ شہنشاہ پوچائنہ میں اس کے ساتھ اتنا وقت گزار سکتی ہے جتنی مدت وہ باسفورس پر، تو وہ اس کی درخواست منظور کر لے گی۔ ان الفاظ کے ساتھ اس نے سفیروں کو فارغ کر دیا۔" 49 یہ اولگا۔ہیلگا ایک مرعوب کن

سکنڈے نیوین دیو پیکر جنگجو عورت رہی ہے۔ وہ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا شہزادہ ایگور کی بیوہ تھی، غالبا'' رورک کا بیٹا جو روسی وقائع میں ایک لالچی، احمق اور جنسی کج رو حکمران کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ 941ء میں اس نے باز نطیم پر ایک بڑے بحری بیڑے کے ساتھ حملہ کیا تھا اور "قیدیوں میں سے چند ایک کو قتل کیا، دوسروں پر انہوں نے چاند ماری کی، اوروں کے پسِ پشت ہاتھ باندھنے کے بعد ان کے سروں میں لوہے کی کیلیں گاڑیں۔ بہت سے مقدس گرجا گھر شعلوں کی نظر کر ڈالے۔ "50 آخر کار باز نطینی بحری بیڑے نے جہازوں کے سروں پر نصب آہنی نلکیوں کے بذریعہ یونانی آگ برسا کر انہیں شکست دی۔ "روسی شعلے دیکھ کر سمندر میں کود گئے، جو بچ نکلے انہوں نے گھر لوٹ کر ذکر کیا کہ یونانیوں کے قبضے میں آسمانی بجلی تھی جسے پھینک کر انہوں نے ہمیں آگ لگا دی۔ اس وجہ سے روس انہیں فتح نہ کر سکا۔'' [ٹوئن بی یونانیوں کے اس مشہور خفیہ ہتھیار کو "نیپام" کہنے سے نہیں ہچکچاتا۔'' یہ نامعلوم ترکیب کی کوئی کیمیائی چیز تھی، شاید ایک کشید پیٹرولیم کا حصہ جو پانی پر گرنے سے بے ساختہ بھڑک اٹھتا تھا اور پانی کے ذریعے اسے بجھایا نہ جا سکتا تھا۔] اس واقعہ کے چار سال بعد دوستی کا ایک اور معاہدہ ہوًا۔ بحیثیت سمندری قوم روس بنیادی طور پر باز نطیم پر دیگر حملہ آوروں کے مقابتا'' زیادہ متاثر ہوئے اور "آسمان سے بجلی" یونانی چرچ کے حق میں ایک مضبوط دلیل تھی۔ وہ اس کیلئے تب بھی تبدیلی کیلئے تیار نہیں تھے۔ 45 جب ایگور 945 میں ڈیرِولینز کے ہاتھوں مارا گیا؛ ایک سلاوی قوم جس پر اس نے بھاری خراج عائد کیا تھا، بیوہ اولگا کیف قائم مقام رانی بن گئی۔ اس نے اپنا راج شروع کیا۔ ڈیریولینوں سے چار گنا بدلہ لیا: پہلے، ڈیریولین کے امن مشن کو زندہ دفن کر دیا؛ معززین کے ایک وفد کو غسل خانے میں بند کر کے زندہ جلا دیا گیا؛ اس کے بعد ایک اور قتل عام ہوًا اور آخر کار ڈیریولین کا مرکزی قصبہ جلا کر راکھ کر دیا۔ اولگا کی خونی پیاس اس کے بپتسمہ تک واقعی شکم سیری ناممکن لگ رہی تھی۔ اس دن کے بعد سے، وقائع سے پتہ چلتا ہے کہ وہ "عیسائی روس کا پیش خیمہ بن گئی، جیسے سورج نکلنے سے قبل شفق پھولتی ہے، اور جیسے دن سے پہلے پو پھٹتی ہے۔ کیونکہ وہ رات میں چاند اور کافروں میں کیچڑ میں موتی کی طرح چمکتی تھی۔ وقت گذرنے کے ساتھ اسے تقلیدی چرچ کی پہلی روسی پادری رکن مانا گیا تھا۔

باب 12

اس کے باوجود اولگا کے بپتسمہ اور اس کے قسطنطنیہ کیلئے نمایاں سرکاری دورے کے باوجود یہ یونانی چرچ اور روسیوں کے درمیان طوفانی مکالمے کا حرف آخر نہیں تھا۔ اولگا کا بیٹا سویاتوسلاو غیر اہل کتاب کی طرف لوٹ گیا، ماں

کی التجاؤں پر بالکل کان نہ دھرا، "بہت بڑی اور بہادر فوج جمع کی اور چیتے کی طرح دبے پاؤں بہت سی مہمات پر گیا" 51ان میں سے ایک خزاروں کے اور دوسری بازنطینیوں کے خلاف جنگ لڑی۔ صرف 988ء میں اس کے بیٹے سینٹ ولادیمیر کے دور حکومت میں روسیوں کے خاندان نے یقیناً ''یونانی تقلیدی چرچ کے عقیدے کو اپنایا—اسی وقت تقریباً'' ہنگری، پولش، سکنڈے نیوین، بشمول دور دراز کے آئس لینڈ کے باشندوں نے روم کے لاطینی چرچ کا عقیدہ اپنایا۔

دنیا کی تقسیم کا دیرپا مذہبی وسیع خاکہ شکل اختیار کرنے کو تھا۔ اس عمل میں یہودی خزارے ایک سہو زمانی بن رہے تھے۔ قسطنطنیہ اور کیف کے درمیان بڑھتے ہوئے میل جول میں مدوجذر کے باوجود اس کی اہمیت بتدریج روبتنزل ہوئی اور خزاروں کی موجودگی روس- بازنطینی تجارتی شاہراہوں میں رکاوٹ ہے، سامان کی بھاری آمدورفت پر 10 فیصد ٹیکس بازنطینی خزانے اور روسی جنگجو سوداگروں کیلئے اشتعال کن بن گیا۔

بازنطینیوں کا چرسن کو روسیوں کے حوالے کرنا سابق اتحادیوں کیلئے بدلتے رویے کی علامت کے مترادف تھا۔ بازنطینی اور خزارے اس اہم کریمین بندرگاہ پر قبضے کیلئے کئی صدیوں سے آپس میں جھگڑے اور کبھی کبھار جھڑپیں بھی ہوئیں؛ لیکن ولادیمیر نے جب 987ء میں چیرسن پر قبضہ کیا تو بازنطینیوں نے احتجاج تک نہیں کیا۔ کیونکہ جیسا بیری نے کہا، "روسیوں کے ساتھ دائمی امن اور دوستی کیلئے یہ قربانی گراں بہا نہیں تھی جو اس وقت ایک عظیم طاقت بن رہی تھی۔ "52چرسن کی قربانی, ہو سکتا ہے جائز ہو لیکن خزاری اتحاد کی قربانی آخرکار ایک ناعاقبت اندیش حکمت عملی ثابت ہوئی۔

حوالہ جات

1این سی میں اپنے مضمون "خزار" میں۔ برٹ 1973 ایڈیشن۔2.Op. cit،177 .p.

3 بار ہیبریئس اور المنبیجی، ڈنلوپ کے حوالے سے، صفحہ۔ 181.

Bury (p. 408)اورDunlop (p. 42n)،)416،Marquart (pp. 54

5 برتھا، ص۔ 27ایف6.Op. cit،547 .p7.Op. cit،446n .p،8ٹوئن بی، ص۔ 446؛ دفن، ص۔ 422

9 گردیزی (تقریباً1050)، ابن رستہ (تقریباً905) کی ابتدائی رپورٹ میں تشریح
از میکارتنی، سی اے (1930)، صفحہ۔20۔

.p. 58،1961،The Penquin Atlas of Medieval History10

11 ٹوئن بی، ص۔12.446 ذکی ولیدی، ص،85ف۔13 ابن رستہ، ماکارٹنی کا حوالہ، ص،214۔

14 مقام15cit ابن رستہ، ماکارٹنی کا حوالہ، ص،215۔16.Ibid،pp 214-15

p. 176،Macartney;419 .p،Op. cit.17 میں.18.Ibid،p. v.19 ٹوئن بی، ص۔419

20 ٹوئن بی، ص۔21.418.Ibid،p. 454.22 لوک23cit ڈی ایڈ منسٹر یںڈو،40-39 .ch۔

24 ٹوئن بی، ص،426۔25.Op. cit،p. 4.26.Op. cit،p. 427.27Macartney، .pp
28127ff بیرن، والیوم۔III، صفحہ 211ف، 332۔29 برتھا، صفحہ 99،113۔

30 ڈنلوپ (1954)، صفحہ۔31.105Cf،Bury،p. 424.32 میکارتنی، گیلی مین۔

33 میکارتنی کے ذریعہ نقل کیا گیا ہے۔ ص34.71Loc cit35 دی اینالز آف ایڈ مونٹ، جس کا حوالہ
Macartney،p. 76.36 ڈی ایڈ منسٹر یںڈو،40 .37ch میکارتنی، صفحہ۔123.

38.Ibid،p. 122.39.Ibid،p. 123.40 ڈنلوپ (1954) کے حوالے سے، صفحہ۔262.

41 دفن، ص،419ف۔42.Op. Cit،p. 448.43.Ibid،p. 447.44.Op. Cit،p. 422.
45.Toynbee،p. 448.46 رشین کرانیکل، صفحہ۔47.65 ٹوئن بی، ص۔48.504 لوک49cit رشین
کرانیکل، صفحہ۔50.82.Ibid،p. 83.51Ibid،p. 72.52Ibid،p. 84.

53 دفن، ص۔418.

زوال

باب 1

نویں اور دسویں صدی میں روسی بازنطینی تعلقات پر گفتگو کرتے ہوئے میں دو مفصل ذرائع، کونسٹینٹین کے ""ڈی ایڈ منسٹر انڈو""اور ""پرائمری رشین کرانیکل""، سے طویل حوالے دے سکا ہوں؛ لیکن اسی عرصے کے دوران روسی- خزار تصادم جواب زیر موضوع ہے—ہمارے پاس موازنہ کیلئے مواد کا ماخذ نہیں ہے۔ محفوظ شدہ دستاویزات جو کبھی موجود تھیں زمانہ کی دست برد کی نظر ہو گئیں اور پچھلی صد سالہ تاریخ کیلئے خزاری سلطنت کے متعلق ہمیں ایک بار پھر مختلف عرب مورخوں اور جغرافیہ دانوں کے بے ربط اور برسبیل تذکرہ اشاروں کی طرف لوٹنا ہو گا.

زیر بحث دور تقریباً 862ء—کیف پر روسی قبضے سے تقریباً 965ء تک ہے—سوائے ٹوسلاو کے ہاتھوں تباہی۔ کیف کے کھو جانے اور مگیاروں کی ہنگری کی طرف پسپائی کے بعد خزاری سلطنت کے سابقہ مغربی ماتحت صوبہ جات (کریمیا کے چند حصوں کے سوا) اب کیگن کے کنٹرول میں نہیں رہے۔اور کیف کا شہزادہ بلا جھجک نیپر وادی میں سلاوونک قبائل کو پکار کر خطاب کر سکتا تھا، "خزاروں کو کچھ نہ دو۔!"1

ہو سکتا ہے کہ خزارے مغرب میں اپنی بالادستی کے نقصان پر راضی ہو جاتے، لیکن اسی وقت روس کے مشرق کی طرف وولگا کے نیچے اور کیپسین کے گرد علاقوں کی طرف بڑھتے ہوئے تجاوزات بھی تھے۔ مسلم ممالک "بحیرہ خزار" کے جنوبی نصف حصہ پر آذربائیجان، جیلان، شیروان، طبرستان، جرجان کی سرحد سے ملحق ہیں جو لوٹ مار اور مسلم خلافت کے ساتھ تجارتی مقامات کے طور پر——وائکنگ بحری بیڑوں کیلئے پر کشش اہداف تھے۔ وولگا ڈیلٹا سے گزر کر کیپسین پہنچنے کے راستے خزاروں کے زیر اقتدار تھے۔ جب کیف پر قابض تھے جیسے بحیرہ اسود تک رسائی تھی اور "کنٹرول "کا مطلب تھا کہ روس کو ہر بحری بیڑہ گزارنے کیلئے اجازت اور 10 فی صد کسٹم کی ادائیگی کرنا پڑتی تھی—یہ فخر اور کسٹم کی ادائیگی دوہری توہین ہے۔

کچھ عرصے تک ایک غیر یقینی صلح نامہ تھا۔ روسی بحری بیڑے واجب الادا ادا کرتے اور بحیرہ خزار کے آس پاس کے لوگوں کے ساتھ تجارت کرتے تھے۔ لیکن تجارت، جیسا کہ ہم نے دیکھا، اکثر لوٹ مار کا مترادف بن گئی۔842

ءاور 864ءکے درمیان ایک روسی مہم میں تبرستان کی بندرگاہ اباسکون پر حملہ کیا۔ وہ شکست کھا گئے، لیکن وہ 910ء میں واپس آئے، شہر اور دیہی علاقوں کو لوٹا اور کئی مسلمانوں کو قید کیا جنہیں غلام بنا کر فروخت کرنے کیلئے لے گئے۔

خِزاروں کو خلافت کے ساتھ دوستانہ تعلقات اور ان کی حاضر فوج میں مسلمان کرائے کے فوجیوں کی ایک مضبوط رجمنٹ کی وجہ سے بھی سخت شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔ تین سال بعد 913ء میں معاملات سے نپٹنے کیلئے مسلح تصادم کا اختتام خون کی ہولی پر ہوُا۔

یہ اس اہم واقعہ کا— پہلے ہی مختصراً (باب سوم، 3)، لیکن مسعودی نے تفصیلا" بیان کیا ہے، جبکہ روسی کرانیکل نے چپ سادھ رکھی ہے۔ مسعودی ہمیں بتاتا ہے کہ "300ہجری [13-912]ء کے بعد کسی وقت روس کا ۵۰۰ جہازوں کا بحری بیڑہ جس کے ہر جہاز میں 100 افراد" تھے خِزارہ علاقے کی طرف آ رہے تھے۔

جب روس کے بحری جہاز آبنائے پر تعینات خِزاروں کے پاس پہنچے تو انہوں نے خِزارہ بادشاہ سے گزارش کی کہ انہیں اس کے ملک سے گزر کر دریا میں اترنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ بحیرہ خِزار میں داخل ہو سکیں۔... اس شرط پر کہ اسے ساحلی لوگوں سے مال غنیمت کا نصف دیں۔ اس نے انہیں اجازت دی اور وہ.. دریا سے اُتر کر شہر پہنچے اور وہاں سے گزرتے ہوئے دریا کے دہانے پر نکل آئے جہاں یہ بحیرہ خِزار سے ملتا ہے۔ دہانے سے شہر تک دریا بہت بڑا اور اس میں پانی بہت زیادہ ہے۔ روس کے بحری جہاز سمندر میں پھیل گئے. ان کی چھاپہ مار پارٹیوں کو جیلان کے خلاف جرجان، تبرستان، اباسکن جرجان کے ساحل پر، آتش گیر مادے کا ملک [باکو] اور آذربائیجان کے خطہ کیلئے ہدایت کی گئی تھی،... روس نے خون بہایا، عورتوں اور بچوں کو تباہ کر دیا، مال غنیمت جمع کیا، چھاپے مارے اور چاروں طرف آگ بھڑکائی... 2a یہاں تک کہ انہوں نے اندرون ملک تین دن کے سفر پر اردبیل شہر پر بھی قبضہ کر لیا— جب لوگوں نے صدمے سے سنبھل کر ہتھیار اٹھا لیے تو روس اپنی مسلم حکمت عملی کے مطابق ساحل سے باکو کے قریب جزائر تک پیچھے ہٹ گیا۔ 48

مقامی باشندوں نے چھوٹی کشتیوں اور تجارتی جہازوں کے استعمال سے انہیں ہٹانے کی کوشش کی۔ لیکن روس نے ان پر حملہ کر کے ہزاروں مسلمان مار ڈالے یا ڈبو دیئے گئے۔ سمندر میں روس کی کاروائی کئی ماہ تک جاری رہی... جب وہ کافی مالِ غنیمت جمع کر چکے اور تھک کر چور ہو چکے تو وہ خِزاری دریا کے دہانے کی طرف چل دیئے، خِزاری بادشاہ کو مطلع کیا، اسے طے شدہ شرائط کے مطابق مال غنیمت پہنچایا.. عرسیہ [خِزاری فوج میں مسلم کرائے کے فوجی] اور

خِزار یامیں رہنے والے مسلمانوں کو روس کے حالات کا علم ہوُا تو خِزاری بادشاہ سے کہا: ہمیں ان لوگوں سے نمٹنے کیلئے چھوڑ دو۔ روسیوں نے مسلمانوں کی زمینوں پر چھاپے مارے، ہمارے بھائیوں کا خون بہایا، عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا۔

وہ ان کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے انہیں مسلمانوں کے لڑنے کے عزم سے مطلع کر کے روس کو بلایا۔ [خِزار یہ کے] مسلمان جمع ہوئے اور دریا کے بہاؤ کے ساتھ روسیوں کی تلاش میں نکلے، [زمین پر وولگا کے کنارے تک]۔ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کی نظروں میں آئیں تو روسی جہازوں سے اتر کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کیلئے صف آرا ہوئے جن کے ساتھ تقریباً 15000 عیسائی جو گھوڑوں سمیت ساز و سامان سے آراستہ تھے، لڑائی تین دن تک جاری رہی. اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی۔ روسی قتل کئے گئے، کچھ ڈوب گئے۔ مسلمانوں نے دریائے خِزار کے کناروں پر جنہیں قتل کیا ان کی تعداد تقریباً 30،000 تھی...2b

پانچ ہزار روسی فرار ہو گئے جو برٹاس اور بلگاروں کے ہاتھوں مارے گئے۔ یہ 13-912 ء میں کیسپین کے روسی تباہ کن اچانک حملے کے متعلق مسعودی کا بیان ہے جو بالکل متعصبانہ ہے. خِزاری حکمران اس سے ایک دغا باز بد معاش معلوم ہوتا ہے جو روسیوں کیلئے ایک غیر فعال جرم میں شریک ساتھی کے طور پر پہلے کام کرتا ہے، پھر ان پر حملے کی اجازت دیتا ہے، لیکن ساتھ ہی ان کو اپنے ہی حکم میں "مسلمانوں" کی طرف سے تیار کردہ گھات کی اطلاع دیتا ہے۔

بلگاروں کے متعلق بھی مسعودی کا کہنا ہے کہ "وہ مسلمان ہیں"—حالانکہ ابن فضلان، بلگار سے دس سال بعد، ان کو ابھی تک تبدیل ہونے سے بہت دور کے طور پر بیان کرتا ہے۔ مسعودی کا بیان گو مذہبا ''متعصب ہے لیکن وہ اس میں خِزار قیادت کو درپیش مخمصہ یا کئی مخمصوں کی ایک جھلک فراہم کرتا ہے—ہو سکتا ہے کہ وہ کیسپین کے ساحلی لوگوں کی بد قسمتی کے متعلق غیر ضروری طور پر پریشان نہ ہوں۔ یہ جذباتی دور نہیں تھا۔ لیکن کیا ہوتا اگر شکاری روس، کیف اور نیپر پر اختیار حاصل کرنے کے بعد وولگا پر قدم جمانا چاہتا؟ مزید یہ کہ کیسپین میں روس کے ایک اور چھاپہ کے بعد خلافت کے غضب کا شکار ہو سکتے تھے۔ روس پر تو نہیں جو اس کی پہنچ سے باہر تھے لیکن ان معصوم— تقریبا معصوم—خِزاروں پر۔ خلافت کے ساتھ تعلقات پُر امن لیکن غیر یقینی تھے جیسا کہ ابن فضلان نے ایک واقعہ روایت کیا ہے۔ مسعودی نے روسی چھاپے کا ذکر بمطابق 13-912ء کیا؛ ابن فضلان کا بلگار مشن بمطابق 921-22ء کچھ یوں ہے: اس شہر میں مسلمانوں کی ایک مسجد ہے جہاں وہ نماز ادا کرتے اور جمعہ کو حاضری دیتے ہیں۔ اس

میں ایک اونچا مینار ہے اور کئی مؤذن ہیں جو مینار سے نماز کیلئے پکارتے ہیں۔] جب خزاری بادشاہ کو سنہ 310 ہجری (922ء) میں اطلاع ملی] کہ مسلمانوں نے دارالبابوناج [مسلم علاقے میں نامعلوم جگہ] میں یہودی عبادت گاہ کو تباہ کر دیا تو اس نے مینار تباہ کرنے اور مؤذنوں کو مارنے کا حکم دیا اور کہا:

"اگر مجھے اس کا خوف نہ ہوتا کہ اسلام کی سرزمین پر ایک بھی یہوددی عبادت گاہ کھڑی نہ چھوڑی جاتی تو میں بھی مسجد تباہ کر دیتا۔'' یہ واقعہ باہمی مزاحمت کی حکمت عملی اور خطرات بڑھنے کے متعلق ایک اچھے احساس کی گواہی دیتا ہے۔ اس سے یہ ایک بار پھر ظاہر ہوتا ہے کہ خزاری حکمران دنیا کے دوسرے حصوں میں یہودیوں کے انجام کے متعلق جذباتی طور پر پابندی محسوس کرتے تھے۔

باب 2

مسعودی کا کیسپین میں 13-912ء کی روسی دراندازی کا بیان ان الفاظ پر ختم کرتا ہے: "روس کی طرف سے اس سال کے بعد سے جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس کا اعادہ نہیں ہوا ہے۔" اتفاق سے مسعودی نے اسی سال–943ء میں لکھا جس میں روس نے اس سے بھی بڑے بحری بیڑے کے ساتھ کیسپین میں اپنے حملے کو دہرایا۔ لیکن مسعودی کو پتہ نہ چل سکا۔ 913ء کی تباہی کے بعد تیس سال تک انہوں نے دنیا کے اس حصے کو چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ بظاہر دوبارہ کوشش کرنے کیلئے کافی مضبوط محسوس کر رہے تھے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ان کی کوشش ایک یا دو سال کے اندر بازنطینیوں کے خلاف آئی گور بانگے کی مہم کے ساتھ منطبق ہوتی ہے جو یونانی توپ سے ہلاک ہو گیا۔ روس نے اس نئے حملے کے دوران کیسپین کے علاقے بردھا شہر میں قدم جمالئے اور تمام سال اس پر قبضہ برقرار رکھا۔ آخر کار روسیوں میں وبا پھیل گئی اور آذر بائیجانی باقی ماندہ کو بھگانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس بار عرب ذرائع نے لوٹ مار میں خزاری حصہ یا لڑائی کا ذکر نہیں کیا۔ جوزف حسدائی کے نام اپنے خط میں، جو کچھ سال بعد لکھا گیا تھا:

"میں دریا کے دہانے کی حفاظت کرتا ہوں اور بحری جہازوں میں آنے والے روسیوں کو جو عربوں کی سرزمین پر حملہ کرنے کی غرض سے آتے ہیں، حملہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔۔ میں ان کے ساتھ بھاری جنگیں لڑتا ہوں۔"
اسی خط کا نام نہاد "لمبا ترجمہ "(ملاحظہ کریں ضمیمہ III) میں ایک اور جملہ جو کسی نقل نویس نے شامل کیا یا نہ کیا ہو:
"اگر میں انہیں اجازت دوں تو وہ ایک گھنٹے میں بغداد تک عربوں کے تمام ملک کو تباہ کر دیں گے۔.. روس کیسپین پر

ایک گھنٹہ نہیں بلکہ ایک سال تک بیٹھارہا۔ یہ گھمنڈ طبل تہی لگتا ہے، اگرچہ اور بھی کم اگر ہم ماضی کے بجائے مستقبل کیلئے حوالہ سمجھیں۔] خِزاری فوج نے اس خاص موقع پر لڑائی میں حصہ لیا ہو یا نہیں، حقیقت یہ ہے کہ چند سال بعد انہوں نے روسیوں کو بحر خزار تک رسائی سے انکار کرنے کا فیصلہ کیا۔"943ء کے بعد ہم کیسپین میں روس کی دراندازی کے متعلق مزید نہیں سنتے۔ یہ اہم فیصلہ امکانا'' ان کے درمیان مسلم کمیونٹی کے اندرونی دباؤ کی وجہ سے ہوُا ہے جو خِزاروں کو روس کے خلاف "بھاری جنگوں" میں شامل کیا گیا۔ ان میں سے ہمارے پاس جوزف کے خط میں بیان کے علاوہ کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ 965ء کی ایک بڑی مہم کے علاوہ جھڑپوں کی شکل میں جو کئی ایک ہو سکتی ہیں جن کا ذکر اولڈ ر شین کرانیکل میں ہے جن کی وجہ سے خِزار سلطنت ٹوٹ گئی۔

باب 3

اس مہم کار ہنما کیف کا شہزادہ سویتو سلاو تھا جو ایگور اور اولگا کا بیٹا تھا۔ ہم نے پہلے ہی سن رکھا ہے کہ وہ "چیتے جیسی نرم چال ہے" اور یہ کہ اس نے "بہت سی مہمات کا بیڑا اٹھایا"۔ اس نے در حقیقت اپنے دور حکومت کا بیشتر حصہ میدان کارزار میں گذارا۔ ماں کی التجاؤں کے باوجود اس نے بپتسمہ لینے سے انکار کر دیا، "کیونکہ اس سے رعایا میں اس کی جگ ہنسائی ہو گی" رشین کرانیکل میں یہ بھی ملتا ہے کہ "اپنی مہمات پر نہ گاڑیاں، نہ مطبخ کے برتن اور نہ کوئی اُبلا گوشت، بلکہ گھوڑے، شکار یا گائے کے گوشت کی چھوٹی چھوٹی پٹیاں کاٹ کر کوئلوں پر بھون کر کھاتا تھا۔ نہ اس کا کوئی خیمہ تھا، فقط گھوڑے کا کمبل بچھا کر زین سر کے نیچے رکھ لیتا تھا۔ اس کا تمام لاؤ لشکر ایسا ہی تھا۔ "اسے دشمن پر چھپ کر حملہ کرنے سے نفرت تھی بلکہ اعلان کرنے کے لئے پہلے پیغام رساں بھیجتا: "میں تم پر حملہ کرنے آرہا ہوں۔"

خِزاروں کے خلاف مہم جوئی کیلئے وقائع نویس چند سطریں وقف کرتا ہے جو وہ مسلح تصادم کے بیان کیلئے عام طور پر پُر مغز مختصر لہجہ اختیار کرتا ہے:

سویاتوسلاو اوکا اور وولگا گیا، اور رابطہ ہونے پر ویاٹیچیسنوں [ایک سلاوی قبیلہ، جدید ماسکو کے جنوب میں رہنے والا] سے دریافت کیا کہ وہ کس کو خراج دیتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ خِزاروں کو فی ہل چاندی کا ایک ٹکڑا ادا کرتے ہیں۔ جب انہوں [خِزاروں] نے اس کی آمد کا سنا تو وہ اپنے شہزادے کے ساتھ اس سے ملنے کیلئے نکلے۔ فوجوں میں جنگ شروع ہو گئی جس میں سویاتوسلاو نے خِزاروں کو شکست دی اور ان کے شہر بیلاوِیزا پر قبضہ کر لیا۔ 4

اب ویلاویزا- سفید قلعہ -سار کل کا سلاوی نام تھا،ڈان پر مشہور خِزاری قلعہ ؛ لیکن یہ واضح رہے کہ رشین کرانیکل میں دارالحکومت کی تباہی کا کہیں ذکر نہیں ہے ۔۔۔ ایک نکتہ جس کی طرف ہم واپس جائیں گے۔ دی کرانیکل یہ بتاتے ہوئے جاری رکھتا ہے کہ سوایاتوسلاو نے "یاسینوں اور کاروگیوں کو بھی فتح کیا" [اوسیشینوں اور چرکاسینوں کو] ڈینیوب کے بلگاروں کو شکست دی، اسے بازنطینوں کے ہاتھوں شکست ہوئی، اور واپسی پر کیف کے راستے میں پشنیگوں کے ایک گروہ نے قتل کر دیا تھا۔ "انہوں نے اس کا سر کاٹا، کھوپڑی کا کاسہ بنا کر اس پر سونا چڑھایا اور اس میں شراب پی۔ 5

کئی مورخین نے سوایاتوسلاو کی فتح کو خِزاریہ کا خاتمہ قرار دیا ہے۔ جو دیکھیں گے کہ توضیحا'' غلط ہے۔ 965ء میں سار کل کی تباہی نے خِزاری سلطنت کے خاتمے کا اشارہ دیا نہ کہ خِزارہ قوم کا، جیسے 1918ء میں آسٹر و۔۔ہنگیرین کا اختتام سلطنت کی طرف اشارہ تھا بحیثیت قوم آسٹریا کا نہیں۔ خِزاروں کا دور دراز کے سلاوونک قبائل کا کنٹرول، جیسا ہم نے دیکھا کہ ماسکو کے آس پاس تک پھیلا ہوُا تھا- اب ایک یقینی اختتام کو پہنچ چکا تھا۔ لیکن خِزاروں کا مرکز قفقاز، ڈان اور وولگا کے درمیان برقرار رہا۔ روس کیلئے بحیرہ کیسپیئن تک رسائیاں بند رہیں اور ہم نے ان کی بالجبر راستہ بنانے کی مزید کسی کوشش کے متعلق نہیں سنا۔ جیسا کہ ٹوئن بی نے بالخصوص تبصرہ کیا: "روس خِزاری بیابانی سلطنت کو تباہ کرنے میں کامیاب ہوُا، لیکن واحد خِزاری علاقہ جو انہوں نے حاصل کیا وہ جزیرہ نما تانیا کا تموتوراکان تھا۔ [کریمیا کے مد مقابل] اور یہ فائدہ عارضی تھا۔۔ نصف سولہویں صدی تک جب ماسکویوں نے روس کیلئے دریائے وولگا پر۔۔۔ دریا کے ڈبوچر سے کیسپین سمندر تک ایک مستقل فتح حاصل کی"۔ 6

باب 4

سوایاٹسلاو کی موت کے بعد اس کے بیٹوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہو گئی جس میں سب سے کم عمر ولادیمیر فاتح بن کر ابھرا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی طرح ایک کافر کے طور پر زندگی شروع کی تھی۔ وہ بھی اپنی دادی اولگا کی طرح ایک توبہ کرنے والے گنہ گار کے طور پر ختم ہوُا، بپتسمہ قبول کیا اور آخر کار اسے ولی مان لیا گیا۔ جوانی میں سینٹ ولادیمیر نے سینٹ آگسٹین کے نعرہ کی پیروی کی تھی: خداوند مجھے عفت عطا فرما، لیکن ابھی نہیں۔ روسی کرانیکل اس کے متعلق کافی بے مہر ہے۔ ولاڈیمیر عورتوں کیلئے ہوس ناکی کا شکار ہو گیا۔ وشگورو ڈمیں اس کی تین سو لونڈیاں تھیں، تین سو بیلگورو ڈ اور دو سو بیریستوو میں۔ اس کی ہوس بے انتہا تھی یہاں تک کہ وہ شادی شدہ عورتوں کو بھی ورغلاتا تھا

اور جوان لڑکیوں سے زیادتی کرتا تھا۔ وہ سلیمان کی طرح آزاد تھا کیونکہ کہا جاتا ہے کہ سلیمان کی سات سو بیویاں اور تین سو لونڈیاں تھیں۔ وہ عقلمند تھا لیکن آخر میں تباہی کا شکار ہوُا. ولادیمیرا گرچہ پہلے دھوکہ میں تھا لیکن آخر کار نجات پا گیا۔ خُداوند عظیم ہے اور اُس کی طاقت اور حکمت کی کوئی انتہا نہیں۔

حصہ 7

957ء کے قریب اولگا کے بپتسمہ کا اپنے بیٹے پر بھی کچھ اثر نہ ہوُا۔ 989ء میں ولادیمیر کا بپتسمہ ایک اہم واقعہ تھا جس نے دنیا کی تاریخ پر دیرپا اثر ڈالا۔ اس سے پہلے چار بڑے مذاہب کے نمائندوں کے ذریعے سفارتی تدابیر اور مذہبی مباحثوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا جو خزاروں کی یہودیت میں تبدیلی سے پہلے کی بحثوں جیسی عکاسی کرتے ہیں۔

در حقیقت، اولڈر شین کرانیکل کی توجیہہ بادشاہ بولان کے قدیم بریزٹرسٹ کے ان عبرانی اور عرب مذہبی تنازعات کے اسباب کی مسلسل یاد دلاتا ہے، صرف نتیجہ مختلف ہے۔ اس بار تین کے بجائے چار مدمقابل تھے۔ یونانی اور لاطینی کلیساؤں کے درمیان فرقہ بندی دسویں صدی سے پہلے ہی ایک مکمل حقیقت تھی (گو یہ گیارہویں میں ہی سرکاری بنی)۔ ولادیمیر کی تبدیلی کے بارے میں رشین کرانیکل کی توجیہہ میں پہلے ولگا بلگاروں پر اس کی فتح کا ذکر ہے، اس کے بعد دوستی کا معاہدہ ہوُا۔ "بلگاروں نے اعلان کیا: 'ہمارے درمیان اس وقت تک امن قائم رہے گا جب تک پتھر تیرنے اور تنکے ڈوبنے نہ لگیں۔' " ولادیمیر کیف واپس آ گیا اور بلگاروں نے اسے تبدیل کرنے کے لیے ایک مسلم مذہبی مشن بھیجا۔ انہوں نے اس کے لیے جنت کی خوشیاں بیان کیں جہاں ہر مرد کو ستر نفیس عورتیں دی جائیں گی۔ ولادیمیر نے "توصیفانہ" ان کی بات سنی لیکن جب سؤر کے گوشت اور شراب سے پرہیز کرنے کی بات آئی تو اس نے خط تنسیخ کھینچا۔ اس نے کہا، 'شراب نوشی روسیوں کیلیئے مسرور کن ہے۔ اس شادمانی کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے.'' 8

اس کے بعد رومن کیتھولک کا ایک جرمن وفد آیا جو لاطینی طریق کے پیروکار تھے۔ انہوں نے جب اپنے ایک بنیادی عقیدے ''طاقت کے مطابق روزہ رکھنا'' کا ذکر کیا تو ان کی کارکردگی بھی بہتر ثابت نہ ہوئی۔ "... تب ولادیمیر نے جواب دیا: 'چلے جاؤ یہاں سے؛ ہمارے باپ دادا نے ایسا کوئی اصول قبول نہیں کیا۔ "9 تیسرا مشن خزاری یہودیوں پر مشتمل تھا۔ ان کا انجام بہت ہی برا ہوُا۔ ولادیمیر نے ان سے پوچھا کہ اب وہ یروشلم پر حکومت کیوں نہیں کرتے۔ "انہوں نے جواب دیا: 'خدا! ہمارے باپ دادا سے ناراض ہو گیا اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمیں غیر یہودیوں میں پراگندہ کر دیا۔ 'شہزادے نے پھر مطالبہ کیا: 'آپ دوسروں کو سکھانے کی امید کیسے کر سکتے ہیں جب کہ

آپ خود خدا کے حکم سے باہر اور بکھرے ہوئے ہیں۔" کیا آپ توقع کرتے ہیں کہ ہم بھی آپ جیسا مقدر قبول کریں؟

چوتھا اور آخری مبلغ باز نطیم کے یونانیوں کی طرف سے بھیجا گیا جو ایک عالم تھا۔ وہ مسلمانوں کے خلاف ایک دھماکے سے شروع ہوتا ہے، جو "سدوم اور گمورہ کی طرح سب سے بڑھ کر ملعون ہیں، جن پر خداوند نے جلتے پتھروں کو برسنے دیا اور جنہیں اس نے دفن کر کے غرق کر ڈالا. وہ اخراج کو گیلا کرتے، منہ میں پانی ڈالتے اور محمد کو یاد کرتے ہوئے داڑھیوں کا مسح کرتے ہیں۔ ولادیمیر نے یہ بیانات سن کر زمین پر تھوک کر کہا: "یہ ایک گھٹیا چیز ہے۔" 10 اس کے بعد باز نطینی عالم نے یہودیوں پر خدا کو مصلوب کرنے کا الزام دیا اور رومن کیتھولک پر بہت ہلکے الفاظ میں "رسوم میں ترمیم" کرنے کا الزام لگایا۔ ان مبادیات کے بعد دنیا کی تخلیق سے شروع کر کے وہ پرانے اور نئے عہد ناموں کی ایک طویل تشریح کرتا ہے۔ ولادیمیر آخر میں صرف نیم تیقن سی حالت میں ہے کیونکہ اس پر جب بپتسمہ لینے کے لیے دباؤ ڈالا جاتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے، "میں ابھی قدرے مزید انتظار کروں گا۔" وہ اپنے "دس اچھے اور عقل مند" ایلچیوں کو مختلف ممالک میں ان کے مذہبی معمولات کا مشاہدہ کرنے کے لیے بھیجتا ہے۔ مقررہ وقت پر تحقیقاتی کمیشن نے اسے مطلع کیا کہ باز نطینی معمول "دوسری قوموں کی تقریبات سے زیادہ منصفانہ ہے اور ہمیں علم نہیں تھا کہ ہم آسمان پر ہیں یا زمین پر۔" ولادیمیر پھر بھی ہچکچاتا ہے اور کرانیکل غیر منطقی نتیجہ نکالے جاری ہے: "ایک سال بعد 988ء میں ولادیمیر نے خرسون، ایک یونانی شہر کے خلاف مسلح افواج کے ساتھ پیش قدمی کی...11" (ہمیں یاد ہے کہ کریمیا کی اس اہم بندرگاہ کا کنٹرول کافی عرصے سے باز نطینیوں اور خزاروں کے درمیان باعث نزاع تھا۔) بہادر خرسونیوں نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا تو ولادیمیر کے فوجیوں نے شہر کی دیواروں کی طرف زمینی عسکری تعمیرات شروع کیں، لیکن خرسونیوں نے شہر کی دیوار کے نیچے ایک سرنگ "کھودی" اور چوری سے ڈھیروں جمع شدہ مٹی اٹھا کر شہر کے اندر ڈھیر لگا دیا۔ پھر ایک غدار نے روس کے کیمپ میں ایک پیغام کے ساتھ تیر مارا: "آپ کے پیچھے مشرق میں چشمے ہیں جہاں سے پانی نلوں میں بہتا ہے۔ انہیں کھود کر کاٹ دو" ولادیمیر کو جب یہ اطلاع ملی تو اس نے اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائیں اور نذر مانی کہ اگر یہ امید پوری ہو گئی تو وہ بپتسمہ لے گا۔ 12 اس نے شہر کی آب رسانی منقطع کی جس سے خرسونیوں نے ہتھیار ڈال دئے۔ اس کے بعد ولادیمیر بظاہر اپنی منت بھول گیا، "شہنشاہان باسل اور قسطنطنیہ [اس وقت کے باہمی فرماں روا] کو پیغامات بھیجے اور کہا: 'دیکھو، میں نے تمہارا شان دار شہر سر کر لیا ہے۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ تمہاری ایک غیر شادی شدہ بہن ہے۔ اگر تم اسے میری بیوی بنا کر حوالے

نہیں کرتے تو میں تمہارے شہر کے ساتھ خرسون جیسا حال کروں گا۔"شہنشاہان نے جواب دیا: "اگر آپ نے بپتسمہ لیا ہے تو آپ اسے بیوی بنالیں، آپ خدا کی بادشاہی کے وارث اور ایمان میں ہمارے ساتھی ہوں گے۔" یہ سب یوں ہوُا۔ ولادیمیر نے آخرکار بپتسمہ قبول کرکے بازنطینی شہزادی اینا سے شادی کی۔ عیسائیت چند سال بعد یونانی حکمرانوں کے علاوہ روسی عوام کا سرکاری مذہب بن گئی اور 1037ء کے بعد سے روسی چرچ قسطنطنیہ کے زیرانتظام تھا۔

باب 5

یہ بازنطینی سفارت کاری کی عظیم فتح تھی۔ ورناڈسکی اسے "ان میں سے ایک "موڑ کہتا ہے جو تاریخ کے مطالعہ کو انتاد لکش بنادیتے ہیں... اور اس پر قیاس کرنا دلچسپ ہے کہ تاریخ کا ممکنہ راستہ کیا ہوتا اگر روسی شہزادے... عیسائیت کے بجائے ان میں سے کسی ایک [یہودیت یا اسلام]... کو اپنا لیتے۔ ان عقائد میں سے کسی ایک کو قبول کرنا لازمی طور پر روسی مستقبل کی ثقافتی اور سیاسی ترقی متعین کرتا۔ قبول اسلام روس کو عربی ثقافت کے دائرے میں کھینچ لیتا یعنی ایک ایشیائی مصری ثقافت۔ جرمنوں سے رومی عیسائیت کو قبول کرنا روس کو لاطینی یا یورپی ثقافت کا ملک بنادیتا۔
یہودیت یا تقلیدی عیسائیت کی قبولیت روس کو یورپ اور ایشیا دونوں کی ثقافتی آزادی کو یقینی بنادیتی۔"13 روسیوں کو تو آزادی سے زیادہ اتحادیوں کی ضرورت تھی اور مشرقی رومن سلطنت بدعنوان ہونے کے باوجود طاقت، ثقافت اور تجارت کے لحاظ سے خزاروں کی روبتنزل سلطنت سے بطور اتحادی زیادہ مطلوب تھی۔ بازنطینی سیاست گری کے کردار کو اس فیصلے تک لانے میں کم تر نہیں سمجھنا چاہیے جس کے لیے اس نے ایک صدی سے زیادہ محنت کی تھی۔ رشین کرانیکل کی سادہ توجیہہ نے ولادیمیر کے تاخیری کھیل کے متعلق ہمیں سفارتی چال بازیوں اور سخت سودے بازی کے بارے میں کوئی بصیرت عطا نہیں کی ہے جو اس نے بپتسمہ قبول کرنے سے قبل ضرور کی ہوگی۔
اپنے اور اپنے لوگوں کیلئے بازنطینی سرپرستی در حقیقت خرسون واضح طور پر قیمت کا حصہ تھا اور اسی طرح شہزادی اینا سے خاندانی شادی بھی۔ اس معاہدے کا سب سے اہم حصہ روس کے خلاف بازنطینی ـ ـ ـ خزار اتحاد کا خاتمہ تھا اس کی جگہ خزاروں کے خلاف بازنطینی ـ ـ ـ روسی اتحاد نے لے لی۔ چند سال بعد، 1016ء میں ایک مشترکہ بازنطینی- روسی فوج نے خزاریہ پر حملہ کرکے حکمران کو شکست دی اور اس کے "ملک کو زیر کیا" (نیچے دیکھیں، IV، 8)۔ اس کے باوجود کنسٹینٹین پی۔ کے دور میں ولادیمیر کی تبدیلی سے پچاس سال پہلے خزاروں کی طرف سرد مہری شروع

ہو چکی تھی، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ ہمیں کنستنتین کا غور و فکر کرنا یاد ہے کہ "خِزاریہ سے جنگ کیسے اور کس ذریعے کرنی ہے"۔ عبارت (II, 7) پر پہلے حوالہ دیا گیا ہے:

اگر آلانیہ کا حکمران خِزاروں کے ساتھ صلح نہیں رکھتا بلکہ غور کرتا ہے کہ رومیوں کے شہنشاہ کی دوستی اس کے لیے زیادہ اہمیت کی حامل ہے، اگر خِزارے شہنشاہ کے ساتھ دوستی اور امن برقرار رکھنے کا انتخاب نہیں کرتے تو آلان انہیں بہت نقصان پہنچا سکتا ہے۔ وہ ان کی سڑکوں پر گھات لگا کر حملہ کر سکتا ہے۔ ان پر اس وقت حملہ کر سکتا ہے جب وہ سارکل، ''نوریجنز" اور خرسون جاتے ہوئے راستے میں حفاظت سے بے پرواہوں... بلیک بلگاریہ [وولگا کے بلگار] بھی خِزاروں کے خلاف جنگ کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔14 ٹائن بی اس حوالے کو نقل کرنے کے بعد مندرجہ ذیل موہ لینے والا تبصرہ کرتا ہے:

اگر کنسٹ ینٹین پی۔ کے دستور العمل میں مشرقی رومن امپیریل گورنمنٹ کے خارجہ تعلقات کی یہ عبارت خِزاری خاقان اور اس کے وزراء کے ہاتھ لگ جاتی تو وہ برہم ہو کر بتاتا کہ آج کل خِزاریہ دنیا کی سب سے زیادہ امن پسند ریاست ہے۔ وہ، اگرچہ پرانے دور میں بہت جنگ جو تھی بھی تو اس کا رخ مشرقی رومی سلطنت کی طرف کبھی نہیں رہا۔

دونوں طاقتوں نے درحقیقت کبھی ایک دوسرے سے جنگ نہیں کی جبکہ دوسری طرف خِزاریہ کی مشرقی رومیوں کے دشمنوں کے خلاف اکثر جنگ ہوتی رہی تھی اور یہ سلطنت کے لیے فائدہ مند ہے۔ سلطنت درحقیقت خِزاروں کی مقروض ہو سکتی ہے جو ساسانی فارسی شہنشاہ خسرو پرویز ثانی کے پے درپے حملوں سے بچ پائی اور مسلم عرب.... اور اس کے بعد سلطنت پر دباؤ قفقاز کی طرف سے عربوں کی پیش قدمی کے خلاف خِزاروں کی طاقت ور جارحانہ دفاعی مزاحمت سے عربوں کے حملوں سے سکون ملا تھا۔ خِزاریہ اور سلطنت کے درمیان دوستی ان کے متعلقہ شاہی خاندانوں کے درمیان دو شادیاں اتحاد کی علامت اور مہر بن گئیں۔ کنستنتین کا ذہن اذیت دینے کے طریقوں کے متعلق نہ جانے کیا سوچ رہا تھا جب وہ پڑوسیوں کو خِزاریہ پر ٹوٹ پڑنے پر آمادہ کر رہا تھا؟15

ٹوئن بی کے خطیبانہ سوال کے جوابات سے ظاہر ہے کہ بازنطینی عملی سیاست سے متاثر ہوئے تھے اور یہ جو پہلے ہی کہا گیا ہے کہ ان کا دور جذباتی نہیں تھا۔ نہ ہی ہمارا ہے۔

باب 6

اس کے باوجود یہ ایک کوتاہ اندیش پالیسی نکلی۔ ایک بار پھر بری کا حوالہ: دنیا کے اس حصہ میں شاہی پالیسی کا بنیادی اصول خِزاروں کے ساتھ امن برقرار رکھنا خِزاری سلطنت کی جغرافیائی حیثیت کی بناپر یہ اس کا فوری نتیجہ تھا چونکہ یہ نیپر اور قفقاز کے درمیان پڑتی تھی۔ ساتویں صدی سے جب ہر قل فارس کے خلاف خِزاروں کی مدد کا متلاشی تھا، دسویں صدی تک جب اس کی طاقت کمزور پڑ رہی تھی، یہ شہنشاہوں کی مستقل پالیسی تھی۔ اس میں سلطنت کا فائدہ تھا کہ چاگان کو اپنے وحشی پڑوسیوں پر مؤثر کنٹرول استعمال کرنا چاہیے۔16 یہ "مؤثر کنٹرول" اب خِزار کیگن سے کِیف کے پرنس روس کیگن کو منتقل ہونا تھا۔ لیکن یہ کارآمد نہ ہوا۔ خِزار ایک بیابانی ترک قبیلہ تھا جو لہر در لہر ترکی اور عرب حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے میں کامیاب رہا تھا؛ انہوں نے بلگاروں، برٹاس، پیچنیگز، غز وغیرہ کی مزاحمت کر کے انہیں زیر کیا۔ روسی اور ان کی سلاو رعایا کا بیابانی خانہ بدوش جنگجوؤں کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ ان کی متحرک اور گوریلا حکمت عملی۔ [اس دور کی نمایاں ترین روسی رزمیہ نظم جو "اِگور کا میزبان کو زیر کرنا"، غز کے خلاف روسیوں کی ایک تباہ کن مہم کو بیان کرتی ہے۔] مسلسل خانہ بدوش دباؤ کے نتیجتا" روسی طاقت کے مراکز آہستہ آہستہ جنوبی بیابانوں سے جنگلاتی شمال میں گالیزیا، نووگوروڈ اور ماسکو کی ریاستوں تک منتقل ہو گئے۔ بازنطینی تخمینہ کے مطابق کِیف مشرقی یورپ کی سرپرستی اور تجارتی مرکز کے طور پر کردار ادا کرے گا۔ کِیف اس کے برعکس تیزی سے زوال پذیر ہو گیا۔ یہ تھا روسی تاریخ کے پہلے باب کا اختتام، جس کے بعد افراتفری کا دور، ایک درجن آزاد ریاستیں جنہوں نے ایک دوسرے کے خلاف غیر مختتم جنگیں لڑیں۔۔۔ اس سے ایک طاقت کا خلا پیدا ہوا جس میں فتح کن خانہ بدوشوں کی ایک نئی لہر اٹھی یا ہمارے پرانے دوست غزوں کی شاخ جنہیں ابن فضلان نے دیگر وحشی قبائل سے بھی زیادہ گھناؤنا پایا۔ یہ "کافر اور بے دین دشمن"، جیسا کہ کرانیکل ان کی وضاحت کرتا ہے، روسی انہیں پولووٹسی، بازنطینی کومان، ہنگرین انہیں کن اور ساتھی ترک کپچیکس کہتے تھے۔ انہوں نے گیارہویں صدی کے آخر سے تیرہویں صدی تک اور بیابانوں سے ہنگری تک حکومت کی۔ (جنہیں منگولوں کے حملہ نے بدلے میں غرقاب کر دیا)۔ [1241ء میں منگولوں سے بھاگنے والے کومانوں کی ایک شاخ کو ہنگری میں سیاسی پناہ دی گئی جو مقامی آبادی میں ضم ہو گئی۔ ہنگری میں "کن" آج بھی ایک اکثریتی کنیت ہے۔] انہوں نے بازنطینیوں کے خلاف کئی جنگیں بھی لڑیں۔ غز کی ایک اور شاخ، سلجوقیوں (اپنے حکمران خاندان کے نام سے منسوب) نے منزیکرت 1071ء کی تاریخی جنگ میں بہت بڑی

بازنطینی فوج کو تباہ کر کے شہنشاہ رومانس IV ڈائیو جینس کو گرفتار کر لیا۔اس کے بعد بازنطینی، ترکوں کو موجودہ ترکی کے بیشتر صوبوں کا کنٹرول حاصل کرنے سے روکنے میں ناکام رہے جو اس سے پیشتر مشرقی رومی سلطنت کا مرکز رہا تھا۔ یہ صرف قیاس کیا جا سکتا ہے کہ تاریخ مختلف ہوتی اگر باز نطیم اپنی روایتی پالیسی ترک نہ کرتی جو وہ پچھلی تین صدیوں سے مسلمان، ترک اور وائکنگ حملہ آوروں کے خلاف خزاروں کے مضبوط گڑھ پر بھروسہ کرتی چلی آ رہی تھی۔جو بھی ہوُا، شاہی عملی سیاسی نظام زیادہ حقیقت پسند نہیں نکلا۔

باب 7

کومان کی دو صدیوں کی حکمرانی کے دوران اور اس کے بعد منگول حملے سے مشرقی بیابان ایک بار پھر تاریک دور میں ڈوب گیا اور خزاروں کی بعد کی تاریخ اپنی اصلیت سے بھی زیادہ گہری دھند کی نظر ہو گئی۔خزارہ ریاست کے زوال کے آخری دور کے حوالے بنیادی طور پر مسلم ذرائع میں ملتے ہیں لیکن وہ اتنے مبہم ہیں کہ تقریباً ہر نام، تاریخ اور جغرافیائی اشارہ کئی تشریحات کے لیے کھلے ہیں۔ مورخین حقائق کے بھوکے ہیں۔ سوائے چند بے رنگ ہڈیوں پر دانت چلانے کے جن کیلئے بھوکے جاسوسی کتوں کی طرح جھنجھوڑنے کے لیے کچھ نہیں بچا، اس موہوم امید پر کہ زندہ رہنے کیلئے شائد کوئی گراپڑا القمہ نصیب ہو جائے۔ گذشتہ بیان کی روشنی میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فیصلہ کن واقعہ کی تکمیل خزارہ طاقت کے زوال کا باعث سویاتوسلاو کی فتح نہیں بلکہ ولادیمیر کی تبدیلی مذہب تھی۔ درحقیقت وہ فتح کتنی اہم تھی جسے انیسویں صدی کے مورخین نے [ایک روایت کی پیروی میں جو فریہن نے 1822ء میں روسی اکیڈمی کی یادداشتوں میں مرتب کی۔] خزارہ ریاست کے خاتمہ سے منطبق کی؟ ہمیں یاد ہے کہ رشین کرانیکل میں صرف سارکل قلعہ کی تباہی کا ذکر ہے لیکن دارالحکومت کا نہیں۔ وہ بھی واقعی غارت گری اور تباہی سے دوچار ہوُا تھا جو ہم کئی عرب ذرائع سے جانتے ہیں جو اس قدر مصر ہیں کہ انہیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ واضح نہیں ہے کہ اس کی کب اور کس نے غارت گری کی۔ ابن حوکل، اہم ترین مآخذ کا کہنا ہے کہ یہ روس نے کیا جس نے " خزاران، سمندار کو مکمل طور پر تباہ کر دیا"۔ بظاہر یہ ماننا کہ وہ دو الگ الگ شہر تھے جبکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ جڑواں شہر تھے۔ سارکل کے زوال کے واقعہ کی تاریخ رشین کرانیکل کی تاریخ سے مختلف ہے ابن حوکل کی طرح کرانیکل بھی اس اس کے زوال کا بالکل ذکر نہیں کرتا۔ اسی مارکوارٹ نے رائے دی کہ روسی سویٹولوسلاو نے نہیں بلکہ وائکنگوں نو واردان نے تباہ کیا۔ معاملات کو قدرے مزید پیچیدہ بنانے کے لیے دوسرا عرب مآخذ ابن مسکَویہ کہتا ہے کہ یہ "ترک" تھے جو 965ء کے نازک

سال میں خِزاریہ پر نازل ہوئے۔ "ترک" سے اس کا مطلب روس ہو سکتا ہے جیسا کہ بار تھولڈ وثوق سے کہتا ہے۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ پشنیگ ڈاکوؤں کا گروہ ہو۔ ایسا لگتا ہے کہ ہم کتنی ہی جان توڑ کوشش کریں یہ کبھی نہ جان پائیں گے کہ اسے کس نے اور کتنی سنگینی سے تباہ کیا؟ اصل مآخذ ابن حوکل سب سے پہلے "مکمل تباہی"، لیکن پھر چند سال بعد یہ بھی کہتا ہے کہ "خزاران اب بھی وہ مرکز ہے جہاں روس کی خوب تجارت ہوتی ہے۔"، مکمل طور پر تباہی مبالغہ آرائی سے مملو ہے۔ یہ زیادہ امکان ہے کیونکہ وہ وولگا بلگاروں کے دارالحکومت بلگار کی "مکمل تباہی" کے بارے میں بھی بات کرتا ہے۔ روس جو بلگار کو نقصان پہچانے کا باعث بنا زیادہ اہم نہیں ہو سکتا، کیونکہ ہمارے پاس ایسے سکے ہیں جو 7-976ء میں ڈھالے گئے تھے۔۔۔ سویٹوسلاو کے چھاپے کے صرف دس سال بعد اور تیرھویں صدی میں بلگار اب بھی ایک اہم شہر تھا۔ جیسا کہ ڈنلپ نے کہا: ان تمام بیانات کا حتمی مآخذ کہ دسویں صدی میں روسیوں نے خِزاریہ کو تباہ کیا۔ بلاشبہ ابن حوکل ہے... تاہم ابن حوکل اسی تیقن سے وسطی وولگا پر بلگار کی تباہی کا ذکر کرتا ہے۔ یہ بالکل یقینی ہے کہ تیرھویں صدی میں منگولوں کے حملوں کے وقت بلگار ایک آسودہ حال برادری تھی۔

کیا خِزاریہ کی بربادی بھی عارضی تھی؟ 17 بظاہر یہ تھی۔ خزاران اور خِزاروں کے دوسرے قصبات زیادہ تر خیموں، چوبی مکانات اور مٹی کے بنے "گول گھروں" پر مشتمل تھے جو بآسانی تباہ اور دوبارہ تعمیر ہو جاتے تھے؛ صرف شاہی اور سرکاری عمارتیں اینٹوں کی تھیں۔ نقصان یقینا" سنگین ہوگا کیونکہ کئی عرب مورخین کہتے ہیں کہ آبادی کا عارضی اخراج کیسپین ساحل یا جزیروں کی طرف ہوا۔ چنانچہ ابن حوکل کہتا ہے کہ خِزارے روس سے "نفتا ساحل" [باکو] کے جزیرے کی طرف بھاگے تھے لیکن بعد میں شیر وان کے مسلم شاہ کی مدد سے خِزار واپس آگئے۔ یہ قابل فہم لگتا ہے کیونکہ شیر وان کے لوگوں کو روس سے محبت نہیں تھی جس نے پہلے ان کے ساحل پر لوٹ مار کی تھی۔

دوسرے عرب مورخ ابن مسکویہ اور مقدّسی (ابن حوکل کے بعد لکھنے والے) خِزاروں کے خروج اور مسلمانوں کی مدد سے ان کی واپسی کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ابن مسکویہ کے مطابق اس مدد کی قیمت کے طور پر "سب نے بادشاہ کے استثناء کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ مقدّسی کی روائت مختلف ہے جو روس کے حملے کا حوالہ نہیں دیتا۔ وہ صرف اتنا کہتا ہے کہ خِزارہ شہر کے باشندے سمندر کی طرف گئے اور اسلام قبول کر کے واپس آئے۔ اس کی معتبریت کا اندازہ اس حقیقت سے ہوتا ہے جو وہ بیان کرتا ہے۔ بلگار کیسپین کے قریب ہونے کی وجہ سے مقابلتا"، جو گلاسگو کو لندن کے جنوب میں رکھنے کے مترادف ہے۔ [لیکن ایک جدید صاحب اختیار، بار تھولڈ اسے عظیم ترین جغرافیہ دان کہتا ہے"۔ [ڈنلوپ کا حوالہ (۱۹۵۴) ص ۲۴۵]] ان بیانات کے بے ترتیب اور متعصب ہونے کے باوجود یہ بالکل واضح

ہے کہ ان میں شاید کچھ سچائی ہے۔یلغار سے نفسیاتی جھٹکا، سمندر کی طرف دوڑنے اور مسلمان کی مدد خریدنے کی ضرورت کی وجہ سے کچھ سودے بازی کا باعث بنی ہو جس سے خِزاریہ کے ریاستی معاملات میں مسلم برادری کو زیادہ اہمیت ملی۔ ہمیں مروان کے ساتھ دو صدی پہلے اسی طرح کا معاہدہ یاد ہے(I, 7) جس میں کیگن بنفس نفیس شامل تھا لیکن خِزارہ تاریخ پر کوئی نشان نہیں چھوڑا۔ایک اور عرب آخذ کے مطابق، البیرونی جس کا انتقال 1048ء میں ہوا، نے اپنے زمانے میں کھنڈرات یادوبارہ کھنڈرات دیکھے۔18 اسے دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا، لیکن اس کا نام ساکسین تھا۔

[''امکان ہے کہ ساکسین سے ملتا جلتا پرانا نام سارسشین میں روح پھونکی گئی ہو جو خزاران سے زیادہ دور نہیں تھا''، ڈنلوپ، ص ۲۴۸ بحوالہ منور سکی)۔] بارہوین صدی تک وقائع میں بار بار اس کا ذکر ملتا ہے جیسے ''وولگا پر ایک بڑا قصبہ، ترکستان میں اس کا کوئی ہم سر نہیں"19 بالآخر ایک اور ذریعہ کے مطابق سیلابوں کا شکار ہو گیا. ایک صدی بعد منگول حکمران باتو نے اس جگہ پر دارالخلافہ تعمیر کیا۔20 رشین کرانیکل اور عرب ذرائع ہمیں 965ء کی تباہی کے بارے میں جو کچھ بتاتے ہیں اس کا خلاصتا''ہم کہہ سکتے ہیں کہ کسی نامعلوم حد تک روس یا کسی اور حملہ آور نے تباہ کیا لیکن کئی مرتبہ دوبارہ تعمیر کیا گیا؛ اور یہ کہ کڑی آزمائش کی وجہ سے کافی کمزور خِزار ریاست کا ظہور ہوا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی سکڑتی سرحدوں کے اندر یہ کم از کم مزید دو سو سال تک زندہ رہی، یعنی بارہویں صدی کے وسط تک، اور شاید زیادہ مشکوک، تیرہویں ء کے وسط تک۔

باب 8

اوٹو دی گریٹ کے ہسپانوی-یہودی سفیر ابراہیم ابن جاکوب نے 965ء کے مہلک سال کے بعد پہلا غیر عرب جس نے ایک سفر میں خِزاریہ کا ذکر کیا ہے جو اس نے غالباً 973ء میں لکھا کہ خِزارے اس کے زمانے میں بھی آسودہ حال ہیں۔21 تاریخی ترتیب میں رشین کرانیکل آف جیوز، 986ء میں یہودیوں کا خِزاریہ سے کیف میں آمد کا ذکر ہے لیکن ولادیمیر کو اپنے عقیدے میں تبدیل کرنے کی کوشش کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکل سکا۔ ہم گیارہویں صدی میں داخل ہوتے ہی پہلے خِزاریہ کے خلاف 1016ء کی مذکورہ مشترکہ بازنطینی۔روس مہم کا پڑھتے ہیں جس میں ملک کو ایک بار پھر شکست ہوئی۔ یہ خبر کافی قابل اعتماد ذریعہ، بارہویں صدی کے بازنطینی مورخ سیڈرینس نے دی ہے ۔22 A بظاہر کافی طاقت کی ضرورت تھی کیونکہ سیڈرینس بازنطینی بحری بیڑے کا ذکر کرتا ہے جسے روسیوں کی فوج کی حمایت حاصل تھی۔ خِزاروں میں ظاہری طور پر ان کی ترک اصل یا موسوی عقیدہ، یا دونوں سے ماخوذ ڈبے

سے کھلونا ابھرنے جیسی خصوصیات تھیں۔ سیڈرینس بھی کہتا ہے کہ شکست خوردہ خِزارہ رہنما کا نام جارجیوس تزول تھا جو ایک عیسائی نام ہے؛ ہمیں ایک پہلی رپورٹ سے علم ہے کہ کیگن کی فوج میں عیسائیوں کے ساتھ مسلمان بھی تھے۔

خِزاروں کا اگلا تذکرہ رشین کرانیکل میں ایک سالانہ مختصر اندراج ہے کہ 1023ء کے مطابق "[شہزادہ] متیسلاو نے اپنے بھائی [شہزادہ] یاروسلاو کے خلاف خِزاروں اور کاسوگیوں کے ساتھ فوج کشی کی۔" [کاسوگی یا کاشک خِزاری حکومت کے ماتحت ایک کاکیشین قبیلہ تھا جو کوسکوں کے آباؤاجداد ہو بھی سکتے ہیں اور نہیں بھی۔] متیسلاو مختصر مدت کیلئے تموتوراکان سلطنت کا حکمران تھا، جس کا مرکز آبنائے کرچ کے مشرقی جانب خِزار قصبہ ٹموٹوراکان (حالیہ تمان) تھا۔ جیسا کہ پہلے کہا کہ صرف یہی خِزاری علاقہ تھا جس پر روس نے 965ء کی فتح کے بعد قبضہ کیا۔ متیسلاو کی فوج میں روسیوں نے شاید خِزاروں کو مقامی آبادی سے بھرتی کیا تھا۔ سات سال بعد (1030ء) خِزاری فوج نے حملہ آور کرد فوج کو شکست دی، 10،000 آدمی مار ڈالے۔ اوران کے سامان پر قبضہ کر لیا۔ اگر تحریر پر بعینہٖ یقین کیا جاسکے تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ خِزار ابھی بھی بہت صحت منداور مستعد تھے۔ یہ بارہویں صدی کے ایک عرب مآخذ ابن الاثیر سے ہے جسے زیادہ قابل اعتماد نہیں سمجھا جاتا۔ 54 اپنی تاریخی ترتیب میں جان کھپا کر شواہد کے باقی ماندہ ٹکڑے بے چینی سے اٹھانے کے دوران ہمیں ایک گمنام عیسائی سنت، یوسٹریٹس کے متعلق ایک حیرت انگیز کہانی ملتی ہے۔ 1100ء کے قریب وہ بظاہر کریمیا کے شیرسون میں ایک قیدی تھا اور اس کے "یہودی آقا" نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی تھی جس نے اسے فسح رسم کے کھانے پر مجبور کیا تھا۔ 23 کسی کو کہانی کی صداقت پر زیادہ بھروسہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (کہا جاتا ہے کہ سنت یوسٹریٹس سولی پر پندرہ دن زندہ رہا)؛ مفہوم یہ ہے کہ قصبے میں یہودیوں کا شرسون میں ہر جگہ مضبوط اثرورسوخ قبولیت عام سا ہے؛ ایک قصبہ جو برائے نام عیسائی حکمرانی کے تحت تھا جسے بازنطینیوں نے خِزاروں سے دور رکھنے کی کوشش کی تھی، جسے ولادیمیر نے فتح کیا لیکن بعد میں (990ء سے قبل) بازنطیم کا مقبوضہ بن گیا۔ . وہ تینوٹورکان میں اب بھی طاقت ور تھے. سال 1079ء کے لیے رشین کرانیکل میں ایک مبہم کا اندراج ہے: "[ٹموٹورکان کے] خِزاروں نے اولگ کو قیدی بنالیا اور اسے بیرون ملک زار گراڈ بھیج دیا ۔[قسطنطنیہ]۔" بس اتنا ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ بازنطینی خفیہ سازشوں میں مصروف تھے، اپنے حریفوں کے خلاف ایک روسی شہزادے کو پسند کرتے تھے۔ لیکن ہم پھر دیکھتے ہیں کہ اگر وہ ایک روسی شہزادے کو پکڑ کر بھیجنے کے قابل تھے تو خِزارے اس روسی شہر میں اہم طاقت رکھتے ہوں گے۔ چار سال بعد بازنطینیوں کے ساتھ اولگ کے صلح کرنے پر

اسے تموتوراکان واپس جانے کی اجازت مل گئی جہاں "اس نے خزاروں کو ذبح کیا جنہوں نے اسے اپنے بھائی کے خلاف سازش اوراس کی موت کا مشورہ دیا تھا۔" جب خزاروں نے اولگ کو پکڑا تھا تو اولگ کا بھائی رومن در حقیقت اسی سال کپچک کومانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ کیا کومانوں کے ہاتھوں اس کے بھائی کا قتل بھی انہی کی کارستانی تھی؟ یا وہ بازنطینیوں کے خزار اور روس کو ایک دوسرے کے خلاف اکسانے کے شاطرانہ کھیل کا شکار تھے؟ بہر حال، ہم گیارہویں صدی کے اختتام کے قریب پہنچ رہے ہیں اور وہ ابھی تک وہیں موجود ہیں۔ چند سال بعد، ذیلی سال 1106ء رشین کرانیکل میں ایک اور مختصر اندراج ہے، جس کے مطابق پولووٹسی، یعنی کومانوں نے، زرتسک (کیِف کے مغرب) کے آس پاس کے علاقے پر چھاپہ مارا اور روسی شہزادے نے تین جرنیلوں یان، پٹیاٹا اور "ایوان، خزاری" کی کمان میں ان کے تعاقب میں فوج بھیجی۔ یہ اولڈر شین کرانیکل میں خزاروں کا آخری ذکر ہے جو دس سال بعد 1116ء میں بند ہو جاتا ہے۔ لیکن بارہویں صدی کے دوسرے نصف میں، دو فارسی شعراء، خاقانی (تقریباً 90 - 1106) اور معروف نظامی (تقریباً 1203-1141) نے رزمیہ نظموں میں اپنی زندگی کے دوران شیروان پر خزار-روس کے مشترکہ حملے کا ذکر کیا ہے۔ وہ گو شاعری لکھنے میں مگن تھے لیکن سنجیدگی سے لینے کے مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے زندگی کا بیشتر حصہ سرکاری ملازمین کے طور پر قفقاز میں گزارا اور انہیں قفقازی قبائل کا گہرا علم تھا۔ خاقانی "درونت خزاروں" کی بات کرتا ہے- دربند قفقاز اور بحیرہ اسود کے درمیان درہ یا "ٹرن اسٹائل" ہے جس کے ذریعے خزار پر سکون زندگی سے متعارف ہونے سے قبل ساتویں صدی کے یادگاری دنوں میں چھاپے مارا کرتے تھے۔ کیا وہ آخر میں جوانی کی غیر مستقل خانہ بدوش۔ جنگجو عادات کی طرف لوٹ گئے؟ ان فارسی شہادتوں کے بعد یا شائد قبل ہمارے پاس ریگنز برگ کے اس مشہور یہودی مسافر ربائی پٹیکیا کا ترساتا ہؤا مختصر ترش تبصرہ ہے جس کا حوالہ (II،8) پہلے دیا گیا تھا۔ ہمیں یاد ہے کہ وہ کریمیا کے علاقے کے خزاری یہودیوں کے درمیان تلمودی تعلیم کی کمی کی وجہ سے بہت پریشان تھا۔ جب اس نے خاص خزاریہ کو عبور کیا تو اس نے صرف ''عورتوں کا رونا اور کتوں کا بھونکنا'' سنا۔ کیا یہ محض اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کے لیے ایک مبالغہ تھا یا وہ ایک حالیہ کُم آن کے چھاپے کی وجہ سے تباہ حال علاقے کو عبور کر رہا تھا؟ 1170ء اور 1185ء کے درمیان کا زمانہ ہے؛ بارہویں صدی کے اختتام پر کُم آن اب بیابانوں کے ہمہ جائی حکمران تھے۔ جیسے ہی ہم تیرھویں صدی میں داخل ہوتے ہیں، تاریکی بڑھتی جاتی ہے اور یہاں تک کہ ہمارے معمولی ذرائع بھی خشک ہو جاتے ہیں۔ لیکن کم از کم ایک حوالہ ہے جو نہائت باوثوق ہے۔ یہ خزاروں کا بحیثیت قوم آخری ذکر ہے اور تاریخ میں یہ 7-1245 کے درمیان کا زمانہ ہے۔ منگولوں نے اس وقت

کومانوں کو یوریشیا سے نکال کر دنیا کی عظیم ترین خانہ بدوش سلطنت قائم کی جو ہنگری سے چین تک پھیلی ہوئی تھی ۔1245ء میں پوپ انوسنٹ چہارم نے منگول سلطنت کے مغربی حصہ کے حکمران چنگیز خان کے پوتے باتو خان کو ایک سفارت بھیجی تاکہ اس نئی عالمی طاقت کے ساتھ مفاہمت کے امکانات تلاش کرنے کے علاوہ بلاشبہ اس کی فوجی طاقت کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔اس مشن کا سربراہ ساٹھ سالہ فرانسسکن راہب جوآنس ڈی پلانو کارپینی تھا جو اسیسی کے سینٹ فرانسس کا ہم عصر اور شاگرد ہونے کے علاوہ ایک تجربہ کار مسافر اور کلیسائی سفارت کار بھی تھا جو کلیسائی حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ چکا تھا۔ایسٹر کے دن 1245ء کو کولون سے روانہ ہونے والا مشن جرمنی سے گزرتا ہوُا نیپر اور ڈان کو عبور کر گیا۔ایک سال بعد باتو خان اور اس کے تاتاری سنہری جتھے کے دارالحکومت وولگا خلیج میں قصبہ سرائے باتو، عرف ساکسن پہنچے۔مغرب میں واپسی کے بعد کارپینی نے اپنا نامور ہسٹوریکا مونو گولورم لکھا۔جن علاقوں کا اس نے دورہ کیا تھا ان کے متعلق تاریخی، نسلی اور فوجی معلومات کی فراوانی کے علاوہ ان علاقوں میں رہنے والوں کی فہرست بھی تھی جس میں شمالی قفقاز کے لوگوں کی مردم شماری بھی تھی۔وہ الانوں اور سرکیسینوں کے ساتھ "یہودی مذہب کے پرستار خزاروں" کا ذکر کرتا ہے۔یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ پردہ گرنے سے پہلے یہ ان کا آخری ذکر ہے۔ان کی یاد ختم ہونے میں کافی وقت لگا۔ جینوآ اور وینس کے تاجر کریمیا کو "گزاریہ" کے طور پر حوالہ دیتے رہے اور یہ نام سولہویں صدی تک اطالوی دستاویزات میں ملتا ہے۔اس وقت یہ محض ایک گمشدہ قوم کے جغرافیائی نام کی یاد منانا تھا۔

باب 9

انہوں نے سیاسی طاقت کھونے کے بعد بھی غیر متوقع جگہوں اور مختلف لوگوں پر خزار۔۔یہودی اثر و رسوخ کے نشان چھوڑے۔ان میں سلجوق بھی تھے جنہیں مسلم ترکی کے حقیقی بانی کہا جاسکتا ہے۔ دسویں صدی کے آخر میں غزوں کی یہ دوسری شاخ جنوب کی طرف بخارا کے قرب وجوار میں منتقل ہو گئی تھی جہاں سے انہیں بعد میں بازنطینی ترکی میں ابھرنا اور اسے نو آبادی بنانا تھا۔وہ ہماری کہانی میں براہِ راست داخل نہیں لیکن پچھلے دروازے سے داخل ہوتے ہیں، کیونکہ ایسا لگتا ہے کہ عظیم سلجوق خاندان کا خزاروں کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔خزار تعلق کی اطلاع بار ہیبرا کس(86 - 1226)نے دی ہے جو عظیم ترین شامی مصنفین اور علماء میں سے ہے؛جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہودی نژاد تھا، لیکن اس نے عیسائیت اختیار کی اور بیس سال کی عمر میں اسقف بنا۔ بار ہیبرا کس کا بیان ہے کہ

سلجوق کا والد توکک خِزارہ کیگن کی فوج میں ایک کمانڈر تھااور یہ کہ اس کی موت کے بعد سلجوق خاندان کے بانی کی پرورش کیگن کے دربار میں ہوئی۔ لیکن وہ ایک پرجوش نوجوان تھااور جس نے کیگن سے بلااجازت چند کام کئے جن پر خاتون ملکہ نے اعتراض کیا۔ سلجوق کو نتیجتاً" دربار چھوڑناپڑایااس پر پابندی لگادی گئی۔24

ایک اور معاصر مآخذ، ابن العدیم تاریخِ حلب میں سلجوق کے والد کا ذکر "خِزارہ ترکوں کے نامور" کے طور پر کرتا ہے؛" 25 جبکہ تیسرا، ابن حسول، 26 بیان کرتاہے کہ سلجوق نے "خِزاروں کے بادشاہ پر تلوار چلائی اور عصائے شاہی سے مارا..." ہمیں ابن فضلان کے سفر نامے میں غزوں کا خزاروں کے ساتھ شدید متضاد رویہ بھی یاد ہے۔

یوں لگتاہے کہ خِزاروں اور سلجوق خاندان کے بانیوں کے درمیان گہرا تعلق رہاہے جو بعد میں ٹوٹ گیا۔ یہ غالباً سلجوقیوں کا اسلام قبول کرنے کی وجہ سے تھا (جبکہ دیگر غز قبائل، جیسے کُومان کافر رہے)۔ سلجوق کے چار بیٹوں میں سے ایک کو خصوصی یہودی نام اسرائیل دیا گیا؛ اور ایک پوتے کا نام داؤد (ڈیوڈ) تھا۔ ڈنلپ عموما" ایک بہت محتاط مصنف، رائے دیتاہے: جو کچھ پہلے کہا جاچکاہے اس کے پیش نظر رائے یہ ہے کہ غزوں کے مقتدر خزاری خاندانوں میں مذہبی اثرورسوخ کی وجہ سے یہ نام اختیار کئے گئے ہیں۔ قزوینی کا مذکور غزوں کا "مَعبد" شاید ایک یہودی عبادت گاہ رہاہو۔27 ہم یہاں یہ اضافہ کرسکتے ہیں کہ بمطابق آرٹامونوف خصوصا" غز کی دوسری شاخوں جیسے کومانوں میں یہودی نام بھی آئے۔ کومان شہزادہ کوبیاک کے بیٹے اسحاق اور پوتے کو دانیال کے نام سے بلایا جاتا تھا۔

باب 10

جہاں مورخین کے وسائل ختم ہوجائیں تو افسانوی اور لوک داستانیں مفید اشارے فراہم کرتی ہیں۔ دی پرائمری رشین کرانیکل کو راہبوں نے مرتب کیا تھا؛ یہ مذہبی غور و فکر اور بائبل کے طویل انحراف سے بھراپڑا ہے۔ کلیسائی تحریریں جس پر یہ مبنی ہے، کے متوازی کِیف دور نے ایک غیر مذہبی ادب بھی تیار کیا جسے نام نہاد پرانی روسی رزمیہ نظم یا لوک گیت جو اکثر عظیم جنگجوؤں اور نیم افسانوی شہزادوں کی مہمات سے متعلق ہیں۔ "دی لے آف ایگورس ہوسٹ"، جس کا ذکر پہلے ہی کیا جاچکاہے، اس لیڈر کی کُومان سے شکست سب سے زیادہ مشہور ہے. بائلینا زبانی روایت کے ذریعہ منتقل کیا گیا تھااور" ورناڈسکی کے مطابق "بیسویں صدی کے آغاز میں شمالی روس کے دوردراز دیہات میں زبانی ترسیل کے ذریعے کسان اب بھی ترنم سے گاتے تھے۔ 28 رشین کرانیکل کے برعکس یہ رزمیہ نظمیں خِزاروں یا ان کے ملک کا نام لے کر ذکر نہیں کرتیں؛ اس کے بجائے وہ "یہودیوں کے ملک" کی بات کرتے

ہیں اور اس کے باشندوں کو بطور "یہودی ہیرو"، جنہوں نے بیابانوں پر حکومت کی اور روسی شہزادوں کی فوجوں سے جنگیں لڑیں۔ ہمیں رزمیہ نظموں سے پتہ چلتا ہے کہ ایسا ہی ایک ہیرو دیو پیکر یہودی تھا جو "زملیا جیدڑوسکا یا سے کوہ سوروچن کے نیچے سیسر کے بیابانوں تک آیا اور صرف ولادیمیر کے جنرل الیامرومیٹز کی بہادری نے فوج کو یہودیوں سے بچا لیا۔ 29" اس کہانی کی کئی روایات ہیں اور سیسر اور ماؤنٹ سوروچن کے محل وقوع کی تلاش نے مورخین کو ایک اور دلچسپ کھیل فراہم کیا۔ لیکن، جیسا کہ پولیاک نے اشارہ کیا ہے، کہ " قابل غور بات یہ ہے کہ روسی عوام کی نظر میں اس کے پڑوسی خزاریہ کا آخری دور محض 'یہودی ریاست' اور اس کی فوج یہودی فوج تھی۔" 30 یہ روسی نکتہ ءنظر عرب وقائع نویسوں میں رجحان سے کافی مختلف ہے جو خزاری فوجوں میں مسلم کرائے کے فوجیوں کی اہمیت اور مساجد کی تعداد پر زور دیتے ہیں (یہودی عبادت گاہوں کو گننا بھول گئے)۔ وہ افسانے جو قرون وسطیٰ کے یہودیوں کے متعلق مغرب میں گردش کرتے ہیں وہ روسی رزمیہ نظم سے عجیب مماثلت پیش کرتے ہیں۔ بارِد گر پولیاک کا حوالہ: "مقبول یہودی افسانہ 'خِزارہ' بادشاہت نہیں بلکہ سرخ یہودیوں 'کی بادشاہت یاد ہے۔"

بیرن نے تبصرہ کیا: دوسرے ممالک کے یہودی ایک آزاد یہودی ریاست کے وجود سے خوش تھے۔ مشہور تخیل کو یہاں ایک خصوصا" زرخیز میدان ملا۔ انجیلی ذہن رکھنے والے سلووانک رزمیہ داستانیں خِزاروں کے بجائے "یہودیوں" کا ذکر کرتے ہیں، لہذا کیا مغربی یہودیوں نے طویل عرصے بعد ان "سرخ یہودیوں" کے گرد رومانوی کہانیاں بنائیں، شاید اس وجہ سے کہ بہت سے خِزاروں کی کی رنگت معمولی سی منگولوی ہے۔ 31

باب 11

خِزاروں کے ساتھ منسلک نیم افسانوی، نیم تاریخی لوک داستانوں کا ایک اور حصہ جدید دور تک زندہ رہا اور بنجمن ڈزرائیلی کو اس قدر مسحور کیا کہ اس نے تاریخی رومانس کے لیے 'دی ونڈرس ٹیل آف الروئے' کو بطور مواد استعمال کیا۔ بارہویں صدی میں خِزاریہ میں ایک مسیحی تحریک پیدا ہوئی، ایک یہودی صلیبی جنگ کی ابتدائی کوشش جس کا مقصد ہتھیاروں کے زور پر فلسطین فتح کرنا تھا۔ اس تحریک کا محرک ایک خِزاری یہودی، سلیمان بن دوجی (یا روحی یا رائے) تھا جس کی مدد اس کے بیٹا مناہم اور ایک فلسطینی یہودی عالم نے کی۔ "انہوں نے قرب وجوار میں تمام علاقائی یہودیوں کو خطوط لکھے،.... جن میں بیان کیا کہ وہ وقت آگیا ہے جب خدا اسرائیل کو جمع کرے گا، تمام ممالک سے لوگ مقدس شہر یروشلم میں جمع ہوں گے، اور سلیمان بن دوجی ایلیاہ تھا اور اس کا بیٹا مسیح۔" [اس تحریک کے اہم

ذرائع ٹوڈیلا کے مسافر یہودی بنیامین کی ایک رپورٹ ہیں۔(اوپر دیکھیں،8، II)؛عرب مصنف یحیی المغربی کاایک مخالفانہ بیان اور قاہرہ جینیزا سے دو عبرانی نسخے ہیں(اوپر دیکھیں 7، II)۔جو اسے ایک مبہم موزیک بناتے ہیں؛میں نے بیرن کی محتاط تشریح اخذ کی ہے(جلد III، صفحہ 204؛جلد IV، صفحہ 4-202.[اور یادداشتیں)۔]

یہ التجائیں بظاہر مشرق وسطیٰ میں یہودی برادریوں سے کی گئی تھیں اور ایسا لگتا ہے کہ اس کا بہت کم اثر ہوُا کیونکہ اگلی قسط تقریباً بیس سال بعد آئی جب نوجوان مناہم نے ڈیوڈ الرائے نام کا لبادہ اوڑھ کر مسیحا کا لقب اختیار کیا۔ اگرچہ تحریک کا آغاز خزاریہ سے ہوُا،اس کا مرکز جلد ہی کردستان منتقل ہو گیا۔ یہاں ڈیوڈ نے غالباً" مقامی یہودیوں کی کافی مسلح فوج جمع کی اور خزاروں نے بھی مدد فراہم کی جس سے وہ موصل کے شمال مشرق میں عمادی کے فوجی قلعے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوُا، جسے یہاں سے غالباً" لڑتے ہوئے فوج کو ایڈیسا سے براستہ شام مقدس سرزمین تک پہنچنے کی امید تھی۔ مختلف مسلم فوجوں کے درمیان مسلسل خانہ جنگی اور بتدریج صلیبی گڑھ کی شکست وریخت کے پیش نظر یہ مہم شاید اس سے قدرے کم منصوبہ بازی معلوم ہوتی جتنی اب لگتی ہے،اس کے علاوہ، شائد مقامی مسلمان کمانڈروں نے عیسائی صلیبی لڑاکوں کے خلاف یہودی صلیبی جنگ کے امکان کا خیر مقدم کیا ہو۔ مشرق وسطےٰ کے یہودیوں میں ڈیوڈ نے یقینی طور پر مسیحی امیدوں کو جگایا۔ان کا ایک قاصد غالباً ضرورت سے زیادہ جوش کے ساتھ بغداد آیا اور یہودی شہریوں کو ہدایت کی کہ وہ ایک مخصوص رات کو ہموار چھتوں پر جمع ہوں جہاں سے وہ بادلوں پر سوار کرکے مسیحا کی طرف اڑائے جائیں گے۔ یہودیوں کی معقول تعداد نے وہ رات اپنی چھتوں پر معجزانہ پرواز کے انتظار میں گزاری۔ لیکن بغداد میں ربائی پیشواؤں نے حکام کی طرف سے انتقامی کارروائیوں کے خوف سے جعلی مسیحا کے ساتھ معاندانہ رویہ اختیار کیا اور اس پر پابندی لگانے کی دھمکی دی۔ یہ حیرت کی بات نہیں کہ مبینہ طور پر اس کے سسر نے بظاہر ڈیوڈ الرائے کو سوتے میں قتل کر ڈالا جسے کسی مفاد پرست فریق نے ایسا کرنے کیلئے رشوت دی تھی۔ اس کی یاد مابعد واجب التعظیم بن گئی اور جب ٹوڈیلا کے بنیامین نے واقعہ کے بیس سال بعد فارس کا سفر کیا، "وہ اپنے رہنما کے متعلق پھر بھی شفقت و محبت سے بولے۔"،لیکن یہ فرقہ وہیں نہیں رکا۔ایک نظریہ کے مطابق چھ نکاتی "ڈیوڈ کی ڈھال" جو جدید اسرائیلی پرچم پر مزین ہے،تب سے قومی علامت بننا شروع ہوئی۔ یہ "تب سے،" بیرن لکھتا ہے، "قیاساً" چھ کونوں والی 'ڈیوڈ کی ڈھال'،بنیادی طور پر یہودیت کی بطور آرائشی خصوصیت یا جادوئی نشان اہم قومی مذہبی علامت بننا شروع ہوئی۔ طویل عرصے سے یہ مخمسی تارہ یا 'سلیمان کی مہر' کے ساتھ بطور متبادل استعمال کی جاتی ہے۔ تیرہویں صدی سے جرمن تحریروں میں اسے صوفیانہ اور اخلاقیات کے لحاظ سے ڈیوڈ سے منسوب کیا جاتی تھی اور یہ پراگ میں یہودی

پرچم پر نمودار ہوئی۔1527ء"32بیرن اسے ایک حوالے کی یادداشت سے ملحق کرتا ہے کہ ال رائے اور چھ نکاتی ستارے کے درمیان "تعلق اب بھی مزید وضاحت اور ثبوت کا محتاج ہے"۔البتہ یہ ہو سکتا ہے، ہم یقینی طور پر بیرن کے اس قول سے متفق ہو سکتے ہیں جو اسی پر خزاریہ کے باب کا اختتام کرتا ہے:

مشرق میں اس کے وجود اور بعد کے پانچ سو سال کے دوران یورپی گروہوں میں یہودی ریاست کے اس قابل ذکر تجربے نے بلاشبہ یہودی تاریخ پر ہمارے تصور سے کہیں زیادہ اثر ڈالا۔

حوالہ جات

1رشین کرانیکل، صفحہ۔2.84ڈنلوپ(1954)، صفحہ۔a2.238ڈنلوپ(1954)کے حوالے سے، صفحہ۔2 10۔ b2ڈنلوپ(1954)کے حوالے سے، صفحہ 211-12۔3زکی ولیدی۔4رشین کرانیکل، صفحہ۔84. a 4 ibid،p. 84.5Ibid،p.جاؤ.6Toynbee،Op. cit.،p. 451.7رشین کرانیکل، صفحہ۔94. 8 Ibid،p. 97.9Ibid،p. 97.10Ibid،p. 98.11Ibid،p. 111.

12Ibid،p. 112،13ورناڈسکی.جی(1948)، صفحہ 29۔33۔14ڈی ایڈمرڈسٹرینڈو، سی ایچ ایس۔10-12۔ 15ٹوئن بی، ص۔16.508دفن، اوپی..cit،p. 414.17Op،cit.،p. 250۔

18ڈنلوپ(1954)کا حوالہ، صفحہ۔19.245ذکی ولیدی، ص۔20.206احمد طوسی(بارہویں صدی)، جس کا حوالہ زکی ولیدی، ص۔205. 21ڈنلوپ(1954)، صفحہ۔22.249بیرن۔والیوم چہارم، ص۔174.

23ڈنلوپ(s419)کے حوالے سے، صفحہ۔24.251Kievo Pechershii Paterik، جس کا حوالہ بیرن، والیوم۔چہارم، ص۔192. 25ڈنلوپ(1954)کے حوالے سے، صفحہ۔260۔26کا حوالہ زکی ولیدی، صفحہ۔143. 27Ibid، ص.xxvii.28ڈنلوپ(1954)، صفحہ۔29.261ورناڈسکی، صفحہ۔44. 30پولیاک، چوہدری.31VII لوکcit32بیرن.، جلد. بیار، ص.33.204بیرن، لوک.cit

ورثہ بمقابلہ خروج

باب 1

پچھلے صفحات میں منقول شواہد اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ انیسویں صدی کے مورخین کے روایتی نکتہ ء نظر کے برعکس روسیوں کے ہاتھوں شکست کے بعد خزاروں نے 965ء میں سلطنت کھو دی، لیکن بہت محدود

سرحدوں کے اندر آزادی اور یہودی عقیدہ تیرہویں صدی تک برقرار رکھا، یہاں تک کہ غالبا'' قدرے ان کی قدیم غارت گری کی عادت بھی عود کر آئی۔ بیرن کا تبصرہ:

محدود خزاری سلطنت ثابت قدم رہی۔ اس نے کم و بیش تیرہویں صدی کے وسط تک تمام دشمنوں کے خلاف مؤثر دفاع کیا یہاں تک کہ عظیم منگول جنگیز خان کے حملے کا شکار ہو گئی۔ اپنے تمام پڑوسیوں کے ہتھیار ڈالنے تک متمردانہ مزاحمت کی۔ اس کی آبادی زیادہ تر اس سنہری جتھے میں جذب ہو گئی تھی جس نے خزاری علاقے میں سلطنت کا مرکز قائم کیا تھا۔۔ عظیم منگول معاشرتی انقلاب سے پہلے اور بعد خزاروں نے بہت سی شاخیں آزاد سلاوی علاقوں میں بھیجیں جنہوں نے مشرقی یورپ کے عظیم یہودی مراکز کی تعمیر میں مدد فراہم کی۔ 1

ہمارے پاس جدید یہودیت کا عدد'' مضبوط ترین اور ثقافتا'' غالب گہوارہ ہے۔ "دیگر شاخیں" بیرن نے جن کا حوالہ دیا ہے، منگولوں کے ہاتھوں خزاری ریاست کی تباہی سے بہت پہلے بکھر چکی تھیں، جیسے یروشلم کی تباہی سے بہت پہلے قدیم عبرانی قوم کا بیرون وطن بکھراؤ کا آغاز ہو چکا تھا۔ نسلی طور پر دریائے اردن کے سامی اور وولگا پر ''میلوں دور "ترکو۔۔ خزارہ قبائل میں کم از کم دو اہم تشکیلی عوامل مشترک تھے۔ ہر ایک مرکزی مقام پر مقیم تھے جہاں مشرق و مغرب، شمال و جنوب کے عظیم تجارتی راستے ملتے تھے؛ ایک ایسی صورت حال جس نے انہیں تاجر قومیں بننے کا امکان پیدا کیا۔ مہم جو مسافر یا "بے خانماں ہر دیسی"۔۔ ان پر مخالفانہ پروپیگنڈے نے سرد مہری سے لیبل لگا دیا لیکن ساتھ ہی ان کے خصوصی مذہب نے یک جا اور تنہا رہنے کے رجحان کی پرورش کی، اپنے مقامات پر اپنی برادری قائم کرنے کیلئے شہر میں عبادت، اسکول، رہائشی غریب یہودی بستیاں (خود مسلط کردہ) بسانا، یا وہ جہاں کہیں کسی بھی قصبے یا ملک میں سکونت پذیر ہوں۔ آوارہ گردی اور یہودی غریبانہ ذہنیت کے اس نایاب امتزاج کو تقویت ملی، مسیحی امیدوں اور منتخب نسل کے تفاخر کے ذریعے قدیم اسرائیلیوں اور قرون وسطیٰ کے خزاروں میں یہ قدر مشترک ہے- اگرچہ مؤخر الذکر اپنا نسبی سراغ شیم کے بجائے یافث میں لگاتے ہیں۔۔

باب 2

یہ نسبت اس سے بخوبی واضح ہوتی ہے جیسے ہنگری میں خزاروں کا بے وطن ہونا کہا جا سکتا ہے۔ ہمیں یاد ہے کہ ان کی ریاست کی تباہی سے بہت پہلے کئی خزارہ قبائل جنہیں کبار کہا جاتا ہے، مگیاروں میں شامل ہو کر ہنگری کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس کے علاوہ دسویں صدی میں ہنگری کے ڈیوک ٹاکسونی نے اپنی مملکت میں خزارہ مہاجروں کو

دوسری ہجرت کیلئے مدعو کیا۔(اوپر دیکھیں، lll,9)۔دوصدی بعد جان سنامس، بازنطینی وقائع نویس، یہودی قانون کی پابندی کرنے والے فوجیوں کا تذکرہ کرتا ہے، جو ڈالمیشیا (1154.2ء) میں ہنگری کی فوج کے ساتھ لڑ رہے تھے۔

ممکن ہے کہ ہنگری میں رومنوں کے دور سے "حقیقی یہودیوں" کی بہت کم تعداد رہتی رہی ہو لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جدید یہودیوں کے اس اہم حصے کی اکثریت کی ابتدا کبار۔خزاروں کی مسلسل ہجرت سے ہوئی جو ہنگری کی ابتدائی تاریخ میں اہم غالب کردار ادا کرتی ہے۔کانسٹنٹائن بتاتا ہے کہ آغاز ہی سے ملک نہ صرف دولسانی تھا، لیکن اس میں مختلف خزاری نظام کی دوہری قسم کی بادشاہت بھی تھی: بادشاہ اپنے جنرل ان کمانڈ کو اقتدار میں شریک کرتا ہے جس کا لقب جولا یا گیولا ہوتا تھا (جو ہنگری میں آج بھی مقبول عام پہلا نام ہے)۔یہ نظام دسویں صدی کے آخر تک قائم رہا، جب سینٹ اسٹیفن نے رومن کیتھولک عقیدہ قبول کیا اور ایک باغی گیولا کو شکست دی۔جیسا کہ متوقع تھا ایک خزارہ تھا، "ایمان میں بیکار اور عیسائی بننے سے انکاری"3 اس واقعہ نے دوہری بادشاہت کا خاتمہ کر دیا، لیکن ہنگری میں خزارہ یہودی برادری کے اثر و رسوخ کو نہیں۔اس اثر کی عکاسی "گولڈن بُل" میں دیکھی جا سکتی ہے اور ہنگری میں میگنا کارٹا کے مساوی ہے جو 1222ء میں کنگ اینڈریے (اینڈریو) II کے عہد میں جاری کیا گیا جس میں یہودیوں کو ٹکسالی کاری گر، ٹیکس جمع کرنے والے اور شاہی حکمرانوں کی نمک پر اجارہ داری کے کارندے بننے سے منع کیا گیا تھا۔اس بات کا اشارہ ہے کہ اس حکم نامے سے پہلے بہت سے یہودی ان اہم عہدوں پر فائزرہ چکے ہوں گے۔ لیکن وہ اس سے بھی زیادہ اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔شاہ اینڈریے کی رائل چیمبر کی آمدنی کا نگران چیمبر لین کاؤنٹ ٹیکا جو امیر زمیں دار اور بظاہر ایک مالیاتی اور سفارتی عبقری ذہن کا مالک خزاری یہودی تھا۔مختلف امن اور مالیاتی معاہدے جن میں سے۔۔آسٹریا کے حکمران لیوپولڈ II کی طرف سے ہنگری کے بادشاہ کو 2،000 مارک کی ادائیگی کی ایک ضمانت پر اس کے دستخط نظر آتے ہیں۔یہ ایک ایسے ہی کردار کی بلا تردد یاد دلاتا ہے جو قرطبی خلیفہ کے دربار میں ہسپانوی یہودی حسدائی ابن شاپروت نے ادا کیا تھا۔مغرب میں فلسطینی بے وطنی سے ملتے جلتے ضمنی واقعات اور یورپ کے مشرق میں خزاری بے وطنی کے موازنہ سے ان کے درمیان مشابہت کم مہین ہے۔یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب بادشاہ اینڈریے کو اس کے باغی رئیسوں نے بے دلی سے گولڈن بُل جاری کرنے پر مجبور کیا تو اس نے بُل کی واضح قانونی دفعہ کے خلاف ٹیکا کو عہدے پر رکھا۔شاہی حاجب مزید گیارہ سال تک بخوشی اس عہدے پر فائز رہا، تاوقتیکہ بادشاہ نے پوپ کے دباؤ پر ٹیکا کو یہ مشورہ نہیں دیا کہ وہ مستعفی ہو جائے اور خود آسٹریا چلا جائے جہاں اس کا کھلے

عام استقبال کیا گیا۔ بادشاہ اینڈرے کے بیٹے بیلا IV نے پوپ سے اسے واپس بلانے کی اجازت حاصل کی۔ ٹیکا مناسب طریقے سے واپس آیا اور منگول حملے کے دوران ہلاک ہو گیا۔ [میں مسز سینٹ جی۔ سانڈرز کا احسان مند ہوں جس نے ٹیکا واقعہ کی طرف توجہ دلائی جسے خزاری ادب میں غالبا" نظر انداز کیا گیا ہے۔]4

باب 3

قرون وسطیٰ کے دوران ہنگری کی یہودی آبادی میں عددی اور سماجی طور پر خزاروں کے غالب عنصر کی ابتدا نسبتا" بخوبی دستاویزی شکل میں موجود ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ابتدائی میگیار۔۔۔ خزار تعلق کے پیش نظر ہنگری ایک خاص مقدمہ بنتا ہے لیکن ہنگری میں خزاروں کی آمد در حقیقت یوریشین میدانوں سے مغرب کی طرف، یعنی وسطی اور مشرقی یورپ کی طرف عام بڑے پیمانے پر نقل مکانی کا محض ایک حصہ تھی۔

خزارے واحد قوم نہیں تھے جس کے گروہ ہنگری میں وارد ہوئے۔ اسی طرح بڑی تعداد میں خود وہی پیشننیگ جنہوں نے کارپیتھیوں کے پار ڈان سے مگیار کا تعاقب کیا تھا، ہنگری کے علاقے میں آباد ہونے کی اجازت مانگنے پر تب مجبور ہوئے جب کومانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ اور کومان کا بھی وہی مقدر ٹھہرا جب ایک صدی بعد وہ منگولوں سے بھاگے۔

ہنگری کے کنگ بیلا نے ان میں سے تقریباً 40،000 کو "ان کے غلاموں سمیت" پناہ دی تھی۔ 5 یوریشیائی آبادی کی مغرب کی طرف، عموما" پر سکون دور میں ایسی عمومی نقل و حرکت ایک بلا مقصد بہاؤ سے زیادہ نہیں تھی؛ دوسرے اوقات میں یہ بھگدڑ بن جاتی تھی؛ لیکن منگول حملے کو بطور استعارہ زلزلے کے بعد نتیجتا" تودے کے ٹکڑے گرنا شمار کرنا چاہیے۔ چیف تیجومین، "جنگیز خان" جسے کرہ ارض کا مالک کل کہا جاتا ہے، کے جنگ جوؤں نے مزاحمت نہ کرنے کو بطور انتباہ، تمام شہری آبادیوں کا قتل عام کیا؛ ان کے ہراول دستے قیدیوں کو بطور زندہ ڈھال استعمال کرتے تھے؛ وولگا ڈیلٹا کا نظام آب پاشی تباہ کیا جس سے خزاری زمینیں چاول اور دیگر اشیائے خوردنی فراہم کرتی تھیں زرخیز علاقوں کو "جنگلی کھیتوں" میں کو تبدیل کر دیا جنہیں بعد میں روسیوں نے ڈیکوئیہ پول کا نام دیا۔۔۔

کسانوں یا چرواہوں کے بغیر ایک لامحدود جگہ جس میں صرف کرائے کے گھڑ سوار اِس یا اُس حریف حکمران کی خدمت میں حاضر ہونے یا وہ لوگ جو ایسی حکمرانی سے بچنے کیلئے استعمال کرتے تھے۔" 6 سابق خزاروں کا قفقاز، ڈان اور وولگا کے درمیان جہاں بیابانی تہذیب اپنی بلند ترین سطح پر پہنچ چکی تھی وہاں بربریت کا دوبارہ آغاز ملحقہ علاقوں کی

بنسبت زیادہ قوی تھا، جسے 8-1347ء کی طاعون نے بڑھتی ہوئی علاقائی تباہی کو تیز تر کر دیا۔ان علاقوں سے جیسا کہ بیرن نے لکھا: "محنتی یہودی کسانوں، کاریگروں اور تاجروں کی تباہی یا روانگی نے اپنے پیچھے جو خلا چھوڑا ان خطوں میں ان کی خانہ پری حال ہی میں شروع ہوئی ہے۔" 7 صرف خزار یہ ہی نہیں بلکہ وولگا بلگر ملک کے ساتھ الانس اور کومان کے آخری کاکیشین قلعے اور جنوبی روسی ریاستیں بشمول کیف تباہ کر دئے گئے تھے۔ سنہری جتھے کے حصے بخرے ہونے کے دوران چودھویں صدی کے بعد طوائف الملوکی بھی بدتر ہو گئی۔"اکثر یورپی بیابانوں سے ہجرت ان آبادیوں کی بقا اور معاش کی حفاظت کی خاطر واحد کھلا راستہ رہ گیا تھا۔" 8 محفوظ چراگاہوں کی طرف نقل مکانی کا وقفے وقفے سے جاری طویل عمل کئی صدیوں تک جاری رہا۔ خزاروں کا خروج عام حالات کا حصہ تھا۔ یہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس سے قبل یوکرین اور جنوبی روس میں مختلف جگھوں پر خزاری کالونیوں اور بستیوں کی بنیاد رکھی جا چکی تھی۔ روس کا خزاروں سے کیف کا قصبہ چھیننے سے بہت پہلے اور بعد میں وہاں ایک آسودہ حال یہودی برادری تھی۔ایسی کالونیاں پیری سلاوال اور شرنیگوف میں موجود تھیں۔کیف کے ایک رابائی موشے نے 1160ء کے قریب فرانس میں اور شرنیکوف کے رابائی ابراہم نے 1181ء میں تالمود سکول آف لنڈن سے تعلیم حاصل کی۔

"Lay of Igor's Host" میں کوگن نامی ایک مشہور ہم عصر روسی شاعر کا ذکر ہے جو ممکنہ طور پر کوہن (پادری) اور کیگن کا مجموعہ ہے۔9 سارکل کی تباہی کے کچھ عرصہ بعد جسے روس بیلاویزا کہتے تھے، خزاروں نے شرنیکوف کے قریب اسی نام کا ایک قصبہ تعمیر کیا تھا۔ 10 یوکرین اور پولینڈ میں قدیم جگھوں کے نام بکثرت ہیں جو "خزار" یا "زھد" (یہودی): زیڈوو، کوزارزویک، کوزارا، کوزارزو، زیدوسکا وولا، زائیڈ تیچ، سے اخذ کئے گئے ہیں۔ اور اسی طرح ہو سکتا ہے مغرب کی طرف اپنے طویل سفر کے دوران وہ کبھی دیہات ہوں یا خزارہ-یہودی برادریوں کے محض عارضی کیمپ۔11 جگھوں کے ایسے ہی نام کارپیتھین اور تاترا پہاڑوں اور آسٹریا کے مشرقی صوبوں میں بھی پائے جا سکتے ہیں یہاں تک کہ کراکاؤ اور سینڈو میئرز کے دونوں قدیم یہودی قبرستانوں جنہیں "کاوی اوری" کہا جاتا ہے ان کے متعلق گمان ہے کہ ان کی اصل بھی خزاری۔۔۔کباری ہے۔ خزاری خروج نے کھلے راستے سے مغرب کا رخ کیا لیکن لوگوں کے چند گروہ جو کریمیا اور قفقاز میں پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے وہاں یہودی محصور علاقے بنائے جو جدید دور تک قائم رہے.

تماترا کھا (تامان) کا قدیم خزاری قلعہ میں جو آبنائے کرچ کے پار کریمیا کے سامنے ہے ہم یہودی شہزادوں کے ایک خاندان کے بارے میں سنتے ہیں جنہوں نے پندرہویں صدی میں جینوآئی ۵ ریپبلک اور بعد میں کریمین تاتاروں

کے زیر سرپرستی حکومت کی۔ان میں سے آخری شہزادہ زکریا نے ماسکووی شہزادے کے ساتھ مذاکرات کیے۔60 اس نے زکریا کو روس آنے کی دعوت دی اور بپتسمہ لینے کے بدلے میں ایک روسی رئیس جیسی مراعات قبول کرنے کیلئے کہا لیکن زکریا نے انکار کیا، پولیاک نے رائے دی کہ "مسکووائٹ ریاست کے دیگر معاملات میں خزار۔۔۔ یہودی عناصر کا اعلیٰ عہدوں پر تعارف ان عوامل کی وجہ سے ہو سکتا ہے جو سولہویں صدی میں روسی پادریوں اور رئیسوں (Zhidovst-buyushtchik) کے درمیان 'یہودی بدعت' کے ظہور کا باعث بنے اور سبت اب بھی قزاقوں اور کسان عاملین کے فرقہ (Subbotniki) میں جاری وساری ہے۔"12 خزارہ قوم کے شمال مشرق میں آثار "پہاڑی یہودی" ہیں جو قفقاز میں دوسروں کے جانے کے بعد اصل مسکن میں پیچھے رہ گئے تھے۔ان کی تعداد غالباً" آٹھ ہزار کے لگ بھگ ہے اور وہ پرانے زمانے کے کیپچکوں اور اوغزوں کی دیگر قبائلی باقیات کے قریب رہتے ہیں۔وہ اپنے آپ کو ٹاٹ زبان میں، جو انہوں نے کسی دوسرے کا کیشین قبیلے سے سیکھی، داغ چفوتی (ہائی لینڈ کے یہودی) کہتے ہیں؛اس کے علاوہ ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔[مندرجہ بالا معلومات حالیہ سوویت ذرائع پر مبنی A. H. Kniper's کے آرٹیکل، Caucasus, People of 1973 میں Enc. Brit کی پرنٹنگ کے ذریعے منظر عام پر آئیں۔

جارج ساوا کی کتاب، "بھولے ہوئے لوگوں کی وادی (لندن، 1946)" میں ایک مطلوبہ دورے کی تفصیل سے مترشح ہوتا ہے کہ پہاڑی یہودی جذباتی۔۔خوشگوار انجام قسم کے ڈراموں سے مالا مال ہیں لیکن [افسوس ناک حد تک حقائق سے عاری۔] خزاری کریمیا میں دیگر محصور علاقوں میں بچ رہے اور بلاشبہ ان علاقوں میں بھی جو کبھی ان کی سلطنت کا حصہ تھے لیکن پولش۔لتھوانیا کے علاقوں میں خزارہ ہجرت کے مرکزی دھارے کے مقابلتاً" یہ اب تاریخی تجسس سے زیادہ نہیں ہیں جو تاریخ دانوں اور ماہرین بشریات کیلئے سنگین مسائل بن رہے ہیں۔

باب 4

مشرقی وسطی یورپ کے وہ علاقے جن میں خزاری یہودی تارکین وطن کو بظاہر محفوظ نیا گھر ملا، انہوں نے صرف الف اول کے اختتام پر سیاسی اہمیت حاصل کرنا شروع کی تھی۔962 ء کے قریب کئی سلاوونک قبائل نے طاقت ور ترین پولانوں کی قیادت میں اتحاد قائم کیا جو پولش ریاست کا مرکز بن گیا۔پولینڈ کی شہرت کا عروج خزار کے زوال (سارکل 965ء میں تباہ کر دیا گیا) کے وقت سے شروع ہوا۔یہ اہم بات ہے کہ پولینڈ سلطنت کی بنیاد سے متعلق ان

کی قدیم ترین داستانوں میں یہودیوں نے اہم کردار ادا کیا۔۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ جب اتحادی قبائل نے فیصلہ کیا کہ ان سب پر حکمرانی کے لیے ایک بادشاہ منتخب کیا جائے تو انہوں نے ایک یہودی کا انتخاب کیا جس کا نام ابراہیم پروکونِک تھا۔13 وہ شاید ایک امیر اور تعلیم یافتہ خزارہ سوداگر تھا جس کے تجربے سے پس ماندہ گنوار سلاووں کو فائدہ کی امید تھی یا صرف ایک افسانوی شخصیت؛ لیکن اگر ایسا ہے تو اس افسانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس قسم کے اہل یہود کو بہت زیادہ عزت دی جاتی تھی۔ بہر حال، کہانی آگے بڑھتی ہے، ابراہیم نے غیر رسمی شائستگی کے ساتھ پیاست نامی ایک مقامی کسان کے حق میں تاج سے استعفیٰ دے دیا اور یوں تاریخی پیاست سلاطین کا بانی بن گیا جس نے پولینڈ پر 962ء سے 1370ء تک حکمرانی کی۔ ابراہم پروچونک کا وجود تھا یا نہیں، اس بات کے بہت سے اشارے موجود ہیں کہ خزاریہ سے آنے والے یہودی تارکین وطن کو ملکی معیشت اور حکومتی انتظامیہ کے لیے بطور ایک قیمتی اثاثہ خوش آمدید کہا۔

پیاست فرماں رواؤں کے تحت پولشوں اور ان کے بالٹک پڑوسی، لتھوانیائی، دونوں قومیں 1386ء میں شروع ہونے والے معاہدوں کے سلاسل سے پولینڈ کی سلطنت میں متحد ہوئیں۔ میں اختصار کی خاطر دونوں ممالک کیلئے "پولش یہودی" کی اصطلاح استعمال کروں گا، اس حقیقت سے قطع نظر کہ پولینڈ اٹھارویں صدی کے آخر میں روس، پروشیا اور آسٹریا کے درمیان تقسیم ہوا اور اس کے باشندے سرکاری طور پر ان تینوں ممالک کے شہری بن گئے۔ شاہی روس کے اندر در حقیقت مغربی علاقوں میں یہودی 1792ء کے بعد سے محدود تھے جو پولینڈ اور یوکرین کے ملحقہ علاقوں کو شامل کرنے پر منطبق ہوتا ہے۔ [یعنی سابقہ پولینڈ کے علاقے کے اندر] یہودیوں کے صرف چند مراعات یافتہ طبقوں کو حدود سے باہر رہنے کی اجازت تھی جو 1897ء کی مردم شماری کے مطابق اندرونِ حدود تقریباً پچاس لاکھ جب کہ مقابلتاً" بیرونِ حدود صرف دو لاکھ تھے۔ انہوں نے تیزی سے اپنی سرحدیں وسیع کیں چونکہ نو آبادیات بسانے اور شہری تہذیب کے آغاز کیلئے تارکین وطن کی سخت ضرورت تھی۔ انہوں نے پہلے جرمن کسانوں، شہریوں اور کاریگروں اور بعد میں سنہری جتھے کے مقبوضہ علاقوں سے تارکین وطن کی حوصلہ افزائی کی، [1241-42ء میں منگولوں نے پولینڈ اور ہنگری پر بھی مختصر سا حملہ کیا تھا لیکن قبضہ نہ کیا بشمول آرمینیائی، جنوبی سلاو اور خزارے، جس نے ان کی مستقبل کی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا۔]۔ یہ تمام ہجرتیں رضاکارانہ نہیں تھیں جن میں جنگی قیدیوں کی بڑی تعداد شامل تھی، جیسے کریمیا کے تاتاری جنہیں مفتوح جنوبی صوبوں میں لتھوانیائی اور پولش

جاگیر داروں نے کاشت کاری کیلیئے رکھا گیا(چودھویں صدی کے آخر میں لتھوانیائی سلطنت بالٹک سے بحیرہ اسود تک پھیلی ہوئی تھی)

پندرھویں صدی میں بازنطیم کے فاتحیں عثمانی ترکوں نے شمال کی طرف پیش قدمی کی تو جاگیر داروں نے سرحدی علاقوں سے اپنے لوگوں کو اپنی جاگیروں میں مزید اندرون ملک منتقل کر دیا۔14اس طرح زبردستی منتقل ہونے والی آبادیوں میں یہودی اہل تورات کا ایک طاقت ور بنیاد پرست یہودی فرقہ کا دستہ تھا جس نے ربائی تعلیم کو مسترد کر دیا تھا۔ایک روایت کے مطابق جو اہل تورات کے درمیان جدید دور تک زندہ رہا ہے کہ چودھویں صدی کے آخر میں ان کے آباؤ اجداد کو لتھوانیائی جنگجو شہزادہ ویٹاؤٹاس (ویٹولڈ) کریمیا میں سلحات سے جنگی قیدی 15بنا کر پولینڈ لایا گیا تھا۔اس روایت کے حق میں یہ حقیقت ہے کہ ویٹولڈ نے 1388ء میں ٹروکی کے یہودیوں کو حقوق کا ایک چارٹر دیا اور فرانسیسی سیاح ڈی لانوئی کو وہاں "بہت بڑی تعداد میں یہودی" ملے جو جرمنوں اور مقامی۔16لوگوں سے مختلف زبان بولتے تھے۔یہ ترکی زبان کی ایک بولی تھی جو اب بھی مستعمل ہے جو در حقیقت زندہ زبانوں میں lingua cumanica کے قریب ترین زبان تھی، جو سنہری جتھے کے وقتوں میں خزاروں کے سابقہ علاقوں کی بولی تھی۔ Zajaczkowski کے مطابق، 17تروکی، ولنا، پونیویز، لوٹزک اور ہیلیچ میں زندہ بچ جانے والی اہل تورات برادریوں میں تقریر اور دعا کے وقت یہ زبان اب بھی استعمال ہوتی ہے۔اہل تورات کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ 1710ء کی عظیم طاعون سے قبل پولینڈ اور لتھوانیا میں ان کی بتیس یا سینتیس برادریاں تھیں۔وہ اپنی قدیم بولی کو "کیدار کی زبان" کہتے ہیں- جیسے بارھویں صدی میں ربائی پٹیکیا نے بحیرہ اسود کے شمال میں ان کے مسکن کو "کیدار کی سرزمین " کہا تھا۔اسے ان کے متعلق یہ کہنا ہے کہ سبت کے دن اندھیرے میں بیٹھنا، ربائی تعلیم سے لاعلمی۔۔۔ان کے فرقہ وارانہ رویہ پر منطبق ہوتا ہے۔اسی مناسبت سے زجاکز کوسکی، ممتاز عصری ماہر ٹرکولوجسٹ، لسانی نکتہ نظر سے اہل تورات کو خزار کے قدیم ترین موجودہ دور کے نمائندوں کے طور پر مانتا ہے۔18ان وجوہات کے بارے میں جن کی وجہ سے اس فرقہ نے اپنی زبان کو تقریباً ۵۰۰ سال تک محفوظ رکھا، جبکہ خزاری یہودیوں کے مرکزی ادارے نے اسے یڈش زبان کے حق میں قربان کر دیا،اس کے متعلق مزید بعد میں کہا جائے گا۔

باب 5

پولینڈ کی بادشاہت نے اپنے آغاز ہی سے پیاسٹ کے سلسلہ ء بادشاہی کے تحت سمت کا تعین مغربی ہمسائیوں کی طرف کیااور رومن عیسائیت کواپنایا لیکن مغربی ہمسائیوں کے مقابلتا'' ثقافتی اور اقتصادی طور پر یہ ایک پس ماندہ ملک تھا۔اس لیے مغرب سے جرمن، مشرق سے آرمینیائی اور خزار یہودی تارکین وطن کو راغب کرنے کی پالیسی اپنائی اور انہیں ان کی مہم جوئی کے لیے ہر ممکن طریقے سے حوصلہ افزائی کی، بشمول شاہی فرمان جس میں ان کے فرائض اور خصوصی مراعات کی تفصیل ہے۔1264ء میں بولیسلاو دی پایئس کے جاری کردہ فرمان جس کی تصدیق کیسمیر دی گریٹ نے کی، یہودیوں کو1334ء میں اپنی عبادت گاہوں، اسکولوں اور عدالتوں کو برقرار رکھنے کا حق دیا؛ غیر منقولہ جائیداد رکھ سکتے اور کوئی بھی چنندہ تجارت یا پیشہ اپنا سکتے تھے۔بادشاہ سٹیفن بتھوری(86-1575ء) کے حکم کے تحت یہودیوں کو اپنی پارلیمنٹ قائم کرنے اور سال میں دو بار ملنے اور اپنے ہم مذہبوں پر ٹیکس لگانے کا اختیار دیا گیا۔

اپنے ملک کی تباہی کے بعد خزارہ یہودیوں کی تاریخ کے نئے باب کا آغاز ہوُا۔ان کی مراعات یافتہ حالت کے متعلق ایک حیرت انگیز مثال پوپ کے فرمان میں دی گئی ہے جو تیرہویں صدی کے دوسرے نصف میں غالباً پوپ کلیمنٹ چہارم نے پولینڈ کے بلانام شہزادہ سے خطاب کیا۔اس دستاویز میں پوپ یہ بتاتا ہے کہ رومن حکام پولش شہروں میں یہودی عبادت گاہوں کی کافی تعداد میں موجودگی سے بخوبی واقف ہیں، درحقیقت صرف ایک شہر میں پانچ عبادت گاہوں سے کم نہیں۔[غالبا'' بروکلا یا کراکاؤ میں] وہ اس حقیقت پر افسوس کا اظہار کرتا ہے کہ یہ عبادت گاہیں گرجا گھروں سے زیادہ اونچے بتائی جاتی ہیں۔پرشکوہ اور مرصع اور جن کی چھتیں جستئی رنگین پتروں سے مزین ہیں جن سے ملحقہ کیتھولک گرجا گھر مقابلتا'' مفلس نظر آتے ہیں۔(یہ مسعودی کے شادمان تبصرہ کی یاد دلاتا ہے کہ مرکزی مسجد کا مینار سب سے اونچی عمارت تھی)۔پاپائی فرمان میں شکایات کی مزید توثیق پاپا کے خصوصی سفیر کارڈینل گائیڈو، مورخہ 1267ء کے فیصلے سے ہوتی ہے، یہ شرط کہ یہودیوں کو ایک شہر میں ایک سے زیادہ عبادت گاہ کی اجازت نہ دی جائے۔ہم ان دستاویزات سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں جو تقریباً خزاریہ پر منگول فتح سے ہم زمانی ہیں کہ اگران کے کئی شہروں میں ایک سے زیادہ عبادت گاہیں تھیں تو پولینڈ میں اس وقت پہلے سے ہی خزارے کافی تعداد میں موجود ہوں گے؛ اور یہ کہ انہیں اس قدر "پرشکوہ اور مرصع" بنانے کے لیے وہ کافی خوش حال ہوں گے۔اس سے ہمیں اس

سوال کی ترغیب ملتی ہے کہ پولینڈ میں خزارہ نقل مکانی کی اندازا'' تعداد اور ساخت کیا ہو گی۔ تعداد کے متعلق ہماری رہنمائی کے لیے کوئی قابل اعتماد معلومات نہیں ہیں۔ ہمیں یاد ہے کہ مسلم۔۔۔ خزارہ جنگوں میں ملوث عرب ذرائع خزاری فوجوں کی تعداد تین لاکھ بتاتے ہیں۔ (باب اول، 7)؛ اور یہاں تک کہ اگر مبالغہ آرائی کو لگام دی جائے تب بھی اس سے کل خزاری آبادی کا کم از کم نصف ملین تک کا اشارہ ملتا ہے۔ ابن فضلان نے وولگا بلگاروں کے خیموں کی تعداد 50،000 بتائی، جس کا مطلب 300،000 یا 400،000 کی آبادی ہو گی، یعنی تقریباً اسی قدر جتنی خزاروں کی تھی۔ دوسری طرف جدید مورخین نے بھی سترہویں صدی کی پولش۔ لتھوانیائی مملکت میں یہودیوں کی تعداد تخمینا'' 500،000 (کل آبادی کا 5 فیصد) بتائی ہے۔ 19 یہ اعداد و شمار یوکرین کے براستہ پولینڈ۔ لیتھوانیا بتدریج طویل خزارہ ہجرت کے بارے میں معلوم حقائق کے ساتھ ایسی ہی بری مطابقت نہیں رکھتے ہیں۔ سارکل کی تباہی اور پیاسٹ خاندان کے عروج سے شروع ہو کر صدی کے اختتام تک منگول فتح کے دوران تیزی سے اور کم و بیش پندرہویں۔ سولہویں صدی میں ہجرت مکمل ہوئی۔ اس وقت تک بیابان خالی کر دیئے گئے تھے اور خزاروں کو بظاہر صفحہء ہستی سے مٹا دیا گیا تھا۔ [سترہویں صدی میں شمیلنکی کے زیر کمان کوسکوں کی بغاوت نے نیپر میں خزاروں کے آخری قدیم گاؤں تک برباد کر دئے اور زندہ بچ جانے والوں نے پولینڈ۔ لیتھوانیا کے پہلے سے موجود آباد علاقوں میں یہودیوں کی تعداد میں مزید اضافہ کر دیا۔]

آبادی کی یہ منتقلی مجموعی طور پر پانچ یا چھ صدیوں کے قطرئی بہاؤ کو محیط تھی۔ اگر ہم باز نطیم اور مسلم دنیا سے یہودی پناہ گزینوں کی معقول آمد کو مد نظر رکھیں جو خزاریہ میں داخل ہوئی اور خزاروں کی معمولی سی اپنی آبادی بھی بڑھی تو یہ بظاہر معقول معلوم ہوتا ہے کہ اگر خزاروں کی آٹھویں صدی میں آبادی کے چوٹی کے اعداد و شمار کا سترہویں صدی کے پولینڈ کی یہودی آبادی سے موازنہ کیا جائے تو ہماری لاعلمی کے صدقے چند لاکھ کی کمی بیشی کی بنیاد پر موازنہ قرین صحت ہو گا۔ ان نمبروں میں ایک ستم ظریفی پنہاں ہے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا کے مضمون "اعداد و شمار" کے مطابق سولہویں صدی کی دنیا میں یہودیوں کی کل آبادی تقریباً ایک ملین تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ اس بات کی نشان دہی کرتی ہے، جیسا کہ پولیاک، کٹشیر 20 اور دیوسروں نے اشارہ کیا ہے کہ قرون وسطیٰ کے دوران یہودی عقیدے کے دعوے داروں کی اکثریت خزاری تھی۔ اس اکثریت کا اہم حصہ پولینڈ، لتھوانیا، ہنگری اور بلقان چلا گیا جہاں انہوں نے مشرقی یہودی برادری کی طرح ڈالی جو نتیجتا'' دنیا کے یہودیوں کی غالب اکثریت بن گئی۔

یہاں تک کہ اگر اس برادری کا اصل حصہ دوسرے خطوں سے آنے والے تارکین وطن کے ذریعے کمزور بھی ہوُا اور بڑھا بھی (نیچے ملاحظہ کریں) تو اسے بنیادی طور پر خِزاری- ترکی سے مشتق معلوم ہونے کی حمایت میں مستحکم ثبوت اور کم از کم سنجیدہ بحث کے قابل ایک نظریہ کے طور پر شمار کرنا چاہیئے. خصوصا'' خِزارہ عنصر، نہ کہ مغرب سے تارکین وطن کی وجہ سے، پولینڈ اور بقیہ مشرقی یورپ میں یہودی برادری کی ترقی میں اہم کردار کو منسوب کرنے کی اضافی وجوہات پر اس کے بعد کے ابواب میں بحث کی جائے گی۔

یہاں غالبا'' پولش مؤرخ ایڈم ویٹولانی کا حوالہ دینا مناسب ہو گا کہ پولینڈ کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ ان قدیم ترین بستیوں کی بنیاد خِزارہ ریاست اور روس سے مہاجر یہودیوں نے رکھی تھی جبکہ جنوبی اور مغربی یورپ میں آنے اور بسنے والے یہودیوں کی آمد بعد میں شروع ہوئی... اور یہ کہ کم از کم یہودی آبادی کے کچھ تناسب کا آغاز (پچھلے دور میں، بڑا حصہ) مشرق، خِزارہ ملک اور بعد میں کیوین روس سے ہوُا۔ 21

باب 6

ضخامت کے ضمن میں بس اتنا ہی۔ ہم خِزارہ تارکین وطن کی برادری کے سماجی ڈھانچے اور ساخت کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟ پہلا تاثر جو ملتا ہے وہ ابتدائی دور میں ہنگری اور پولینڈ میں خِزارہ یہودیوں کے بعض مراعات یافتہ عہدوں کے درمیان ایک حیرت انگیز مماثلت ہے۔ ہنگیرین اور پولش دونوں ذرائع ان یہودیوں کا حوالہ دیتے ہیں جو ٹکسال کے ماسٹر، شاہی محصول کے منتظمین، نمک کی اجارہ داری کے کنڑولر، ٹیکس جمع کرنے والے اور روپیہ قرض دینے والے "- یعنی بینکرز" تھے۔ یہ مماثلت ان دو تارکین وطن برادریوں کی مشترکہ اصل کی قیاس پر مبنی ہے؛ جیسا کہ ہم ہنگری کے زیادہ تر یہودیوں کی اصلیت کا سراغ میگیار- خِزار کڑیوں سے لگا سکتے ہیں، نتیجہ خود ہی بول اٹھتا ہے۔ دونوں ممالک کی ترقی پذیر اقتصادی زندگی کے ابتدائی اندراجات مہاجر یہودیوں کے کردار کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہ اہم بات حیران کن نہیں کیونکہ ماضی میں غیر ملکی تجارت اور کسٹم ڈیوٹی عائد کرنا خِزاروں کی آمدنی کا بنیادی ذریعہ رہا تھا۔

ان کے پاس وہ تجربہ تھا جس کی ان کے نئے میزبانوں میں کمی تھی، لہٰذا منطقیانہ طور پر دربار اور امراء کے مالی معاملات کے انتظام میں مشورہ دینے اور حصہ لینے کے لیے بلایا گیا۔ بارہویں اور تیرہویں صدی میں عبرانی حروف میں پولش تحریروں میں ڈھالے سکے (دیکھیں باب II، 1) ان سرگرمیوں کے قدرے عجیب و غریب تبرکات ہیں۔

ان کی خدمت کا عین مقصد اب تک ایک معمہ ہے۔ چند ایک پر ایک بادشاہ کا نام (مثال کے طور پر لیزیک میز کو)، دوسروں پر "ہاؤس آف ابراہام بن جوزف دی پرنس" کندہ کیا ہوا ہے (غالبا"ڈھالنے والا۔۔۔ خود بینکر)، یا صرف دعائے خیر کا ایک لفظ: "قسمت" یا" برکت" ظاہر کرتے ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہنگری کے معاصر ذرائع بھی یہودی مالکان کے فراہم کردہ چاندی سے سکے بنانے کے عمل کی بات کرتے ہیں-22 مغربی یورپ کے برعکس مالیات اور تجارت ہی یہودی سرگرمیوں کے میدان نہ تھے۔ پولینڈ میں کچھ امیر مہاجر، ہنگیرین نواب ٹیکا جیسے زمیندار بن گئے۔ یہودی کاشت کاروں کا ایک پورا گاؤں یہودیوں کی زمینوں پر مشتمل ہے، مثلا" بریسلاؤ کے آس پاس 1203 23-ء سے پہلے اور وہاں کے ابتدائی دنوں میں درج ہے کہ خزاری کسان کافی تعداد میں ہوں گے جیسا کہ قدیم خزارہ جگہ کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان میں سے کچھ گاؤں کیسے وجود میں آئے ہوں گے اس سے پہلے مذکورہ اہل تورات اندراجات کے ذریعے اس کی ایک دلکش جھلک فراہم کی گئی ہے؛ وہ بیان کرتے ہیں کہ پرنس وٹولڈ نے کیسے "کراسنا" کے جنگی قیدیوں کے ایک گروہ کو آباد کیا جنہیں ڈیڑھ میل کے فاصلے پر مکانات، باغات اور زمین فراہم کی گئی۔
("کراسنا" کی شناخت غیر یقینی طور پر پوڈولیا میں چھوٹے یہودی شہر کراسنویا سے کی گئی ہے۔) 24 یہودی برادری کو کاشت کاری میں کوئی مستقبل نظر نہ آیا جس کی کئی وجوہات تھیں۔ چودھویں صدی میں جاگیرداری کے عروج نے رفتہ رفتہ پولینڈ میں کسانوں کو غلاموں میں بدل دیا، انہیں اپنا گاؤں چھوڑنے پر پابندی لگا دی اور نقل و حرکت کی آزادی سے محروم کر دیا۔ اسی وقت کلیسیائی نظام مراتب اور جاگیرداروں کے مشترکہ دباؤ کے تحت پولینڈ کی پارلیمنٹ نے 1496ء میں یہودیوں کو زرعی اراضی کے حصول سے منع کر دیا۔ لیکن زمین سے بیگانگی کا عمل اس سے بہت پہلے شروع ہو چکا ہو گا۔ ان مذکورہ وجوہات کے علاوہ مذہبی امتیاز، آزاد کسانوں کا غلاموں کی طرف تنزل کے ساتھ زراعتی خزاری قوم کا بنیادی طور پر شہری برادری میں تبدیل ہونا ہجرتوں کی تاریخ میں ایک عام رجحان کی عکاسی کرتا ہے۔
ایک طرف مختلف موسمی حالات اور کاشت کاری کے طریقوں کا سامنا کرنا اور دوسری طرف پیش کردہ آسان زندگی کے غیر متوقع مواقع کے ساتھ شہری تہذیب کا میسر آنا، تارکین وطن کی چند نسلوں کے اندر آبادیوں میں اپنے پیشہ ورانہ ڈھانچے کو تبدیل کرنے کا رجحان بنا۔ نئی دنیا میں ابروزی کسانوں کی اولاد ویٹر بن گئی اور ریسٹورانوں والے پولینڈ کے کسانوں کے پوتے انجینئر یا نفسیاتی ماہرین بن سکے۔ [نوآبادیات کی خاطر انتہائی ترقی یافتہ علاقوں سے غیر ترقی یافتہ علاقوں کی نئی زمینوں پر ہجرت کرنے والوں پر نتیجہ برعکس نکلتا ہے۔] خزارہ یہودیوں کا پولش یہودیوں میں تبدیل ہونا ماضی سے ٹوٹنے یا شناخت کا نقصان سفاکانہ حد تک نہیں تھا۔ یہ تبدیلی ایک بتدریج، نامیاتی عمل تھا جیسا کہ پولیک

نے باوثوق طریقے سے دکھایاہے جہاں خزاروں نے نئے ملک میں اجتماعی زندگی کی چند اہم روایات کو محفوظ رکھاہے جوزیادہ تر ایک سماجی ڈھانچے کے ظہور کے ذریعے حاصل کی گئیں یاطرز زندگی جو دنیامیں بے وطن بکھرے لوگوں کے علاوہ اور کہیں نہیں پائی جاتی:

یہودیوں کا چھوٹے شہر، عبرانی میں ایارا، یڈش میں شٹیٹل اور پولش میں میاسٹیک، یہ تینوں مختصر نام ہیں جو ضروری نہیں کہ سائز میں چھوٹے پن کا حوالہ بنیں (کچھ چھوٹے شہر کافی بڑے قصبات تھے) جو میونسپل حکومت کی خوداختیاری کے محدود حقوق سے متمتع ہوئے۔ چھوٹے شہر کو غلطی سے غریب یہودی بستی نہ سمجھ بیٹھیں، مؤخرالذکر ایک گلی یا کوارٹر پر مشتمل تھی جن یہودیوں کو غیر یہودی شہر میں حدود کے اندر رہنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ سولہویں صدی کے دوسرے نصف کے بعد سے لے کر عیسائی اور اکثر مسلمان دنیامیں ہر جگہ یہودیوں کا عالم گیر مسکن ایسا ہی تھا کہ چار دیواری سے گھری یہودی غریب بستی کے دروازے رات کو بند کر دئے جاتے تھے جس نے تنگ جگہوں میں گھرا رہنے کے خوف اور ذہنی افزائش نسل کے ساتھ ہی مصیبت کے وقت نسبتا" تحفظ کے احساس کو بھی جنم دیا۔ حجم میں چونکہ توسیع نہیں ہوسکتی تھی، گھر لمبے اور کم چوڑے تھے جس کی وجہ سے مستقبل میں زیادہ بھیڑ نے حفظان صحت کے شرم ناک حالات پیدا کیے۔ ایسے حالات میں رہنے والے لوگوں کیلئے اپنی عزت نفس کو برقرار رکھنے کیلئے بڑی روحانی طاقت کی ضرورت تھی جو سبھی میں نہیں تھی۔

دوسری طرف قصبے ایک بالکل مختلف قسم تھی۔ ایک آبادی جو، جیسا کہ پہلے کہا گیا، دنیامیں صرف پولینڈ۔ لیتھوانیا کے سوا کہیں اور موجود نہیں تھی۔ یہ ایک خود ساختہ ملک کا شہر تھا جس میں خصوصا" یازیادہ تر یہودی آبادی تھی۔ چھوٹے شہر کی ابتداء غالباً تیرھویں صدی سے ہوئی جو گمشدہ کڑی کی نمائندہ ہوسکتی ہے، جیسا کہ یہ خزاریہ کے بازاری شہروں اور پولینڈ میں یہودی بستیوں کے درمیان تھی۔ ان نیم دیہی، نیم شہری اجتماعات کا معاشی اور سماجی نظام دونوں ممالک میں ایک جیسا رہا ہے۔ انہوں نے پہلے خزاریہ اور پھر پولینڈ کے بڑے شہروں اور دیہی علاقوں کی ضروریات کیلئے درمیان میں تجارتی سٹوروں یا بازاروں کا سلسلہ فراہم کیا جن کے باقاعدہ میلے لگتے تھے جہاں بھیڑوں، مویشیوں کے ساتھ ساتھ قصبوں میں بنا سامان اور دیہی صنعتوں کی مصنوعات فروخت کی جاتی تھیں یا اشیاء کا باہمی تبادلہ کیا جاتا تھا؛ ساتھ ہی یہ وہ مراکز تھے جہاں کاریگر اپنے دستکاریوں، لکڑی کے پہیہ سازوں سے لے کر لوہاروں کے علاوہ چاندی کا کام کرنے والے، درزی، کوشر قصاب، چکی چلانے والے، نانبائی اور شمع دان بنانے والے تھے۔ ناخواندگان کے لیے خط لکھنے والے، معتقدوں کے لیے عبادت گاہیں، مسافروں کے لیے سرائیں تھیں اور ایک ہیڈر، عبرانی میں، "کمرہ"،

جوایک اسکول چلانے کے کام آتا تھا۔ سفری کہانی سنانے والے تھے اور عوامی رزمیہ شعراء (ان کے چند نام، جیسے ویلول زبرزہر، محفوظ کیے گئے ہیں)۔ 25 پولینڈ میں شٹٹل سے شٹٹل تک سفر کرتے ہیں، اگر کسی کو مشرقی لوگوں میں کہانی سنانے والوں کی آج تک بقاء کا فیصلہ کرنا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ پہلے سے خزاریہ میں تھے۔ پولینڈ میں چند خاص پیشے عملی طور پر یہودیوں کی اجارہ داری بن گئے۔ کوئی لکڑی کا کاروبار کر رہا تھا جو یاد دلاتا ہے کہ خزاریہ میں لکڑی اہم تعمیراتی اور برآمد مواد تھی؛ دوسرا ٹرانسپورٹ تھا۔ پولیاک لکھتا ہے۔ 26 کہ "چھوٹے شہروں کے گھنے جال نے تیار کردہ سامان یہودی ساختہ گھوڑا گاڑی کے بذریعہ تمام ملک میں شاندار طریقے سے تقسیم کرنا ممکن بنایا ۔اس قسم کی نقل وحمل کی برتری، خصوصا" ملک کے مشرق میں ایک مجازی اجارہ داری جیسی تھی کہ عبرانی لفظ گاڑی بان کے لیے، با،ال اگالاہ [لفظی طور پر "گاڑی کا ماسٹر"] روسی زبان میں بالا گولا کے طور پر شامل کیا گیا۔ انیسویں کے دوسرے نصف میں صرف ریلوے کی ترقی اس تجارت میں تنزل کا باعث بنی۔ "اب یہ مہارت مغربی یہودیوں کی غریب بستیوں میں یقینا" شاہی گاڑی بنانے اور گاڑی بانی کا ارتقاء نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ بلاشبہ خزار کی اصل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہودی غریب بستیوں کے لوگ نشستنی لوگ تھے جب کہ خزارے دوسرے نیم خانہ بدوش لوگوں کی طرح اپنے خیموں، دیگر سامان اور اثاثہ جات بشمول شاہی خیمے جن کا سائز ایک سرکس برابر ہوتا ہے، کی نقل وحمل کے لیے گھوڑوں یا بیل گاڑیوں کا استعمال کرتے تھے جو کئی سو لوگوں کی نشست کیلئے موزوں تھے۔ وہ یقینا" جانتے تھے کہ اپنے نئے ملک کے ناہموار ترین راستوں سے کیسے نپٹنا ہے۔ دوسرے خصوصا" یہودیوں کے پیشے سرائے چلانا، آٹے کی چکیاں چلانا اور قیمتی بال دار کھالوں کی تجارت کرنا تھے۔۔۔ ان میں سے کوئی بھی یورپ کی یہودی غریب بستیوں میں نہیں پایا جاتا تھا۔ پولینڈ میں یہودی چھوٹے شہر کے ڈھانچہ کا وسیع خاکہ ایسا ہی تھا۔ ایسی چند خصوصیات کسی بھی ملک کے پرانے بازار والے شہروں میں پائی جاسکتی ہیں؛ دوسری خزاری بستیوں کے بارے میں جو ہم جانتے ہیں اگرچہ بہت کم ہیں لیکن اس کے ساتھ زیادہ مخصوص وابستگی ظاہر کرتی ہیں جو شاید پولش چھوٹے شہر کا اصل نمونہ تھیں۔ ان مخصوص خصوصیات میں قدیم ترین باقیات میں پندرہویں اور سولہویں صدی میں چھوٹے شہر کی چوبی "پگوڈا طرز" کی عبادت گاہوں کو شامل کرنا چاہیئے جو مکمل طور پر فن تعمیر کے مقامی انداز اور عمارت کے طرز تعمیر دونوں سے مختلف ہے جو مغربی یہودی اور بعد میں پولینڈ کی یہودی غریب بستیوں میں نقل کئے گئے۔ قدیم ترین چھوٹے شہر کی عبادت گاہوں کی اندرونی سجاوٹ بھی مغربی غریب بستی کے انداز سے بالکل مختلف ہے۔ چھوٹے شہر کی عبادت گاہ کی دیواریں اسلامی بیل بوٹوں سے ڈھکی ہوئی تھیں اور جانوروں کی تصاویر کے ساتھ جو مگیار۔۔ خزار

نوادرات پر فارسی اثر ورسوخ کی خصوصیت کی وجہ سے تھیں، آرائشی انداز جو پولینڈ میں آرمینیائی تارکین وطن کے ذریعے لایا گیا۔ 27 پولش یہودیوں کا روایتی لباس بھی بلاشبہ مشرقی نژاد ہے۔ عام لمبا ریشمی کفتان پولینڈ کے امراء کے پہنے کوٹ کی نقالی ہو سکتی ہے جو خود سنہری جتھے کے منگولوں کے لباس کی نقل تھا۔ فیشن سیاسی اداروں کے پار سفر کرتے ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ کفتان اس سے بہت پہلے بیابانی خانہ بدوش پہنتے تھے۔ سر کی ٹوپی (یار مولکا) کو آج تک تقلیدی یہودی، ازبک اور دیگر سوویت یونین میں ترک عوام پہنتے ہیں۔ کھوپڑی کی ٹوپی کے اوپر مرد فر سے بنی گول ٹوپی پہنتے تھے، لومڑی کی کھال سے دیدہ ریزی سے بنائی گئی گول ٹوپی، جسے خزاروں نے خاصکوں سے نقل کیا تھا یا اس کے برعکس۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، لومڑی اور سیبل کی کھال کی تجارت جو خزاریہ میں پھل پھول رہی تھی، پولینڈ میں یہودیوں کی ایک اور مجازی اجارہ داری بن گئی۔ خواتین کے لئے خصوصا'' انیسویں صدی کے وسط تک، ایک لمبی سفید پگڑی جالوک کی ہو بہو نقل تھی جو خاصک اور ترکمان خواتین پہنتی ہیں۔ 28 (قدامت پسند یہودی مستورات آج کل پگڑی کے بجائے اپنے بالوں سے بنی ایک وگ پہنتی ہیں جو شادی کے وقت منڈوائی جاتی ہے۔) اس تناظر میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ گو قدرے مشکوکانہ۔۔۔ پولش یہودیوں کا عجیب گیفیلٹ (بھری ہوئی) مچھلی کیلئے ذوق، ایک قومی ڈش جسے پولش غیر یہودیوں نے اپنایا۔ "مچھلی نہیں"، کہاوت ہے، "تو سبت بھی نہیں۔" کیا یہ کیپیین پر گذری زندگی کی یادوں سے ماخوذ تھا؟ مچھلی کہ ان کی خاص غذا تھی؟ چھوٹے شہر میں زندگی کو یہودی ادب اور لوک داستانوں میں رومانوی پرانی یادوں کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ اس طرح ہم نے اس کے رسم ورواج کے ایک جدید سروے میں اس کے باشندوں کا سبت کا دن خوشگوار انداز سے منانے کے بارے میں پڑھا ہے۔ 29

کوئی جہاں بھی ہو، وہ اپنے خاندان کے ساتھ سبت کا استقبال کرنے کے لیے وقت پر گھر پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ گاؤں گاؤں گھومنے والا بساطی، سفر کرنے والا درزی، جوتا بنانے، گانٹھنے والا، سفر پر نکلا سوداگر، سب منصوبہ بندی کریں گے، دھکم پیل کریں گے، جلدی کریں گے، کوشش کریں گے کہ جمعہ کی شام غروب آفتاب سے پہلے گھر پہنچ جائیں۔ جب وہ گھر کی طرف بھاگتے ہیں تو چھوٹے شہر کی گلیوں سے منادی کی پکار سنائی دیتی ہے، "یہودی حمام میں جائیں!" عبادت گاہ کا ایک کام کرنے والا، شمّیس کلیسا کے معمولی افسر اور نوکر کا مجموعہ ہے۔ وہ اپنی طرف سے کہنے کے بجائے تحکمانہ انداز سے بات کرتا ہے، جب وہ بلاتا ہے کہ "یہودیو حمام میں جاؤ" تو وہ انہیں ایک حکم ربّی کی طرف بلا رہا ہے۔

چھوٹے شہر میں زندگی کی سب سے واضح پکار میں مارک شگال کی پینٹنگز اور سنگی طباعتوں میں حقیقت اور خیالی تصور مخلوط ہے جہاں بائبل کی علامتیں شانہ بشانہ داڑھی والا کوڑا گھماتا ہوا گاڑی بان، کفتان اور یر مولکہ والے پُر حسرت رابائیوں کے ساتھ دکھائی دیتی ہیں۔ یہ ایک عجیب معاشرہ تھا، جو اس کی عجیب و غریب اصلیت کی عکاسی کرتا تھا۔

ابتدائی چھوٹے شہر جو غالباً جنگی قیدیوں نے آباد کئے، جیسے ٹروکی کے اہل تورات جنہیں پولش اور لتھوانی رؤسا اپنی خالی زمینوں پر آباد کرنے کے لیے بے چین تھے۔ لیکن ان بستیوں کی اکثریت "جنگلی کھیتوں" سے دور عام نقل مکانی کی وجہ سے تھی جو صحراؤں میں تبدیل ہو رہے تھے۔ "منگول فتح کے بعد"، پولیاک نے لکھا، "جب سلاو گاؤں مغرب میں خانہ بدوشی کی زندگی بسر کر رہے تھے تو خزاری چھوٹے شہر بھی ان کے ساتھ ہو لئے۔ "30 نئی بستیوں کے علم بردار غالباً امیر خزاری تاجر تھے جو پولینڈ کے ارد گرد مسلسل ہنگری میں تجارتی راستوں پر اکثر سفر کرتے تھے ۔"، ہنگری میں میگیار اور کبار کی ہجرت نے پولینڈ میں خزاروں کی بڑھتی ہوئی آبادیوں کی پگڈنڈی کو روشن کر دیا: اس نے پولینڈ کو یہودی برادریوں والے دو ممالک کے درمیان ایک ٹرانزٹ ایریا میں تبدیل کر دیا۔ "31 سفر کرنے والے تاجر دوبارہ آباد کاری کے ممکنہ علاقوں کے حالات سے واقف تھے جہاں زمین داروں کو کرایہ داروں کی تلاش میں رابطہ کرنے کا موقع ملا۔ "مالک مکان ایسے امیر اور معزز یہودی لوگوں کے ساتھ معاہدہ کرے گا۔ (ہمیں ابراہیم پروکونک کی یاد دلائی جاتی ہے)" جیسے وہ اس کی جائیداد پر آباد ہو کر دیگر آباد کاروں کو لائیں گے۔ وہ اصولاً" اس جگہ سے لوگوں کا انتخاب کریں گے جہاں وہ رہتے تھے۔ "32 یہ نو آبادیاں کسانوں، دستکاروں اور خاص پیشے کے کاری گروں پر مشتمل خود کفیل ہوں گی۔ اس طریقے سے خزاری چھوٹے شہر کی پیوند کاری پولش چھوٹا شہر بن جائے گی۔ کاشت کاری آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گی، لیکن اس وقت تک بدلے ہوئے حالات سے موافقت مکمل ہو چکی ہو گی۔ اس طرح جدید یہودیوں کے مرکز نے پرانی ترکیب کی پیروی کی:

نئے افق کی طرف قدم بڑھائے لیکن ایک ساتھ رہ کر۔

حوالہ جات

1 بیرن، جلد.III، ص.Anonimi Gesta 3.p. 212،Ibid.2.206

5۔ "ٹیکا" مضمون، یونیورسل جیوش انسائیکلوپیڈیا، ص4f188 کا حوالہ دیا گیا، Macartney،Hungarorum

ڈنلوپ(1954)، صفحہ۔262، پولیاک 6، چوہدری.IX 7بیرن، جلد. بیمار، ص.8.206 پولیاک، چوہدری.IX

9پولیاک، چوہدری.VII؛بیرن، والیوم. بیمار، ص.218اور نوٹ۔Brutzkus, Jewish Enc10.
مضمون"چاسرین"۔11شیپر۔12پولیاک، چوہدری.13IXبیرن، جلد. بیمار، ص.217اور نوٹ۔14پولیاک،
چوہدری.IX 15Ibid.16Ibid.17پولیاک کے حوالے سے،IX .18ch Zajaczkowski،
Dunlopکی طرف سے حوالہ،222 .p.19ویلٹولانی۔A.(1962)، صفحہ۔278.20پولیک۔op cit،
Kutschera،H.(1910).21ویتولانی، ص۔274. 22ویتولانی، صفحہ276-7؛بیرن، والیوم. بیمار، ص.
218اور نوٹ؛پولیاک، اوپر.23citبیرن، والیوم۔ بیمار، ص.219.
24پولیک، چوہدری.VII 25این سی۔ برٹ،1973پرنٹنگ،'یدش لٹریچر'۔Op. cit.26،ch. 111.
Ibid27.Ibid28.Ibid29.Zborowski, M., and Herzog, E. (1952), p. 41.
30پولیاک، چوہدری. بیمار.31Ibid،ch. VII.32Ibid،ch. بیمار.

VI

کہاں سے؟

باب 1

ہمارے سروے سے دو بنیادی حقائق سامنے آتے ہیں: خزارہ قوم کا اپنے تاریخی مسکن سے غائب ہونا اور بے وطن ہو کر بکھرنے کے آغاز سے اب تک شمال مغرب سے ملحقہ علاقوں میں بیک وقت اہل یہود کا سب سے بڑی تعداد میں جمع ہونا۔ یہ دونوں چونکہ واضح طور پر جڑے ہوئے ہیں، مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ خزاریہ سے ہجرت نے پولینڈ کے یہودیوں کے اضافہ میں اہم کردار ادا کیا ہوگا-ایک نتیجہ جس کی تائید پچھلے ابواب میں شواہد سے کی گئی ہے لیکن انہیں اس شراکت میں تعداد کے متعلق خاص یقین نہیں ہے۔۔۔ خزارہ ہجرت کی تعداد کا موازنہ مغربی یہودیوں کی آمد کا ان کے متعلقہ حصہ کے ساتھ اور علی الترتیب جدید یہودی برادری کی نسلی تکمیل میں ان کا حصہ؛ یہ بات تنازعات سے بالا ہے یا بالفاظ دیگر یہ حقیقت کہ خزاروں نے کافی تعداد میں پولینڈ میں ہجرت کی۔ سوال یہ ہے کہ کیا وہ نئی بستی کا ضخیم حصہ تھے یا صرف اس کا مرکزی حصہ، جیسا کہ یہ تھا۔ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے ہمیں مغرب سے "اصل یہودیوں" کی ہجرت کے حجم کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنا چاہیے۔

باب 2

الف اول کے اختتام پر مغرب کی سب سے اہم یورپی یہودی بستیاں فرانس اور رائن لینڈ میں تھیں۔[اسپین کے یہودیوں کو شمار نہیں کرتے جن کا ایک الگ زمرہ ہے جنہوں نے ان ہجرت کی تحریکوں میں حصہ نہیں لیا جس کے متعلق ہم سوچ بچار کر رہے ہیں۔] ان میں سے چند آبادیاں غالباً" رومی دور میں قائم ہو چکی تھیں، چونکہ یروشلم کی تباہی اور رومی سلطنت کے زوال کے درمیان یہودی اس کے زیر اقتدار بہت سے بڑے شہروں میں آباد ہو چکے تھے اور بعد میں اٹلی اور شمالی افریقہ سے تارکین وطن کے ذریعے ان کو تقویت ملی۔ اس طرح ہمارے پاس نویں صدی سے یہودی برادریوں کے تمام فرانس میں نارمنڈی سے پرووِنس اور بحیرہ روم تک کے ریکارڈ موجود ہیں۔. یہاں تک کہ نارمن کے حملے کے ساتھ ہی ایک گروپ رودبار عبور کر کے انگلینڈ تک پہنچا جسے بظاہر ولیم فاتح اول نے مدعو کیا تھا کیونکہ اسے ان کے سرمائے اور کاروبار کی ضرورت تھی۔ بیرن نے ان کی تاریخ کا خلاصہ کیا ہے:

بعد میں انہیں "شاہی سود خوروں" میں تبدیل کر دیا گیا جن کا فرض منصبی سیاسی اور اقتصادی منصوبوں کے لیے قرض فراہم کرنا تھا۔ اعلیٰ شرح سود کے ذریعے بہت سی دولت جمع ہونے کے بعد یہ ساہوکار کسی نہ کسی شکل میں شاہی خزانہ کے مفاد کے لیے اگلنے پر مجبور کر دئے جاتے تھے۔ بہت سے یہودی خاندانوں کی طویل المدت خوش حالی، ان کی رہائش اور لباس میں خیرہ کن شان و شوکت اور عوامی معاملات پر ان کے اثر و رسوخ نے تجربہ کار مبصرین تک کو تمام مقروض طبقوں میں بڑھتی ہوئی ناراضگی اور یہودیوں کا شاہی طبقات پر حفاظت کیلئے خصوصی انحصار نے پوشیدہ گہرے خطرات سے اندھا کر دیا۔ بے اطمینانی کی گرج جو 90–1189ء میں پر تشدد بلوے پھیلنے پر اختتام پذیر ہوئی، آخری سانحے کیلئے پیش آگاہی تھی: 1290ء میں ملک بدری۔ تابناک عروج کی بے دخلی اور اس سے بھی زیادہ سوا دو سو سال کے مختصر عرصے (1066-1290)ء میں تیزی سے انگریزی یہودیوں کے زوال سے الف ثانی کے اہم پہلے نصف میں تمام مغربی یہودیوں کی تقدیر کی تشکیل میں بنیادی عوامل کو نمایاں اطمینان نصیب ہوا۔ 2

انگریزی مثال سبق آموز ہے، کیونکہ براعظم میں یہودی برادریوں کی ابتدائی تاریخ کے مقابلتاً" یہ غیر معمولی طور پر بخوبی مرقوم ہے۔ ہم اس سے یہ اہم سبق حاصل کرتے ہیں کہ یہودیوں کا سماجی و اقتصادی اثر و رسوخ ان کی چھوٹی تعداد کے تناسب سے بہت زیادہ تھا۔ انگلینڈ میں 1290ء میں ان کے اخراج سے پہلے بظاہر کسی بھی وقت 2،500 سے زیادہ یہودی نہیں تھے۔[جوزف جیکبز کا مسلّم سروے انجیوین انگلینڈ کے مندرج یہودیوں کے خاندانی ناموں

اور دیگر دستاویزات پر مبنی ہے۔[بحوالہ بیرن، جلد۔ چہارم، ص۔ 77۔]اس چھوٹی سی یہودی برادری نے قرون وسطےٰ کے انگلینڈ کے معیشی نظام میں پولینڈ کے مقابلتا" یہودی تعداد نے مثالی کردار ادا کیا۔ پولینڈ کے برعکس معمولی کاریگروں، نچلے متوسط طبقے کے کاریگروں، دستکاروں، ٹھیلے والوں اور سرائے میں استقبال کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد میں فراہمی کیلئے چھوٹے شہروں کے نیٹ ورک پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ لوگوں سے لاتعلق تھا۔ اس اہم مسئلے پر انگوین انگلینڈ نے مغربی براعظم میں ارتقا کا لب لباب پیش کیا۔ فرانس اور جرمنی کے یہودیوں کو ویسی ہی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا:

ان کی پیشہ ورانہ درجہ بندی غیر متوازن اور اوپر سے بھاری تھی۔ ہر جگہ نتیجتا" ایک جیسے واقعات کا الم ناک سلسلہ چل نکلا۔ پر ملال کہانی ہمیشہ ماہ عروسی سے شروع ہو کر طلاق اور خوں ریزی پر ختم ہوتی ہے۔ یہودیوں سے شروع میں خصوصی فرامین، مراعات، احسانات کے ذریعے لاڈ پیار کیا جاتا ہے۔ وہ درباری کیمیادانوں کی طرح مقبول شخصیت کے حامل ہیں کیونکہ معیشت کے پہیوں کو رواں رکھنے کا راز ان ہی کے پاس ہے۔ سیسل روتھ نے لکھا "قرون وسطیٰ میں مغربی یورپ کی تجارت، غلاموں کی تجارت سمیت، زیادہ تر یہودیوں کے ہاتھ میں تھی اور کیرولینگیین میں یہودی اور مرچینٹ تقریباً بطور متبادل اصطلاحات استعمال میں تھیں۔"3 لیکن مقامی تجارتی طبقے کی ترقی کے ساتھ وہ آہستہ آہستہ نہ صرف اکثر پیداواری پیشوں بلکہ تجارت کی روایتی اقسام سے بھی خارج ہو گئے اور صحیح معنوں میں ان کے لیے صرف ایک ہی میدان کھلا رہ گیا تھا جو سود پر سرمایہ دینا تھا۔ یہودی ملک کی تیرتی دولت کو چوس لیتے تھے جو سرکاری خزانہ وقتاً فوقتاً ان سے اگلوالیتا تھا۔.."4 شائیلاک کا نقش اول شیکسپیئر کے زمانے سے بہت پہلے قائم ہو چکا تھا۔ پرسکون ابتدائی دور کے دنوں میں شارلمین نے 797ء میں بغداد میں ہارون الرشید کی طرف دوستی کے معاہدے پر بات چیت کیلئے ایک یادگاری سفارت بھیجی تھی۔ سفارت یہودی اسحاق اور دو عیسائی امراء پر مشتمل تھی۔ انجام تلخ اس وقت ہوا جب 1306ء میں فلپ لی بیل نے فرانس سلطنت سے یہودیوں کو ملک بدر کر دیا۔ اگرچہ بعد میں کچھ لوگوں کو واپس آنے کی اجازت دی گئی لیکن انہیں مزید ظلم و ستم کا سامنا کرنا پڑا اور صدی کے آخر تک یہودیوں کی فرانسیسی برادری کا عملی طور پر نام و نشان تک مٹ گیا۔[فرانس اور انگلینڈ میں یہودیوں کی جدید برادری کی بنیاد سولہویں اور سترہویں صدی میں ہسپانوی دربار کے استیصال الحاد کی تفتیش کی وجہ سے پناہ گزین بننے والوں نے رکھی تھی۔]

باب 3

اگر ہم جرمن یہودیوں کی تاریخ کی طرف رجوع کریں تو سب سے پہلی قابل غور حقیقت یہ ہے کہ "جرمن یہودیوں کی نمایاں طور پر کوئی جامع فاضلانہ تاریخ نہیں ہے۔.. جرمنیکا جوڈیکا 1238ء تک کی انفرادی برادریوں پر روشنی ڈالنے والے تاریخی ذرائع کے لیے محض ایک اچھے حوالہ جیسی شے ہے۔"5 جب پولینڈ میں خزار۔یہودی ہجرت اپنے عروج پر تھی تو یہ گو ایک مدھم روشنی ہے لیکن کم از کم جرمنی میں مغربی یہودی برادریوں کے اس نازک دور میں علاقائی تقسیم پر روشن ڈالتی ہے جرمنی میں اس طرح کی برادری کی ابتدائی یادداشتوں میں کسی کالونیموس کا ذکر ملتا ہے جس نے 906ء میں اٹلی میں لوکا سے اپنے رشتہ داروں سمیت ماوینس کو ہجرت کی۔ تقریباً اسی وقت ہم اسپائرزاور ورمز اور کچھ عرصہ بعد دوسری جگہوں ٹروس، میٹز، اسٹراسبرگ، کولون میں یہودیوں کے متعلق سنتے ہیں۔ یہ سب السیز اور رائن وادی کے ساتھ تنگ پٹی میں واقع ہیں۔ ٹوڈیلا کا یہودی مسافر بنیامین (دیکھیں۔اوپر، II، 8) نے بارہویں صدی کے وسط میں اس علاقے کا دورہ کیا اور لکھا: "ان شہروں میں بہت سے بنی اسرائیلی حکماء وامراء ہیں۔"6 لیکن کتنے ''بہت'' ہیں؟ در حقیقت بہت کم جیسا کہ دیکھیں گے. اس سے پہلے مے اینس میں ایک رابائی گیر شوم بن یہودا رہتا تھا (تقریباً 960-1030) ء جس کی اعلےٰ تعلیم نے اسے "وطن سے باہر بکھرے لوگوں کی روشنی" اور فرانسیسی اور رینیش۔ جرمن برادری کے روحانی سربراہ کا خطاب دلوایا۔ تقریباً 1020ء کے قریب کسی تاریخ کو گیر شوم نے ورمز میں ایک رابائی کونسل بلائی جس نے مختلف سرکاری احکام جاری کیے جن میں تعدد ازدواج پر قانونی روک شامل ہے (جو طویل عرصے سے التوا کا شکار تھی)۔ ان احکام کے ایک ضمیمہ میں یہ شامل کیا گیا تھا کہ ممالک برگنڈی، نارمنڈی، فرانس، اور قصبات مے اینس، سپیئر زا ور ورمز کے سومندوبین کی ایک اسمبلی نہائت ضروری صورت کے پیش نظر کسی بھی سرکاری حکم کو منسوخ کر سکتی ہے۔ "اسی عرصے میں دیگر رابائی دستاویزات میں بھی صرف ان تین قصبوں کے نام ہیں اور ہم صرف یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ گیارہویں صدی کے آغاز میں رائن لینڈ میں دوسری یہودی برادریاں بھی غیر اہم ہونے کی وجہ سے قابل ذکر نہیں تھیں۔ 7 اسی صدی کے آخر میں جرمنی کی یہودی برادریاں 1096ء میں پہلی صلیبی جنگ کے دوران سراسیمہ ہجوم کے سیلاب کی کامل تباہی سے بال بال بچ گئیں۔ ایف۔ بار کرنے صلیبیوں کی ذہنیت کو ڈرامائی شدت کے ساتھ بیان کیا ہے جس کا مشاہدہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے کالموں میں شاذونادر ہی ہوتا ہے۔8

وہ شائد تمام کو ذبح کر کے ٹخنوں تک خون میں لت پت ہو جائے اور پھر رات کے وقت مزار کی قربان گاہ پر گھٹنے ٹیک کر اسی خوشی کے لیے آہیں بھرتا ہے۔

کیا وہ رب کی عرقِ انگور کی کل سے سرخ نہیں تھا؟ رائن لینڈ کے یہودی اس عرقِ انگور کی کل میں پھنس گئے تھے جس نے انہیں تقریباً موت کی حد تک نچوڑ لیا تھا۔ مزید یہ کہ وہ خود ایک مختلف قسم کے سراسیمہ ہجوم سے متاثر ہوئے:

شہادت کیلئے مریضانہ تڑپ۔ عبرانی تاریخ نویس سلیمان بار سائمن کے مطابق، جسے عام طور پر قابل اعتماد سمجھا جاتا ہے، 9 مے اینس کے یہودیوں کو ہجوم کے ہاتھوں بپتسمہ لینے یا بطور متبادل عوام الناس کے ہاتھوں موت، انہوں نے اجتماعی خودکشی کا فیصلہ کر کے دوسری برادریوں کے سامنے مثال پیش کی: 10

ابرہیم کی اسحاق کو قربان کرنے کے لیے آمادگی کی تقلید میں بڑے پیمانے پر باپوں نے اپنے بچوں اور شوہروں نے اپنی بیویوں کو ذبح کیا۔ ناقابل بیان وحشت اور جواں مردی کی ان حرکات کیلئے یہودی قانون کے مطابق قربانی کی چھریوں کو تیز کر کے رسمی شکل میں ذبح کرنے کیلئے دی گئی تھیں۔ بعض اوقات برادری کے سرکردہ بابے، اجتماعی قربانی کی نگرانی کرتے تھے، آخر میں اپنے ہاتھوں بھینٹ چڑھ کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے.. سراسیمہ ہجوم میں، مقدس مذہبی شہادت کی چمک اور عوض میں آسمانی انعامات کی پُر اعتماد توقع کے سامنے کوئی اور بات درخور اعتنا نہیں تھی کہ زندگی کا خاتمہ ہو جائے قبل ازیں کہ سنگ دل دشمنوں کے ہتھے چڑھ جائیں اور ناگزیر متبادل کا سامنا کرنا پڑے کہ دشمن کے ہاتھوں موت یا عیسائیت قبول کرنا۔

بہائے ہوئے خون سے اعداد و شمار کی طرف رخ موڑیں تو ہمیں جرمنی میں یہودی برادریوں کے حجم کا ایک مبہم اندازہ ہوتا ہے۔ عبرانی ذرائع 800 متاثرین (ذبح یا خودکشی کے ذریعے) پر متفق ہیں۔ ورمز اور مے اینس کے لیے 900 اور 1300 کے درمیان ہیں۔ بہت سے یقیناً ایسے تھے جنہوں نے بپتسمہ لینے کو موت پر ترجیح دی اور زندہ بچ جانے والوں کی تعداد کی ذرائع نشان دہی نہیں کرتے۔ نہ ہی ہم اس بات کا یقین کر سکتے ہیں کہ وہ شہداء کی تعداد کو بڑھا چڑھا کر پیش نہیں کر رہے۔ بیرن نے اپنے حساب سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ "کسی بھی برادری کی کل یہودی آبادی شاید ہی اکیلے مرنے والوں کے دئے گئے اعداد و شمار سے متجاوز ہو"۔ 11 تو ورمز یا مے اینس میں زندہ بچنے والوں کی تعداد صرف چند سو ہی ہو سکتی تھی۔ یہ صرف دو شہر (تیسرا اسپائرز) ہی تھے جو رابائی گیرشوم کے مطابق پہلے سرکاری حکم میں شامل کرنے کے لیے کافی اہم تھے۔ اس طرح ہمیں یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ جرمن رائن لینڈ میں یہودی

برادری عددی طور پر چھوٹی سی تھی، یہاں تک کہ پہلی صلیبی جنگ سے پہلے مزید سکڑ کر اور رب کے انگوری رس نچوڑنے کی کل میں سے گزرنے کے بعد اس سے بھی چھوٹے تناسب تک پہنچ گئی تھی۔ رائن کی شکل وصورت میں وسطی اور شمالی جرمنی میں ابھی تک کوئی یہودی برادری نہیں تھی اور نہ ہی طویل عرصے تک کوئی وجود میں آئی۔

یہودی مؤرخین کا روایتی تصور کہ 1096ء کی صلیبی جنگ کا جرمن یہودیوں کی پولینڈ میں بڑے پیمانے پر ہجرت کیلئے جھاڑو پھیرنا محض افسانہ ہے یا اس کے بجائے خاص اس مفروضے کیلئے ایجاد کیا گیا، جیسا کہ وہ خزار کی تاریخ کے بارے میں بہت کم جانتے تھے، وہ ان کے اچانک اور غیر متوقع طور پر مشرقی یورپ میں یہودی ظہور کے بے مثال اجتماع کی کوئی اور توضیح پیش نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے باوجود کسی معاصر مآخذ میں رائن لینڈ سے مزید مشرق میں آگے جرمنی میں ہجرت، بڑی یا چھوٹی کا کوئی ذکر نہیں ہے، دور پولینڈ کا تو ذکر ہی کیا۔۔ اس طرح پرانے مکتب کے مورخین میں سے سائمن ڈوبنوف: "پہلی صلیبی جنگ جو عیسائی عوام کو ایشیائی مشرق کی طرف حرکت میں لائی، اس نے اسی وقت یہودی عوام کو یورپ کے قالب کی طرف روانہ کر دیا۔" 12 لیکن چند سطور زیریں اسے تسلیم کرنا پڑا کہ:

"اس ہجرت کی تحریک کے حالات کے متعلق یہودی تاریخ کے بارے میں ہمارے پاس باوثوق اہم معلومات نہیں ہیں۔"13 لیکن پہلی اور اس کے بعد کی صلیبی جنگوں کے دوران ان تباہ شدہ یہودی برادریوں نے کیا کیا اس کے متعلق ہمارے پاس کثیر تعداد میں معلومات ہیں کہ کچھ اپنے ہاتھوں مر گئے، جنہوں نے مزاحمت کی کوشش کی انہیں عوام نے پھانسی پر لٹکا دیا؛ جو زندہ بچ گئے ان کی خوش قسمتی اس حقیقت کی مرہون منت ہے کہ انہیں بشپ آف بر گراو کے محفوظ قلعے میں ہنگامی صورت حال کی مدت تک پناہ دی گئی جو کم از کم نظریاتی طور پر ان کے قانونی تحفظ کا ذمہ دار تھا۔ اکثر یہ اقدام قتل عام روکنے کے لیے کافی نہیں تھا۔ زندہ بچ جانے والے صلیبی لشکروں کے گزرنے کے بعد نئی شروعات کے لیے اپنے لٹے گھروں اور عبادت گاہوں میں ہمیشہ واپس آئے۔ ہمیں ٹریوس، میٹس اور بہت سی دوسری جگہوں پر تاریخی سوانح میں بار بار یہی نمونہ ملتا ہے۔ دوسری اور بعد کی صلیبی جنگوں تک یہ تقریباً ایک معمول بن چکا تھا:

"ایک نئی صلیبی جنگ کی شورش کے آغاز میں بہت سے یہودی یانیس، ورمز، سپائرز، سٹراسبرگ، وارٹزبرگ اور دوسرے شہروں میں اپنی کتابیں اور قیمتی مال ومتاع متوسط طبقہ کے دوست شہریوں کی تحویل میں چھوڑ کر پڑوسی قلعوں میں فرار ہو جاتے تھے۔"14 اہم ذرائع میں سے ایک افرائیم بار یعقوب کی کتاب ہے جب وہ تیرہ سال کی عمر

میں کولون سے آنے والے وولکنبرگ قلعہ کے پناہ گزینوں میں شامل تھا۔15 سلیمان بار سائمن مطلع کرتا ہے کہ دوسری صلیبی جنگ کے دوران مے اونیس میں زندہ بچ جانے والے یہودیوں کو اسپائرز میں تحفظ ملا، تب اپنے آبائی شہر میں واپس آئے اور ایک نئی عبادت گاہ تعمیر کی۔16 یہ وقائع نگاروں کی مسلسل بازگشت ہے؛ جسے ایک بار پھر دہرایا جا رہا ہے کہ یہودی برادریوں کی مشرقی جرمنی کی طرف ہجرت کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں ہے جو میسیس کے الفاظ میں 17 اب بھی Judenrein تھا- یہودیوں سے پاک اور جسے کئی صدیوں تک ایسا ہی رہنا تھا۔

باب 4

تیرھویں صدی جزوی بحالی کا دور تھا۔ ہم رائن لینڈ سے ملحقہ علاقوں میں پہلی بار یہودیوں کے بارے میں سنتے ہیں: پیلی ٹینیٹ (AD 1225)ء؛ فرائیبرگ (1230)ء، عُلم، ہائیڈلبرگ (1255)ء وغیرہ۔ لیکن (1243)ء میں یہودیوں کو معمولی سی مہلت ملی، چوں کہ چودھویں صدی فرانکو- جرمن یہودیوں کے لیے نئی آفات لے کر آئی۔

پہلی بلائے ناگہانی فلپ لی بیل کا شاہی علاقوں سے تمام یہودیوں کو بے دخل کرنا تھا۔ فرانس کا اقتصادی بحران جس کی معیت میں کرنسی کی بے قدری اور سماجی ہنگامے آتے ہیں. فلپ نے اسے آزمودہ طریقہ یعنی یہودیوں سے ٹیکس اور مصارف کے ذریعے سے تدارک کی کوشش کی۔ اس نے ان سے 1292ء میں 100،000، 1295ء میں 215،000 لیوروں کی ادائیگیاں جبرا'' وصول کیں۔ 1299، 1302 اور 1305ء، پھر اپنی بیمار مالیات کے لیے ایک انتہا پسندانہ علاج کا فیصلہ کیا۔ اس نے 21 جون 1306ء کو ایک خفیہ حکم نامے پر دستخط کیے کہ ایک مخصوص دن کو سلطنت میں تمام یہودیوں کو گرفتار کر لیا جائے، ان کی جائیدادیں ضبط کر کے انہیں ملک بدر کر دیا جائے۔ یہ گرفتاریاں 22 جولائی کو عمل میں لائی گئیں۔ چند ہفتوں بعد ملک بدری پر عمل کیا گیا۔ مہاجرین بادشاہ کے علاقوں سے فرانس سے باہر کے علاقوں:

پرووینس، برگنڈی، ایکویٹائن، اور چند دیگر جاگیر داروں کی جاگیروں کی طرف ہجرت کر گئے۔ لیکن میسیس کے مطابق "اس بات کی نشان دہی کیلیئے کوئی تاریخی اندراجات نہیں ہیں کہ فیصلہ کن دور میں فرانس میں یہودی برادری کی تباہی کے فیصلہ کن دور کے مصائب کی وجہ سے جرمن یہودیوں کی تعداد میں اضافہ ہوُا۔"19 کسی مورخ نے کبھی یہ رائے نہیں دی کہ فرانسیسی یہودیوں نے اس موقع پر یا کسی اور وقت جرمنی سے ہوتے ہوئے پولینڈ تک پیدل سفر

کیا۔ فلپ کے جانشینوں کے تحت یہودیوں کو(1315اور1350میں)ء جزوی طور پر واپس بلایا گیا، لیکن وہ نقصان کی تلافی نہ کر سکے اور نہ ہی ہجوم کے ہیجان کے نئے حملوں کو روک سکے۔ چودھویں صدی کے آخر تک فرانس، انگلستان کی طرح عملی طور پر یہودیوں سے پاک تھا۔

باب 5

اس تباہ کن صدی کی دوسری تباہی طاعون تھی جس میں 1348اور1350ء کے درمیان یورپ کی ایک تہائی اور کچھ خطوں کی دو تہائی آبادی لقمہ ءاجل بن گئی۔ یہ مشرقی ایشیا سے ترکستان کے راستے آئی تھی اور جس طرح اسے یورپ پر چھوڑ دیا گیا، اور اس نے وہاں جو کیا، انسان کے پاگل پن کی علامت ہے۔ 1347ء میں جانی بیگ نامی ایک تاتار رہنما تھا۔ کریمیا کے قصبے کافا(اب فیوڈوسیا) کا محاصرہ کر رہا تھا جو اس وقت جینوآ کی تجارتی بندرگاہ تھی۔ جانی بیگ کی فوج میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے متاثرہ لاشیں بذریعہ منجنیق شہر میں پھینکیں جس کی وجہ سے آبادی متاثر ہوئی۔ جینوآ کے بحری جہاز چوہوں اور ان کے مہلک پسوؤں کو مغرب کی طرف بحیرہ روم کی بندرگاہوں میں لے گئے جہاں سے وہ اندرون ملک تک پھیل گئے۔ پیسٹر وریلا پیسٹس کے جراثیم غالبا'' مختلف فرقوں کے درمیان فرق نہیں کرتے، اس کے باوجود یہودیوں کو خصوصی علاج کے لیے چنا گیا۔ پہلے عیسائی بچوں کو ذبح کرنے کے الزام کے بعد اب ان پر طاعون پھیلانے کے لیے کنوؤں میں زہر ملانے کا الزام لگایا گیا۔ خرافات کی رفتار چوہوں سے تیز تر تھی اور اس کا نتیجہ تمام یورپ میں یہودیوں کو اجتماعی طور پر جلانے کی صورت میں نکلا۔ ایک بار پھر خودکشی باہمی۔۔ خودسوزی زندہ جلائے جانے سے بچنے کے لیے ایک عام طریقہ بن گیا۔ مغربی یورپ کی تباہ شدہ آبادی سولہویں صدی تک دوبارہ اپنی طاعون سے ماقبل سطح تک نہ پہنچی۔ جہاں تک اس کے یہودیوں کا تعلق ہے جو چوہوں اور مردوں کے دوہرے حملے کا شکار ہوئے تھے ان کا صرف ایک حصہ بچ سکا. جیسا کہ کٹشیرا نے لکھا:

عوام نے ان پر تقدیر کی ظالمانہ ضربوں کا بدلہ لیا اور جنہیں طاعون نے چھوڑ دیا ان پر آگ اور تلوار حملہ آور ہوئی۔ جب وبائی امراض کم ہوئیں تو ہم عصری مؤرخین کے مطابق جرمنی درحقیقت یہودیوں سے تقریباً خالی تھا۔ ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ جرمنی میں یہودی فروغ نہ پا سکے اور نہ کبھی بڑی اور گنجان آباد برادریاں قائم کرنے کے قابل ہو سکے۔

ان حالات میں پھر کیسے انہوں نے پولینڈ میں اتنی گنجان آبادی کی بنیاد رکھی کہ اِس وقت [1909ء] جرمنی اور پولینڈ میں یہودی تعداد کی نسبت ایک اور دس ہے؟ یہ سمجھنا واقعی مشکل ہے کہ یہ خیال کیسے تیزی سے پھیل گیا کہ مشرقی یہودی مغرب اور خصوصا'' جرمنی سے آنے والے تارکین وطن کی نمائندگی کرتے ہیں۔20

پھر بھی پہلی صلیبی جنگ کے بعد تاریخ دانوں نے طاعون کی بکثرت دہائی دی ہے کہ تائید غیبی نے مشرقی یہودیوں کو تخلیق کیا۔ صلیبی جنگوں کی طرح اس خیالی خروج کا شمہ بھر ثبوت نہیں ہے۔اس کے برعکس ایسے اشارات ہیں کہ پہلے مواقع کی طرح یہودیوں کی بقا کی واحد امید ایک ساتھ رہنے اور کم مخالف ماحول میں آس پاس کسی مستحکم جگہ پر پناہ حاصل کرنے میں تھی۔ میسیس نے طاعون کے دور میں ہجرت کے صرف ایک کیس کا ذکر کیا:

اسپائرز کے یہودیوں نے ظلم و ستم سے تنگ آکر تقریباً دس میل دور ہائیڈلبرگ میں پناہ لی-فرانس اور جرمنی میں طاعون کی وجہ سے پرانی یہودی برادریوں کے حقیقتا'' خاتمے کے بعد مغربی یورپ ایک دو صدیوں تک یہودیوں سے پاک رہا۔اسپین کے سوا صرف چند محصور جگہوں پر جیئے جا رہے تھے-یہ یہودیوں کی بالکل مختلف نسل تھی جس نے سولہویں اور سترھویں صدی میں انگلینڈ، فرانس اور ہالینڈ کی جدید برادریوں کی بنیاد رکھی-سیفرڈیم (ہسپانوی یہودی) اسپین سے بھاگنے پر مجبور ہوئے جہاں وہ ہزار سال سے زیادہ عرصے سے مقیم تھے۔ان کی تاریخ اور یورپی یہودی کی جدید تاریخ اس کتاب کے دائرہ کار سے باہر ہے۔ہم بخوبی یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ مغربی یہودیوں کا بڑے پیمانے پر جرمنی کے آس پاس سے پولینڈ کی طرف اخراج تمام جرمنی میں سے ہوتے ہوئے روایتی خیال-ایک مخاصمانہ یہودی پشتہ کے بغیر تاریخی طور پر قرین عقل نہیں ہے۔یہ دریائے رائن پر برادریوں کے چھوٹے حجم،ان کی رائن وادی سے مشرق کی طرف پھیلنے میں ہچکچاہٹ، کم نصیبی میں ان کا دقیانوسی رویہ اور عصری تاریخ میں نقل مکانی کی تحریکوں کے حوالہ جات کی عدم موجودگی کی وجہ سے مطابقت نہیں رکھتا۔اس نکتہ نظر کے مزید ثبوت لسانیات سے فراہم کیے گئے ہیں، جن پر باب VII میں بحث کی جائے گی۔

حوالہ جات

مالمسبری کے ولیم کے مطابق ڈی جیسٹیس ریگم اینگلورم، جس کا حوالہ بیرن، والیوم، چہارم، ص۔277.

2بیرن، جلد. چہارم، صفحہ 75-6۔3کا حوالہ بیرن، والیوم۔ چہارم، ص۔4.77روتھ، سی(1973)۔

5روتھ، مقام۔6cit بیرن، جلد. چہارم، ص۔Ibid.7.271، 8.p. 73 کچرا، ص۔233.

149واں ایڈیشن، ششم، صفحہ۔772، مضمون 'صلیبی جنگیں'۔10بیرن۔والیوم چہارم، ص۔97.

11.Ibid،104 .p.12.Ibid،105 .pp،292n.13.Dubnov،S.(1926)،صفحہ.427.
14.Ibid،428 .p.15بیرن،والیوم۔چہارم،ص۔129.16.Ibid،119 .p.17.Ibid، .p
18116میسیس،(1924) .M،275 .p.19.Ibid،5-274 .pp.20.Ibid،273 .p.
21کچرا،صفحہ 235-6،241۔

VII

اُریبی دھارے

باب 1

پچھلے ابواب میں منقول شواہد کی بناپر کوئی بھی بآسانی سمجھ سکتاہے کہ پولش مورخین جو قریب ترین ذرائع ہیں، اس بات پر متفق ہیں کہ "پہلے وقتوں میں یہودی آبادی کے بڑے حصہ کاآغاز خِزارہ ملک سے ہوُاتھا۔"1 یہاں تک کہ یہ دعویٰ کرکے کیس کو بڑھاچڑھاکر پیش کرنے کوجی للچائے—جیسے کٹشیرا کرتاہے-کہ مشرقی یہودی سوفیصد خِزاری نژاد تھے۔اس قسم کادعویٰ قابل قبول ہوسکتاہے اگربد قسمتی سے فرانکو-رینش برادری ہی ولدیت کی تلاش میں واحد حریف ہوتی۔لیکن بعد میں قرون وسطیٰ میں سابق آسٹرو۔ہنگیرین بادشاہت اور بلقان کے علاقوں کے کوائف یہودی بستیوں کے عروج وزوال کی وجہ سے مزید پیچیدہ ہوجاتے ہیں۔اس طرح نہ صرف ویانااورپراگ میں کافی یہودی آبادی تھی،لیکن ایسی پانچ جگہوں کار تھینین آلپس میں بنام جوڈنڈورف،"یہودی گاؤں" کہلانے والے مقامات اور سٹیریاکے پہاڑوں میں مزید جوڈنبر گزاور جوڈن شٹاٹ سے کم نہیں ہیں۔ پندرھویں صدی کے آخر تک یہودیوں کودونوں صوبوں سے نکال دیاگیاجواٹلی،پولینڈ اور ہنگری کی طرف نکل گئے۔لیکن وہ اصل میں کہاں سے آئے تھے؟یقیناً مغرب سے تو نہیں۔جیسا کہ میسیس نے ان منتشر برادریوں کواپنے سروے میں پیش کیا:

اعلیٰ قرون وسطیٰ کے دوران ہمیں مشرق میں بستیوں کاایک سلسلہ ملتاہے جو باویریاسے فارس،قفقاز،ایشیائے کوچک اور باز نطیم تک پھیلا ہوُاہے۔[لیکن] باویریاکے مغرب کی طرف تمام جرمنی سلسلے میں ایک خلاہے۔.. الپائن کے علاقوں میں یہودیوں کی یہ ہجرت کیسے ہوئی،کے بارے میں ہم نہیں جانتے،لیکن بلاشبہ یہودیوں کے تین قدیم عظیم ذخائر اٹلی،باز نطیم اور فارس نے اپنا کردار ادا کیا2:

اس گنتی میں گمشدہ کڑی ایک بار پھر خزاریہ ہے، جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ باز نطیم اور خلافت سے ہجرت کرنے والے یہودیوں کے لیے یہ ایک راہداری اور چیک سٹیشن کے طور پر کام کرتا تھا۔ میسیس نے رائنے کی مشرقی یہودی داستان کی علامات کی تردید کرنے میں بڑا نام کمایا لیکن وہ بھی خزارہ تاریخ کے بارے میں بہت کم جانتا تھا اور اس کی آبادی کی ساخت کی اہمیت سے ناواقف تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آسٹریا میں تارکین وطن کے درمیان ایک اطالوی جزو تجویز کرنے میں درست ہو۔ اٹلی نہ صرف رومن زمانے سے یہودیوں سے تقریبا" بھر چکا تھا، بلکہ خزاریہ کی طرح باز نطیم سے بھی تارکین وطن آملے۔ یہاں ہمیں شائد مشرقی یورپ میں سامی نسل کے "حقیقی" یہودیوں کی معمولی سی تعداد ملے؛ یہ معمولی سی تعداد سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اطالوی یہودیوں کا بڑی تعداد میں آسٹریا میں داخل ہونے کا کوئی قابل ذکر ہجرت کا ریکارڈ نہیں ہے، البتہ پندرہویں صدی کے آخر میں الپائن سے صوبہ بدری کے بعد اٹلی میں یہودیوں کی الٹی ہجرت کے کافی ثبوت موجود ہیں۔ اس طرح کی تفصیلات تصویر کو دھندلا کرتی ہیں اور آدمی میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ یہودی تمام صاف اندراجات سمیت مے فلاور پر سوار ہو کر پولینڈ چلے گئے ہوتے۔ اس کے باوجود نقل مکانی کے عمل کا وسیع خاکہ قابل فہم ہے۔ الپائن بستیاں عام خزاروں کی پولینڈ کی طرف عام امکانا" ہجرت کرنے والی تمام متفرق مغربی شاخیں تھیں جو مختلف راستوں یوکرین، ہنگری کے شمال میں سلاوی علاقوں اور شاید بذریعہ بلقان سے آئیں جو کئی صدیوں کو محیط تھیں۔ رومانیہ کا ایک افسانہ مسلح یہودیوں کا کسی ملک پر حملے کا ذکر کرتا ہے جس کی تاریخ نامعلوم ہے۔3

باب 2

آسٹریا کے یہودیوں کی تاریخ سے متعلق ایک اور بہت ہی دلچسپ افسانہ ہے۔ اس کا آغاز قرون وسطیٰ میں عیسائی وقائع نگاروں نے کیا جسے اٹھارویں صدی کے آغاز تک مورخین نے انتہائی سنجیدگی سے دہرایا۔ افسانہ یوں شروع ہوتا ہے کہ قبل از مسیح دور میں آسٹریا کے صوبوں پر یکے بعد دیگرے یہودی شہزادوں نے حکومت کی۔ دی آسٹرین کرانیکل میں، جو البرٹ III(1350-95)ء کے دور میں ایک وینیسی مصنف کے ذریعہ مرتب کیا گیا، ایسے تقریبا" بائیس یہودی شہزادوں کی فہرست ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ہر ایک کے بعد دوسرا آیا۔ فہرست میں نہ صرف ان کے مبینہ نام دیے گئے ہیں بلکہ چند ایک کا واضح طور پر یورال—الٹیان حلقہ ہے؛ ان کی مدت حکمرانی اور ان کی جائے مدفن مذکور ہیں۔ اس طرح: "سینن نے 45 سال حکومت کی، ویانا، سٹوبنیٹر میں؛ زپین، 43 سال، ٹلن

میں؛اور اسی طرح بشمول لیپٹن، معالن، ریپٹن، رابن، ایفرا، سیمک وغیرہ نام لئے دفن ہوئے۔ان یہودیوں کے بعد پانچ کافر شہزادے آئے اور اس کے بعد عیسائی حکمران۔ یہ افسانہ چند تبدیلیوں کے ساتھ آسٹریا کی لاطینی تاریخوں (از ہنریکس گنڈیلفنگس، 1474ء) میں کئی ایک کے ذریعے دہرایا جاتا ہے جن میں آخری اینسیلمس شرام کی فلورس کرونیکورم آسٹریئے، 1702ء ہے (جواب بھی ایسا لگتا ہے کہ اس کی صداقت پر یقین رکھتا ہے)۔4 اس بے اصل کہانی کا آغاز کیسے ہوُا ہوگا؟'' یہ حقیقت کہ میسیس ہمیں ایسا افسانہ سننے دیتا ہے جو ہٹ دھرمی سے کئی صدیوں تک برقرار رہ کر بڑھتا چلا جاتا ہے؛ قومی شعور کی ان گہرائیوں کی نشان دہی کرتا ہے کہ قدیم آسٹریا کے ایام پارینہ کی بھولی بسری یادوں میں یہودیوں کی بالائی ڈینیوب پر موجودگی برقرار رہی۔ کون جانے کہ مشرقی یورپ میں خزاری مقبوضات سے نکلنے والی طغیاں لہریں ایک بار ایلپس کی ترائی میں داخل ہوگئی ہوں۔۔ جوان شہزادوں کے ناموں کی تورانی رنگت کی وضاحت کریں گی۔ قرون وسطیٰ کے وقائع نگاروں کے سفید جھوٹ صرف اسی صورت میں مقبول ہو سکتے ہیں جب اجتماعی یادوں کو حمایت حاصل ہو خواہ وہ مبہم ہی ہوں. "5 جیسا کہ پہلے ہی ذکر کیا گیا ہے کہ میسیس کا رجحان یہودی تاریخ میں خزاروں کے حصہ کو کم کرنے پر مائل ہے، لیکن اس کے باوجود اس نے ایک ہی معقول مفروضے پر توجہ دی جو مستقل افسانہ کی اصل کی وضاحت کر سکتا ہے۔ کوئی مزید خاص بات کرنے کی جرأت بھی کر سکتا ہے۔ چونکہ نصف صدی سے زیادہ، 955ء تک آسٹریا دریائے اینس کے مغرب تک ہنگری کے زیر تسلط تھا۔ مگیار 896ء میں اپنے نئے ملک میں قوم کے بااثر کبار خزارہ قبائل کے ساتھ آئے۔ اس وقت ہنگری کے لوگوں نے ابھی عیسائیت قبول نہیں کی تھی (جو صرف ایک صدی بعد 1000ء میں ہوُا) اور واحد توحید پرست مذہب خزارہ یہودیت سے مانوس تھے۔ ممکن ہے کہ ان میں ایک یا ایک سے زیادہ قبائلی سردار ہوں جو یہودیت قِسم پر عمل پیرا تھے۔ ہم جان سنامس، بازنطینی وقائع نویس سے متعارف ہیں جس نے ہنگری کی فوج میں لڑنے والے یہودی فوجیوں کا ذکر کیا۔ [اوپر دیکھیں، V،2۔] اس طرح اس افسانے میں شائد قدرے حقیقت ہو، خصوصاً'' اگر ہمیں یاد ہو کہ ہنگیرین ابھی تک اپنے وحشی چھاپہ مار، یورپ پر قہر، کے دور میں تھے۔ ان کے زیر تسلط ہونا یقیناً ایک تکلیف دہ تجربہ تھا جو آسٹریا کے لوگوں کیلئے ناقابل فراموش واقعہ تھا۔ یہ سب کچھ اس مفروضے کے برعکس بخوبی منطبق ہوتا ہے۔

باب 3

مشرقی یہودی فرانکو-رینش اصل کے مزید ثبوت یہودی عوامی مقبول زبان یڈش کی ساخت سے فراہم کیے گئے ہیں جسے قتل عام سے پہلے لاکھوں لوگ بولتے تھے اور اب بھی سوویت یونین اور امریکہ میں روایت پرست اقلیتوں میں زندہ ہے۔ یڈش عبرانی حروف میں لکھی قرون وسطیٰ کی جرمن، سلاوانک اور دیگر عناصر کا ایک دلچسپ ملغوبہ ہے۔ اب جبکہ یہ قریب المرگ ہے، امریکہ اور اسرائیل میں بہت زیادہ علمی تحقیق کا موضوع بن چکی ہے، لیکن بیسویں صدی تک مغربی ماہرینِ لسانیات نے اسے محض ایک عجیب و غریب پھوہڑ بول چال سمجھا جو شاید ہی سنجیدہ مطالعہ کے لائق ہو۔ جیسا کہ ایچ. سمتھ نے کہا: "علماء کی طرف سے یڈش پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ رسالوں میں چند مضامین کے علاوہ زبان کا پہلا حقیقی سائنسی مطالعہ میسیس کے تاریخی گرائمر کا 1924ء میں شائع ہونا تھا۔ یہ اہم بات ہے کہ جرمن کی معیاری تاریخی گرائمر کا تازہ ترین ایڈیشن جو جرمن زبان کی بولیوں کے نکتہ ء نظر سے یڈش کو بارہ سطروں میں مسترد کرتا ہے۔" پہلی نظر میں یڈش میں جرمن سے مقروض الفاظ کی عمومیت ہماری اصل سے متصادم معلوم ہوتی ہے۔ مشرقی یہودیوں کی ابتدا پر مقالہ جسے ہم ابھی دیکھیں گے اس کے برعکس سچ ہے، لیکن دلیل میں کئی مراحل شامل ہیں۔ سب سے پہلے یہ دریافت کرنا ہے کہ کون سی خاص قسم کی علاقائی جرمن بولی یڈش مجموعہ ءالفاظ میں ڈھل گئی۔ ایسا لگتا ہے کہ میسیس سے پہلے کسی نے اس سوال پر سنجیدگی سے توجہ نہیں دی؛ ایسا کرنا اس کی دائمی خوبی ہے جس کا وہ ایک حتمی جواب لایا ہے۔ لغت، صوتیات اور نحو کے مطالعہ کی بنیاد پر اس نے نتیجہ اخذ کیا:

قرون وسطیٰ میں مرکزی جرمن بولیوں کے مقابلتاً'' یڈش میں جرمنی کے ان حصوں سے ماخوذ کوئی لسانی اجزاء جو فرانس کی سرحد سے ملتے ہیں یڈش زبان میں نہیں پائے جاتے۔ تمام فہرست جو خصوصاً'' موسیل۔۔ فرانکونین اساس جے۔ اے۔ بلاس نے مرتب کی ہے اس میں ایک لفظ نے بھی یڈش الفاظ میں راہ نہ پائی۔ (Beitrge zur Kunntnis der Trierischen Volkssprache, 1903, 28ff.) یہاں تک کہ مغربی جرمنی کے زیادہ مرکزی علاقے فرینکفرٹ کے گردونواح نے بھی یڈش زبان میں حصہ نہیں ڈالا... 7 جہاں تک یڈش کی بنیادوں کا تعلق ہے مغربی جرمنی کو مسترد کیا جا سکتا ہے.... 8 کیا یہ ممکن ہے کہ عام طور پر قبول شدہ نظریہ جس کے مطابق جرمن یہودیوں نے ایک مرتبہ رائن پار فرانس سے ہجرت کی، غلط فہمی ہے؟ جرمن یہودیوں کی تاریخ میں اشکنازی [''اشکنازی'' نیچے دیکھئے، VIII, 1] یہودیوں پر ضرور نظر ثانی کرنی چاہئے۔ تاریخ کی غلطیوں

کو اکثر لسانیات سے درست کیا جاتا ہے۔ اشکنازی یہودیوں کی سابقہ ہجرت کے روایتی نظریہ کا تعلق فرانس سے تاریخی غلطیوں کے زمرے سے ہے جو اصلاح کی منتظر ہیں۔9 اس کے بعد اس نے تاریخی غلط فہمیوں کی دوسری مثالوں کے علاوہ خانہ بدوشوں کے معاملے کا حوالہ دیا جنھیں مصر سے ایک شاخ مانا جاتا تھا، "جب تک لسانیات نے یہ ثابت نہ کیا کہ وہ انڈیا سے آئے ہیں۔"10 یڈش میں جرمن عنصر کی مبینہ مغربی اصل کو کل العدم قرار دینے کے بعد میسیس یہ ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ اس میں غالب اثر ورسوخ نام نہاد "مشرقی وسطی جرمن" بولیاں ہیں جو آسٹریا اور باویریا کے الپائن علاقوں میں تقریباً پندرھویں صدی تک بولی جاتی تھیں۔ دوسرے لفظوں میں جرمن جزو جو دوغلی یہودی زبان میں مل گیا، جرمنی کے ان علاقوں سے نکلا جو مشرقی یورپ کی سلاوانک پٹی سے ملحق ہے۔ اس طرح لسانیات کے شواہد مشرقی یہودیوں کی فرانکو۔رینش کی ابتدا کے غلط تصور کی تردید میں تاریخی ریکارڈ کی حمایت کرتے ہیں۔ لیکن یہ منفی ثبوت اس سوال کا جواب نہیں دیتا کہ مشرقی وسطی جرمن بولی عبرانی اور سلاونک عناصر کے ساتھ مل کر اس مشرقی یہودیوں کی مشترکہ زبان کیسے بن گئی جن کی اکثریت کا تعلق ہمارے خیال میں خزاروں سے تھا۔ اس سوال کا جواب دینے کی کوشش میں کئی عوامل کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے یڈش کا ارتقاء ایک طویل اور پیچیدہ عمل تھا، جو غالباً پندرھویں صدی یا اس سے بھی پہلے شروع ہوا؛ یہ ایک lingua franca قسم کی طویل عرصے تک بولی جانے والی زبان رہی جس کی چھپائی انیسویں صدی میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے پہلے اس کی کوئی مستند گرامر نہیں تھی اور "یہ فرد پر چھوڑ دیا گیا کہ غیر ملکی الفاظ کو جیسا چاہے متعارف کروائے۔ تلفظ یا ہجے کیلئے کوئی لگا بندھا اصول نہیں ہے۔۔ املا میں انتشار Jüdische Volks- Bibliothek کے وضع کردہ قواعد سے واضح کیا جا سکتا ہے: (1) لکھو جیسا بولتے ہو۔ (2) ایسا لکھو تا کہ پولش اور لتھوانیائی یہودی آپ کو سمجھ سکیں، اور؛ (3) ایک ہی آواز کے الفاظ کو مختلف طریقے سے ہجے کریں جن کے معنی مختلف ہیں۔"11 یڈش نے اس طرح صدیوں کے دوران سماجی ماحول سے بہترین الفاظ، جملے، محاوراتی تاثرات کو جذب کیا اور ایک قسم کی بے ہنگم توسیع کے ذریعے والہانہ شوق سے بڑھ کر ایک مخلوط زبان کے طور پر اپنا مقصد پورا کیا۔ لیکن قرون وسطیٰ کے پولینڈ میں ثقافتی اور سماجی سطح پر غالب عنصر جرمن ماحول تھا۔ وہ اکیلے، تارکین وطن کی آبادی میں اقتصادی اور فکری طور پر یہودیوں سے زیادہ بااثر تھے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ پیاسٹ خاندان کے ابتدائی دنوں سے اور خصوصاً "کازیمیر اعظم کے دور میں تارکین وطن کو زمین پر نو آبادیات بنانے اور "جدید" شہروں کی تعمیر کی طرف راغب کرنے کے لیے سب کچھ کیا گیا تھا۔ کازیمیر کے متعلق کہا جاتا تھا کہ "لکڑی کا ملک پایا اور پتھر کا بنا کر چھوڑ دیا"۔ لیکن پتھر کے یہ نئے

شہر جیسے کراکاؤ(کراکو) یالیمبر گ(لوو) جرمن تارکین وطن نے بنائے اوران پر حکمرانی کی جو نام نہاد میگڈ برگ قانون کے تحت رہ رہے ہیں، یعنی اعلیٰ درجے کی میونسپل سیلف گورنمنٹ سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ پولینڈ میں مجموعی طور پر کم از کم چار ملین جرمن ہجرت کر چکے ہیں۔12 انہوں نے شہری مڈل کلاس فراہم کی جو اس سے پہلے وہاں نہیں تھی۔ پولیاک نے جرمن کا پولینڈ میں خزار ہجرت سے موازنہ کرتے ہوئے کہا ہے:

"ان ممالک کے حکمرانوں نے انتہائی ضروری کاروبار کیلئے غیر ملکی عوام کو درآمد کیا اور انہیں جرمن شہروں اور چھوٹے یہودی قصبوں میں ان کے آبائی ممالک میں عادی زندگی کے مطابق آباد کاری کیلئے سہولیات فراہم کیں"۔

(یہ صاف علیحدگی اس وقت دھندلا گئی جب بعد میں مغرب سے آنے والوں نے قصبوں میں آباد ہو کر پس ماندہ یہودی شہری بستیاں بنائیں۔) تعلیم یافتہ بورژوازی ہی نہیں بلکہ پادری بھی بنیادی طور پر جرمن تھے جو پولینڈ کا رومن کیتھولک مذہب کا انتخاب اور مغربی تہذیب کی طرف رخ کرنے کا قدرتی نتیجہ تھا، جیسے ولادیمیر کے یونانی تقلیدی میں تبدیل ہونے کے بعد روسی پادری زیادہ تر بازنطینی تھے۔ عمر رسیدہ مغربی پڑوسی کے نقش قدم پر چل کر لا مذہب ثقافت نے انہی خطوط پر عمل کیا۔ پولینڈ کی پہلی یونیورسٹی 1364ء میں کراکاؤ میں قائم کی گئی تھی جو اس وقت زیادہ تر ایک جرمن شہر تھا۔[اگلی صدی کے طلباء میں سے ایک نکولائی کوپر نیکس یا میکولاج کوپر نگک جسے محب وطن پولش اور جرمن دونوں نے بعد میں اسے اپنا قومی ہونے کا دعویٰ کیا۔] آسٹرین کٹشیرا نے اسے البتہ تنگ خیالی کہا ہے:

لوگ جرمن نوآبادیات کو شک اور بدگمانی کی نگاہ سے دیکھتے تھے، پھر بھی وہ تیزی سے مستحکم اور یہاں تک کہ جرمن نظام تعلیم متعارف کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ پولشوں نے جرمنوں سے اعلیٰ ثقافت کے فوائد اور ان کے غیر ملکی طریقے نقل کرنے کو سراہنا سیکھا۔ پولش اشرافیہ میں بھی جرمن رسم و رواج کا شوق بڑھنے لگا اور بالکل معمولی تو نہیں لیکن بنیادی طور پر سچ ہے کہ جرمنی سے درآمد ہر چیز میں خوب صورتی اور لذت سے روشناس ہوئے۔13

انیسویں صدی کے روسی دانشوروں میں جرمن کلتور کا باعث مفاخرت ہونا یاد ہے۔

یہ سمجھنا آسان ہے کہ اگر وہ آگے بڑھنا چاہتے تھے تو قرون وسطیٰ کے پولینڈ میں وارد ہونے والے خزاری مہاجرین کو جرمن زبان سیکھنا پڑی جن کا مقامی آبادی کے ساتھ قریبی تعلق تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انہیں کچھ کاروباری پولش (یالتھوانیائی، یوکرینی یاسلووینی) بھی سیکھنا پڑی۔ قصبوں میں کسی قسم کے رابطے کیلئے جرمن ایک اہم ضرورت تھی لیکن وہیں عبادت گاہ بھی تھی اور عبرانی تورات کا مطالعہ بھی۔ کسی چھوٹے شہر کا کاریگر، موچی تصور کر سکتا ہے یا لکڑی کا سوداگر جو اپنے گاہکوں سے ٹوٹی پھوٹی جرمن بول رہا ہے، اگلے دروازے پر جائیداد کے زراعتی

خدمت گار سے ٹوٹی پھوٹی پولش؛ اور گھر پر عبرانی کے ساتھ دونوں کے سب سے زیادہ تاثراتی ٹکڑوں کو ملا کر ایک قسم کی نجی زبان بنالیتا ہے۔ یہ معجون مرکب اس قدر دیہی تملیک اور معیاری کیسے بن گیا، کوئی ماہر لسانیات قیاس ہی کر سکتا ہے؛ لیکن کم از کم کوئی چند مزید عوامل بھانپ سکتا ہے جنہوں نے اس عمل کو آسان بنایا۔ پولینڈ میں بعد میں وارد ہونے والے تارکین وطن میں بھی، جیسا کہ ہم نے دیکھا، الپائن ممالک، بوہیمیا اور مشرقی جرمنی میں ایک خاص تعداد "حقیقی" یہودیوں کی تھی۔ ان کی تعداد خواہ کم تھی۔ لیکن یہ جرمن بولنے والے یہودی ثقافت اور علم میں خزاروں سے اعلیٰ تھے، بالکل اسی طرح جیسے جرمن غیر یہودی ثقافتی طور پر پولش لوگوں سے برتر تھے یا جیسے کیتھولک پادری جرمن تھے، اس لیے مغربی یہودی رابائی خزاروں کو جرمن بنانے میں ایک طاقت ور عنصر تھے جن کی یہودیت پرجوش لیکن اولین دور کی تھی۔ پولیاک کا دوبارہ حوالہ:

وہ جرمن یہودی جو پولینڈ۔۔۔ لیتھوانیا کی سلطنت میں پہنچے۔ اپنے مشرقی بھائیوں پر ان کا بہت زیادہ اثر و رسوخ تھا۔ [خزاری] یہودی ان کی طرف اس وجہ سے اس قدر متوجہ ہوئے کہ وہ ان کی مذہبی تعلیم اور زیادہ تر جرمن شہروں میں کاروبار کرنے میں ان کی کارکردگی کی تعریف کرنے لگے۔۔۔ ہیدر میں بولی جانے والی مذہبی تعلیم کیلئے اسکول اور غبے ویر [معروف امیر آدمی] کے گھر بولی جانے والی زبان تمام برادری کی زبان پر اثر انداز ہو گئی۔ 14

سترہویں صدی کے پولینڈ کی ایک رابائی مناجات میں نیک خواہشات شامل ہیں:

"خدا کرے کہ ملک حکمت سے بھر جائے اور تمام یہودی جرمن بولیں۔ "15۔ پولینڈ میں خصوصا" ہزاری یہودیوں میں جرمن زبان کی طرف سے پیش کردہ روحانی اور دنیاوی دل فریبیوں سے جس واحد گروہ نے دونوں کے خلاف مزاحمت کی وہ اہل تورات تھے جنہوں نے رابائیت سیکھنے اور مادی افزودگی دونوں کو مسترد کر دیا۔ اس طرح وہ کبھی یڈش کے عادی نہ ہوئے۔ زار کی سلطنت (جس میں یقیناً پولینڈ بھی شامل تھا) میں 1897 میں پہلی روسی مردم شماری کے مطابق، 12894 اہل تورات آباد تھے۔ ان میں سے 9666 نے ترکی کو مادری زبان قرار دیا۔ (یعنی غالباً ان کی اصل خزاری بولی)، 2632 روسی اور صرف 383 یڈش بولتے تھے۔

اہل تورات فرقہ عمومیت کے بجائے استثناء کا نمائندہ ہے۔ نئے ملک میں آباد ہونے والی تارکین وطن کی آبادی عموما" اپنی اصل زبان کو دو یا تین نسلوں کے اندر ترک کر کے نئے ملک کی زبان اپنا لیتی ہے۔ [یہ البتہ فاتحین اور نوآبادیات پر لاگو نہیں ہوتا جو مقامی لوگوں پر اپنی زبان مسلط کرتے ہیں۔] مشرقی یورپ سے آنے والے تارکین وطن کے امریکی پوتے پوتیاں کبھی پولش یا یوکرائنی بولنا نہیں سیکھتے اور اپنے دادا دادی کی مہمل گفتگو کو مزاحیہ خیال

کرتے ہیں۔ یہ سمجھنا مشکل ہے کہ مورخین پولینڈ میں خزاروں کی ہجرت کے شواہد کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں کہ پانچ سو سال بعد وہ ایک مختلف زبان بولتے ہیں۔ اتفاق سے بائبلی قبائل کی نسلیں لسانیات اختیار کرنے کی بہترین مثال ہیں۔

پہلے وہ عبرانی بولتے تھے، بابل کی جلاوطنی میں کلدانی؛ یسوع کے وقت آرامی؛ اسکندریہ میں یونانی؛ سپین میں عربی، لیکن بعد میں لاڈینو، ہسپانوی۔ عبرانی کا مرکب جو عبرانی حروف میں لکھا جاتا تھا، یڈش کے مساوی سفاردی اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا. انھوں نے اپنی مذہبی شناخت برقرار رکھی لیکن اپنی سہولت کے مطابق زبانیں تبدیل کیں۔ خزارے قبائلی نسل میں سے نہیں تھے لیکن جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ انہوں نے ایک خاص عالمگیریت اور دیگر سماجی خصوصیات میں اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ اشتراک کیا۔

باب 4

پولیاک نے یڈش کی ابتدا کے متعلق ایک اضافی مفروضہ تجویز کیا ہے جس کا تذکرہ ضروری ہے، گو یہ کافی مشکل ہے۔ اس کی رائے میں یڈش کی ابتدائی شکل خزاری کریمیا کے وحشی علاقوں میں ابھری۔ ان خطوں میں پولینڈ اور لتھوانیا کی سلطنتوں میں بستیوں کی بنیاد سے سینکڑوں سال پہلے زندگی کے حالات میں جرمینک اور عبرانی عناصر کا متحد ہونا ضروری تھا"16 پولیاک نے بالواسطہ ثبوت کے طور پر وینس کے کسی جوزف باربارو کا حوالہ دیا، جو تانا، خلیج ڈان پر 1436ء سے 1452ء تک اطالوی مرچینٹ کالونی میں رہتا تھا۔ اس نے لکھا کہ اس کا جرمن نوکر کریمیا کے جاہل آدمی سے اس طرح بات کر سکتا تھا جس طرح ایک فلورنٹائن جینوآ کے ایک اطالوی کی زبان سمجھ سکتا تھا۔ درحقیقت غیر مہذب زبان کریمیا میں (اور بظاہر کہیں اور نہیں) کم از کم سولہویں صدی کے وسط تک زندہ رہی۔ اس وقت قسطنطنیہ میں ہیبسبرگ کے سفیر گسلین ڈی بس بیک نے کریمیا کے لوگوں سے ملاقات کی اور گفتگو میں مستعمل غیر مہذب زبان کے الفاظ کی فہرست بنائی۔ (یہ بس بیک ایک غیر معمولی شخص ہو گا، کیونکہ یہ وہی تھا جس نے سب سے پہلے لیونٹ سے یورپ میں لائی لیک اور ٹیولپ متعارف کروائے)۔ پولیاک اعلیٰ درمیانی جرمن عناصر کو یڈش الفاظ کے قریب سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ کریمین وحشیوں نے دیگر جرمن قبائل سے رابطہ رکھا اور یہ کہ ان کی زبان ان سے متاثر ہوئی۔ کوئی کچھ بھی سوچ سکتا ہے لیکن یہ مفروضہ ماہر لسانیات کی توجہ کے لائق ہے۔

باب 5

"ایک لحاظ سے، "سیسل روتھ نے لکھا، "یہودی تاریک دور کا آغاز نشاۃ ثانیہ کے ساتھ ہوا۔ "17اس سے قبل طاعون، صلیبی جنگوں اور دیگر بہانوں کے تحت قتل وغارت اور ظلم وستم ہوتا رہا؛ لیکن یہ بڑے پیمانے پر تشدد کی غیر قانونی پھیلنے والی شورشیں تھیں جن کی حکام نے فعال طور پر مخالفت کی یا بلاحس و حرکت برداشت کیا۔ اصلاح۔۔۔ مخالف کی شروعات سے یہودیوں کو قانونی طور پر تقریبا"۔۔ غیر۔۔۔انسان ہونے کی حیثیت دی گئی جس کا موازنہ ہندو ذات پات کے نظام میں اچھوتوں سے کیا جاسکتا ہے۔ "چند برادریوں کو مغربی یورپ میں رہنے کا دکھ جھیلنا پڑا، یعنی اٹلی، جرمنی، اور جنوبی فرانس میں پوپ کے مقبوضات۔۔ آخرکار تمام پابندیاں لگادی گئیں جنہیں پرانے زمانے میں عموما"ایک نصب العین بنا رہنے کی اجازت دی تھی "18-یعنی کلیسائی اور دیگر فرامین موجود تو تھے، لیکن فقط کاغذ پر (مثال کے طور پر، ہنگری میں، اوپر دیکھیں، V،2)۔ اب یہ "مثالی "آرڈیننس بے رحمی سے نافذ کیے گئے: رہائشی علیحدگی، جنسی نسل پرستی، تمام معزز عہدوں اور پیشوں سے اخراج؛ مخصوص لباس پہننا: پیلا نشان اور مخروطی ٹوپی۔ 1555ء میں پوپ پال چہارم نے یہودیوں کو یہودی پس ماندہ بستیوں میں محدود کرتے ہوئے پرانے احکام کو سخت کرنے اور ان کے مستقل نفاذ پر اصرار کیا۔ ایک سال بعد روم کے یہودیوں کو زبردستی منتقل کر دیا گیا۔ جہاں یہودیوں کو ابھی نقل و حرکت کی نسبتاً آزادی حاصل تھی ان تمام کیتھولک ممالک کو اس مثال کی پیروی کرنا تھی ۔ پولینڈ میں کاسمیر اعظم کی طرف سے افتتاحی پر سکون ابتدائی دور کی مدت دوسری جگہوں کی نسبت زیادہ طویل تھی لیکن سولہویں صدی کے آخر تک یہ ختم ہو چکی تھی۔ یہودی برادریاں جواب قصبوں اور پس ماندہ یہودی بستیوں تک محدود تھیں گنجان آباد ہو گئیں اور پناہ گزین، شمیلنکی کے الفاظ میں، یوکرائنی دیہاتوں میں پناہ گزینوں کے قزاقی قتل عام (اوپر دیکھیں، V،5) کی وجہ سے رہائشی صورت حال اور معاشی حالات بہت تیزی سے خراب ہوئے۔ نتیجتا" ایک نئی لہر اٹھی جس میں ہنگری، بوہیمیا، رومانیہ اور جرمنی کی طرف بڑے پیمانے پر ہجرت ہوئی جہاں یہودی طاعون کے باعث تقریبا"مٹ جانے کی وجہ سے ابھی تک بہت کم تعداد میں بکھرے ہوئے تھے۔ اس طرح مغرب کی طرف نقل مکانی کا سفر دوبارہ شروع ہوا جسے تقریباً تین صدیوں سے دوسری جنگ عظیم تک جاری رہنا تھا جو یورپ، امریکہ اور اسرائیل میں موجودہ یہودی برادریوں کا اہم ترین ذریعہ بن گیا۔ اس بہاؤ کی رفتار میں جب کمی آئی تو انیسویں صدی کے منظم قتل عام نے نئی قوت متحرکہ پیدا کی۔ "دوسری مغربی تحریک، "روتھ لکھتا ہے (یروشلم کی

پہلی تباہی کی تاریخ سے)"جو بیسویں صدی تک جاری رہی، جسے پولینڈ میں 49- 1648ء کے مہلک شمیلنکی قتل عام سے شروع ہونا کہا جاسکتا ہے۔"19

باب 6

محولہ سابقہ ابواب میں ثبوت ان جدید مورخین کے حق میں ایک مضبوط اضافہ ہے کہ آسٹریائی، اسرائیلی یا پولش نے آزادانہ طور پر یہی دلیل دی کہ جدید یہودیوں کا بڑا حصہ فلسطینی کے بجائے کا کیشین ہے۔ یہودیوں کی نقل مکانی کا مرکزی دھارا بحیرہ روم پار کر کے فرانس اور جرمنی سے مشرق کی طرف سے ہوتا ہوا پھر واپس چلا گیا۔ قفقاز سے یوکرین، پولینڈ اور پھر وسطی یورپ میں ندی تسلسل سے رواں رہی۔

جب پولینڈ میں بے مثال عظیم آبادکاری وجود میں آئی تو اہل یہود مغرب کے گردو پیش میں اتنے نہیں تھے جو اتنی بڑی تعداد کا باعث ہو سکتے جبکہ مشرق میں ایک پوری قوم نئی سرحدوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ موجودہ یہودی عالمی برادری میں یہودیوں کے مختلف ماخذوں کے حصہ ڈالنے سے انکار کرنا بے وقوفی ہوگی۔ خزاروں کا سامی اور دیگر شرکاء سے عددی تناسب قائم کرنا ناممکن ہے۔ لیکن مجموعی شواہد کا پولش مورخین کے اتفاق رائے سے متفق ہونے کی طرف رجحان ہے کہ "پرانے وقتوں میں بڑا حصہ خزاری ملک سے نکلا"؛ اور اس کے مطابق جینیاتی اتصال میں خزار یہودیوں کی شراکت کو مستحکم اور ہر طرح سے غالب ہونا چاہئے۔

حوالہ جات

1 ویتولانی، مقام۔Cit میسیس، 2-291 .Jewish Enc.3.pp،Vol. ایکس، پی.512.

4(1737) Fuhrmann، میسیس کی طرف سے نقل، 2,79 .p۔5 میسیس، loc. cit

6 سمتھ، ایچ، پراک۔وی، صفحہ 65ف۔7 میسیس، 211 .Ibid.8.p، 269 .Ibid.9.p، 272 .p.

10.Ibid، 272 .p.11 سمتھ، .op. cit، 66 .p، 12 کنتشیرا، ص۔13.244 کنتشیرا، ص۔2.43۔

14 پولیاک، .IX15 پولیاک، لوکیشن کے ذریعہ نقل کیا گیا ہے۔ci پولیاک، مقام۔cit17 روتھ، مقام۔cit

18 روتھ، مقام۔Ibidcit19

VIII

نسل اور خرافات

ہمارے زمانے کے یہودی دو اہم حصوں میں منقسم ہیں: سفاردی اور اشک نازی۔ سفاردی ان یہودیوں کی اولاد ہیں جو قدیم زمانے سے اسپین میں مقیم تھے (عبرانی میں سیفاراد) جب تک کہ وہ پندرہویں صدی کے آخر میں ملک بدر ہونے کے بعد بحیرہ روم، بلقان اور کسی حد تک مغربی یورپ کی سرحدوں میں آباد ہو گئے۔ وہ لاڈینو ہسپانوی- عبرانی بولی بولتے تھے، (دیکھیں VII، 3)، اور انہوں نے اپنی روایات اور مذہبی رسومات محفوظ رکھیں۔ 1960ء کی دہائی میں سفاردیوں کی تعداد تخمینا "500،000 تھی۔ اسی عرصے میں اشکنازیوں کی تعداد تقریباً گیارہ ملین تھی۔ اس طرح عام زبان میں یہودی عملی طور پر اشکنازی یہودی کا مترادف ہے لیکن اصطلاح گمراہ کن ہے، اس لیے کہ عبرانی لفظ اشکناز قرون وسطی کے رابائی ادب میں جرمنی کیلیئے استعمال ہوتا تھا- اس طرح اس افسانے کا حصہ بنا۔ جدید یہودیوں کی ابتدا رائن پر ہوئی۔ عصری یہودیوں کی غیر سیفاردی اکثریت کا حوالہ دینے کیلیئے کوئی اور اصطلاح نہیں ہے۔ تفریح طبع میں تیزی کی خاطر یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ بائبل کے اشکنازیوں سے مراد کوہ ارارات اور آرمینیا کے آس پاس رہنے والے لوگ ہیں۔ یہ پیدائش 10، 3 اور وقائع 1، 6، میں گومر کے بیٹوں میں سے ایک کے نام کے طور پر آتا ہے جو یافث کا بیٹا تھا۔ اشکناز توگرمہ کا بھائی بھی ہے (اور ماجوج کا بھتیجا) جسے کنگ جوزف کے مطابق خزاروں نے اپنے آباؤاجداد ہونے کا دعویٰ کیا تھا (اوپر II، 5 دیکھیں) لیکن اس سے بھی بدتر کہ اشکناز کا نام یرمیاہ 51، 27 میں بھی آیا ہے جہاں نبی اپنے لوگوں اور اتحادیوں کو اٹھنے اور بابل کو تباہ کرنے کیلیئے پکارتا ہے: "تم ارارات، مِنّی اور اشکناز کی سلطنتوں کو پکارو۔" اس حوالے کی تشریح پیشین گوئی کے طور پر دسویں صدی کے مشرقی یہودیوں کے روحانی پیشوا سعدیہ گاون نے اپنے زمانے سے متعلق کی تھی:

بابل کو علامتی طور پر بغداد کی خلافت کہا اور اشکنازی اس پر حملہ کرنے والے یا تو خود خزارے تھے یا کوئی اتحادی قبیلہ۔ پولیاک اسی لئے کہتا ہے 1 کہ چند زیرک خزاری یہودی جنہوں نے گاون کے اختراعی دلائل سننے پر جب وہ پولینڈ میں ہجرت کر گئے تو خود کو اشکنازی کہا۔ اس سے الجھن میں اضافہ کے علاوہ کچھ ثابت نہیں ہوا۔

باب 2

ایک مختصر عبارت میں ایک بہت پرانے اور تلخ تنازعہ کا خلاصہ کرتے ہوئے رافیل پٹائی نے لکھا 2 :

علم الانسان کے مادی نتائج سے پتہ چلتا ہے کہ مقبول نظریہ کے برعکس وہاں کوئی یہودی نسل نہیں ہے۔ دنیا کے بہت سے حصے کے یہودی گروہوں کی بشر پیمائی کی پیمائش اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ وہ تمام اہم جسمانی خصوصیات، قد، وزن، جلد کا رنگ، سر سے متعلقہ فہرست، چہرے کی فہرست، بلڈ گروپس وغیرہ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ آج کل ماہرین بشریات اور مورخین کے درمیان درحقیقت یہی قبول شدہ نظریہ ہے۔ مزید یہ کہ عام اتفاق ہے کہ کھوپڑی کی فہرستوں، خون کی اقسام وغیرہ کا موازنہ ظاہر کرتا ہے کہ مختلف ممالک میں رہنے والے یہودیوں کی نسبت یہودیوں اور ان کی غیر یہودی میزبان قوم کے درمیان زیادہ مماثلت ہے۔ پھر بھی یہ متضاد مقبول عقیدہ کہ یہودی، یا کم از کم مخصوص قسم کے یہودی فورا'' پہچانے جا سکتے ہیں اس طور تسلیم کرنے پر قابو سے باہر نہیں ہونا چاہئے۔ سادہ سی وجہ کہ روزمرہ میں اس کی ایک حقیقی بنیاد ہے۔ ماہر بشریات کا ثبوت عام مشاہدے سے ظاہری نزاعی تضاد لگتا ہے۔ اس سے نمٹنے کی کوشش کرنے سے قبل اعداد و شمار کے چند نمونے دیکھنے سے آغاز کرنا مفید ہوگا جن پر ماہرین بشریات کا یہودی نسل کا انکار مبنی ہے۔ 'نسل کا سوال' پر یونیسکو کے شائع کردہ 'جدید سائنس' کتابچوں کے شان دار سلسلہ وار کا ایک اقتباس ہے۔ مصنف، پروفیسر جوآن کوماس، شماریاتی مواد سے مندرجہ ذیل نتیجہ اخذ کرتا ہے:

عام نظریہ کے باوجود یہودی لوگ نسلی طور پر متضاد ہیں۔ ان کی مستقل ہجرتیں اور ان کے تعلقات، رضا کارانہ یا بصورت دیگر قوموں اور لوگوں کی وسیع ترین اقسام کی صحبت سے ایسا مخلوط النسل مقام حاصل کیا ہے کہ اسرائیل کے نام نہاد لوگ ہر قسم کے انسان کی مخصوص خصوصیات کی مثالیں پیش کر سکتا ہے۔ ثبوت کے لیے سرخ و سفید چہرے، مضبوط، بھاری ساخت کے روٹرڈیمی یہودی کا موازنہ اپنے ہم مذہب سلونیکا کے ایک بیمار چہرے اور دبلے پتلے، انتہائی حساس اور بے چین جسم میں چمک دار آنکھوں سے کرنا کافی ہوگا۔ اب تک ہمارے علم میں جو آیا ہے اس کی بنیاد پر ہم یہ دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ یہودیوں میں مجموعی طور پر آپس میں عظیم صَوَری تفاوت اس قدر ہے جس قدر دو یا دو سے زیادہ مختلف نسلوں کے ارکان کے درمیان پایا جا سکتا ہے۔3

ہمیں مزید ان چند جسمانی خصوصیات پر نظر ڈالنی چاہئے جنہیں ماہر بشریات بطور معیار استعمال کرتے ہیں۔ انہیں پر کوماس کے نتائج مبنی ہیں۔ ان معیاروں میں آسان اور سادہ ترین میں سے ایک جسمانی قد تھا۔ یورپی نسلوں پر 1900ء میں ایک پائے کا تحقیقی مواد شائع ہوا جس میں ولیم رپلے نے لکھا: "یورپی یہودی تمام پستہ قد ہیں؛ صرف یہی نہیں، ان کی پرورش اکثر بخوبی نہیں ہو سکی۔"4 وہ اس وقت ایک حد تک صحیح تھا اور اس نے اسے ثابت کرنے کے لیے کافی

اعداد و شمار پیش کیے، لیکن وہ یہ اندازہ لگانے کے لئے کافی ہوشیار تھا کہ اس کا امکان ہے کہ ماحولیاتی عوامل سے قد میں کمی کسی نہ کسی طرح سے متاثر ہو سکتی ہے۔5 گیارہ سال بعد موریس فشبرگ نے 'یہودی نسل اور ماحولیات پر انگریزی میں اپنی نوعیت کے پہلے بشریاتی سروے میں انکشاف کیا، حیران کن حقیقت یہ ہے کہ امریکہ میں مشرقی یورپی یہودی تارکین وطن کے بچوں کا اوسط قد 167.9 سینٹی میٹر تھا جبکہ موازنتاً" ان کے والدین کا اوسط قد 164.2 سینٹی میٹر تھا۔ یعنی ایک نسل میں تقریباً ڈیڑھ انچ کا اضافہ ہوا۔6 تب سے یہ ایک عام سی بات بن گئی ہے کہ تارکین وطن کی آبادی کی اولاد، وہ یہودی، اطالوی یا جاپانی ہوں، اپنے والدین سے کافی قد آور ہیں۔ بلاشک اس میں ان کی بہتر خوراک اور دیگر ماحولیاتی عوامل شامل ہیں۔ اس کے بعد فش برگ نے پولینڈ، آسٹریا، رومانیہ، ہنگری وغیرہ میں یہودیوں اور غیر یہودیوں کے اوسط قد کے موازنہ کیلئے اعداد و شمار جمع کیے۔ نتیجہ پھر حیران کن تھا۔ عام طور پر یہ پایا گیا کہ یہودیوں کا قد غیر یہودی آبادی کے قد سے مختلف ہے جس کے درمیان وہ رہتے تھے۔ وہ نسبتاً لمبے قد کے تھے جہاں مقامی آبادی کا قد لمبا تھا اور اسی طرح اس کے برعکس۔ مزید یہ کہ ایک ہی قوم کے اندر، اور یہاں تک کہ ایک ہی شہر (وارسا) کے اندر یہودیوں اور غیر یہودیوں کے جسمانی قد میں علاقائی خوش حالی کے معیار کے مطابق فرق پایا گیا۔7 اس تمام کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قد پر موروثیت کا کوئی اثر نہیں ہے۔ لیکن اس پر ماحولیاتی اثرات کی بچھی ہوئی تہ کے علاوہ بھی ترمیم ہوئی ہے، لہٰذا نسل کیلئے اصول کے طور پر یہ غیر موزوں ہے۔ اب ہم پیمائش کی طرف رجوع کر سکتے ہیں جو کبھی ماہر بشریات کا پسندیدہ میدان تھا لیکن اب اسے کافی فرسودہ سمجھا جاتا ہے۔ یہاں پھر ہمیں معلومات سے ماخوذ اسی قسم کے نتائج ملتے ہیں۔ "یہودی اور غیر یہودی آبادی کے بہت سے ممالک کی سروں کی چوڑائی کو لمبائی سے تقسیم کردہ نسبتوں کا موازنہ مختلف یہودی اور غیر یہودی نسبتوں کے درمیان واضح مماثلت ظاہر کرتا ہے جبکہ مختلف ممالک میں بسنے والی یہودی آبادی کے سروں کی نسبتوں کے موازنہ میں وسیع عدم مطابقت پائی جاتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ خصوصیت، شکل پذیری کے برعکس یہودیوں کے نسلی تنوع کی طرف اشارہ کرتی ہے۔"8 اس تنوع کو یاد رکھنا چاہئے جو سفاردی اور اشکنازی کے درمیان سب سے زیادہ واضح ہے۔ یہودی بڑے پیمانے پر سفاردی (لمبے سر والے)، اشکنازی (چوڑے سر والے) ہیں۔ کٹشیر انے خزارہ۔۔ اشکنازی اور سامی ۔۔۔ سیفاردی یہودیوں کی نسلی بنیاد کو اس فرق میں الگ الگ ہونے کا ایک اور ثبوت دیکھا۔ لیکن ہم نے ابھی دیکھا ہے کہ مختصر یا لمبے سر کی نسبتیں میزبان ممالک کے ساتھ ہم آہنگ ہوتی ہیں جو کسی حد تک دلیل کو باطل کرتی ہیں۔ دیگر جسمانی خصوصیات سے متعلقہ اعداد و شمار بھی نسلی اتحاد کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ یہودی عموماً" سیاہ بالوں اور سیاہ

آنکھوں والے ہیں۔ لیکن "عام طور پر" کس طرح عام ہے جب کہ کوماس کے مطابق پولش یہودیوں میں سے 49 فیصد بھورے بالوں والے تھے،9 اور آسٹریا میں اسکول کے 54 فیصد یہودی بچوں کی آنکھیں نیلی تھیں؟10

یہ حقیقت ہے کہ ورچوف 11 کی تحقیق کے بموجب جرمنی میں سنہری بالوں والے یہودی اسکول کے بچے 32 فی صد جب کہ سنہرے بالوں والے غیر یہودی بچوں کا تناسب زیادہ تھا؛ لیکن اس سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غیر ہم آہنگی توقع کے مطابق مطلق نہیں ہے۔ آج تک کا انتہائی ٹھوس ثبوت خون کے گروپوں کی درجہ بندی سے ملتا ہے۔ اس ضمن میں حال ہی میں جو وقیع کام ہوا ہے اس سے ایک خصوصی حساس مظہر کی ایک مثال کا حوالہ ہی کافی ہو گا۔ پتائی کے الفاظ میں:

خون کی قبیل کے حوالے سے یہودی گروہوں کے درمیان نمایاں تضادات ہیں جو غیر یہودی ماحول سے مماثلت کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اس کے اظہار کیلئے (B+AB)(A+AB) ہرز فیلڈ کا کا آسان ترین "بایو کیمیکل انڈیکس" استعمال کیا جاسکتا ہے۔ چند امتیازی مثالیں یہ ہیں: جرمن یہودی 2.74، جرمن غیر یہودی 2.63؛ رومانیہ کے یہودی 1.54، رومانیہ غیر یہودی 1.55؛ پولش یہودی 1.94، پولش غیر یہودی 1.55؛ مراکش کے یہودی 1.63، مراکشی غیر یہودی 1.63؛ عراقی یہودی 1.22، عراقی غیر یہودی 1.37؛ ترکستانی یہودی 0.97، ترکستانی غیر یہودی 0.99 . 12 اس صورت حال کا خلاصہ ریاضی کے دو فارمولوں میں کیا جاسکتا ہے:

Ga-Ja<Ja – Jb :اور

Ga-Gb ~= Ja - Jb

واضح الفاظ میں یہ کہنا ہے کہ بشریات کے معیارات کے سلسلے میں فرق کسی (a) ملک میں غیر قوموں (Ga) اور یہودیوں (Ja) کے اور مختلف ممالک یہودیوں کے درمیان (a اور b) درمیان کم فرق ہے؛ اور a اور b میں غیر قوموں کے ممالک کے درمیان فرق a اور b میں یہودیوں کے درمیان فرق کی طرح ہے۔ یہی مناسب ہے کہ اس حصے کو ہیری شاپیرو کے یونیسکو کے سلسلہ وار میں شراکت کے ایک اور اقتباس کے ساتھ سمیٹ لیا جائے۔۔۔ یہودی لوگ:

ایک حیاتیاتی تاریخ: 13 یہودی آبادیوں کے درمیان ان کی جسمانی خصوصیات اور ان کے خون کے گروہوں کے نسب کے تعدد کے تنوع میں وسیع پیمانے پر فرق ان کی کسی بھی متحد نسلی درجہ بندی میں تضاد پیش کرتا ہے۔ اگرچہ جدید نسلی نظریہ کسی نسلی گروہ کے اندر کسی حد تک کثیر الاشکال یا تنوع کو تسلیم کرتا ہے، لیکن یہ واضح طور پر مختلف

گروہوں کو جن کی نسل کی پیائش اپنے معیار سے کی جاتی ہے، ایک طرح سے شناخت کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ایسا کرنے سے نسلی درجہ بندی کے حیاتیاتی مقاصد بیکار اور پورا طریقہ کار بے قاعدہ اور بے معنی ہو کر رہ جائے گا. بد قسمتی سے یہ موضوع شاذ و نادر ہی مکمل طور پر غیر حیاتیاتی لحاظ سے لا تعلق ہوتا ہے۔ ثبوت کے باوجود کوششیں جاری ہیں کہ کسی ڈھنگ سے یہودیوں کو مجموعا" ایک نسلا" علیحدہ مخصوص ہستی بنایا جائے۔

باب 3

یہ جڑواں واقعہ - جسمانی خصوصیات میں تنوع اور میزبان قوم کے عین مطابق کیسے وقوع پذیر ہوا؟ ماہرین جینیات کا واضح جواب یہ ہے: انتخابی دباؤ کے تحت بذریعہ اختلاط الا قوام۔ "یہ"، فش برگ لکھتا ہے، "یہودیوں کی بشریات میں در حقیقت ایک فیصلہ کن نکتہ ہے: کیا وہ خالص نسل کے ہیں جن میں کم و بیش ماحولیاتی اثرات سے ترمیم ہوئی ہے یا کیا وہ مذہبی فرقہ ہیں جو نسلی عناصر اور ان کے دور میں دنیا کے مختلف حصوں میں ہجرت کے ذریعے تبلیغ اور باہمی شادیوں سے بنا تھا؟" وہ اپنے قارئین کیلیئے جواب میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ 14:

بائبل کے شواہد اور روایات کے آغاز سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل قبیلے کی تشکیل کے آغاز ہی سے مختلف نسلی عناصر پر مشتمل تھے۔.... ہمیں اس وقت ایشیا کوچک، شام اور فلسطین میں بہت سی نسلیں ملتی ہیں؛ اموری، جن کے رنگ گورے، سر اور قد لمبے تھے۔ ہٹائٹس، گہرے رنگ کی نسل، جن میں شاید مشرقی، جنوب مشرقی اور دیگر قسم کی ایشیائی اقوام؛ کوشائٹس، وسطی اور جنوبی افریقہ میں سیاہ فام کش کی نسل؛ اور کئی دیگر. قدیم عبرانیوں نے ان تمام کے ساتھ باہم شادیاں کیں جنہیں بائبل میں بہت سے اقتباسات میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ انبیاء "اجنبی دیوتا کی بیٹیوں سے شادی کرنے" کے خلاف گرجے ہوں، لیکن لاپرواہ اسرائیلی باز نہیں آئے اور ان کے رہنما بری مثال بننے میں سب سے آگے تھے، یہاں تک کہ پہلے بزرگ ابراہیم بلا نکاح ہاجرہ ایک مصرن کے ساتھ رہتے تھے؛ جوزف نے آسناتھ کے ساتھ شادی کی جو نہ صرف مصرن تھی بلکہ ایک پادری کی بیٹی تھی۔ موسیٰ نے زیپورہ ایک مدینی سے شادی کی؛ سیمسن، یہودی ہیرو، ایک غیر شائستہ شخص تھا۔ بادشاہ ڈیوڈ کی ماں، لوطی نسسل کی موآبن تھی اور اس نے گیشور کی شہزادی سے شادی کی۔ جہاں تک بادشاہ سلیمان (جس کی ماں ہِتّی تھی)، "وہ بہت سی اجنبی عورتوں سے محبت کرتا تھا، جن میں فرعون کی بیٹی، موآبی انیمونائی، ادومی، زیدونی اور حتی عورتیں بھی شامل تھیں۔..." 15 اس طرح اہانت آمیز واقعہ جاری رہتا ہے۔ بائبل میں یہ بھی واضح ہے کہ شاہی

مثال کی نقالی اعلےٰ اور ادنی، بہت سے لوگوں نے کی۔اس کے علاوہ بائبل کی ممانعت نے جنگ کے زمانے میں غیر یہودی قیدی عورتوں سے شادی کرنے میں چھوٹ دی اور ایسی عورتوں کی کمی نہیں تھی۔ بابل سے جلاوطنی نے نسلی پاکیزگی کو بہتر نہیں بنایا یہاں تک کہ کاہن خاندانوں کے افراد نے غیر یہودی عورتوں سے شادی کی۔ مختصراً''اسرائیلی بے وطنی کے آغاز سے پہلے ہی مکمل طور پر مخلوط النسل تھے۔اکثر تاریخی قومیں ایسی ہی تھیں اور اس نکتے پر زور دینے کی ضرورت نہ ہوتی اگر بائبل کے قبیلے نے ہر دور میں اپنی نسلی پاکیزگی کو متواتر محفوظ رکھنے کو مستقل افسانہ نہ بنایا ہوتا۔

باہمی افزائش کا ایک اور اہم ذریعہ بہت سی مختلف نسلوں کے لوگوں کا بڑی تعداد میں یہودیت میں تبدیل ہونا تھا۔ اولین یہودیوں کے مذہب پرستی کے جوش کا گواہ زمانہ حبشہ کا سیاہ فام فلاشا ہے، کائی فینگ کے چینی یہودی جو چینیوں جیسے نظر آتے ہیں، یمنی یہودی اپنے سیاہ مائل زیتونی رنگت کے ساتھ، صحارا کے یہودی بربر قبائل جو تؤآریگ جیسے نظر آتے ہیں اور اسی طرح مزید آگے جائیں تو ہماری سب سے بڑی مثال خزاروں تک پہنچتی ہے۔قریب سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ رومی سلطنت میں یہودیت کی تبلیغ یہودی ریاست کے زوال اور عیسائیت کے طلوع ہونے کے درمیان بام عروج تک پہنچی۔اٹلی میں بہت سے طبقہ ءامراء کے خاندانوں، بلکہ صوبہ اڈیابین کے شاہی خاندان نے بھی یہودیت قبول کی۔ فیلو یونان میں متعدد مذہب تبدیل کرنے والوں کا ذکر کرتا ہے؛ فلاویس جوسیفس بیان کرتا ہے کہ انطاکیہ کی آبادی کا ایک بڑا حصہ یہودی بنایا گیا تھا۔ سینٹ پال ایتھنز سے ایشیائے کوچک کے سفر میں تقریباً''ہر جگہ نو مذہب لوگوں سے ملا۔" تبدیلیءمذہب کا جوش"، یہودی مورخ رائیناخ نے لکھا: 'گریکو رومن عہد کے دوران واقعی یہودیت کی مخصوص ترین خصوصیات میں سے تھا-16 ایک ایسی امتیازی خصوصیت جو اس جیسی نہ پہلے کبھی تھی نہ بعد میں نظر آئی؛.. یہ شک سے بالاتر ہے کہ یہودیت نے اس طرح دو تین صدیوں کے دوران بے شمار لوگوں کا مذہب تبدیل کروایا.. مصر، قبرص اور سائرین میں غیر یہودیوں کے خون کا وافر اد خال فرض کئے بغیر یہودی قوم کی غیر معمولی نمو کا جواز نہیں مل سکتا۔ معاشرے کے ادنےٰ و اعلےٰ طبقے پر تبدیلیءمذہب نے یکساں اثر کیا۔ عیسائیت کے عروج نے اختلاط اقوام کی شرح کم کی، اور یہودی پس ماندہ بستی نے اسے عارضی طور پر معطل کر دیا۔ سولہویں صدی میں یہودی پس ماندہ بستیوں کے قوانین کو سختی سے نافذ کرنے سے پہلا عمل تب بھی جاری رہا۔ یہ مخلوط شادیوں پر ہمیشہ بار بار کے کلیسائی مذہبی حکم امتناعی؛ مثال کے طور پر 589ء میں ٹولیڈو، 743ء میں روم، 1123ءاور 1139ء میں لیٹرَین کی کونسلوں میں یا 1092ء میں ہنگری کے بادشاہ لاڈیسلاو II کے فرمان سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تمام ممانعتیں صرف جزوی طور پر مؤثر تھیں، مثلاً'' ہنگری کے آرچ بشپ رابرٹ وان گرین کی رپورٹ

سے ظاہر ہوتاہے کہ اس نے پوپ سے 1229ء سے شکایت کی کہ بہت سی عیسائی خواتین کی یہودیوں سے شادیوں کی وجہ سے چرچ نے اس طرح چند سالوں میں "کئی ہزار عیسائی" کھوئے۔17 واحد مؤثر رکاوٹ یہودی پس ماندہ بستی کی دیواریں تھیں۔جب یہ منہدم ہوئیں تو آپس میں شادیوں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔دوبارہ ان کی شرح اس حد تک بڑھ گئی کہ جرمنی میں 1921ء سے 1925ء کے درمیان 100 یہودی شادیوں میں سے 42 مخلوط تھیں۔18

اسپین میں ایک ہزار سال سے زیادہ عرصے تک ان کے عارضی قیام نے ان اور ان کے میزبانوں پر اپنا راسخ نشان چھوڑا۔آرنلڈ ٹوئن بی نے لکھا: کہ یقین کرنے کی معقول وجہ ہے کہ سپین اور پرتگال میں آج ان نو مذہب ہسپانوی یہودیوں کی رگوں، خصوصا'' اعلٰی اور درمیانی طبقات میں خون کی خفیف سی شدید جھلک ہے۔اس کے باوجود سب سے ذکی ترین ماہر نفسیات پر یہ مشکل آن پڑے گی کہ موجودہ ہسپانوی اور پرتگالی اعلیٰ اور متوسط طبقات میں معلوم کرنے کیلئے نمونے پیش کیے جائیں کہ کن کے آباؤاجداد یہودی ہیں۔19

یہ دوطرفہ عمل تھا۔1391ء اور 1411ء کے قتل عام کے بعد جس نے تمام جزیرہ نما کو خون میں نہلا دیا، ایک معتدل اندازے کے مطابق 100،000 سے زیادہ یہودیوں نے بپتسمہ قبول کیا۔لیکن ان کا معقول تناسب چوری چھپے یہودیت پر عمل پیرا رہا۔یہ عیسائی نما پوشیدہ یہودی، مارانو، جو اقبال مند ہوئے، درباری اور کلیسائی ترتیب مدارج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو کر اشرافیہ کے ساتھ باہمی شادیاں کیں۔(1492)ء میں اسپین اور (1497)ء میں پرتگال سے بے ندامت یہودیوں کو نکالنے کے بعد مارانوں کو انتہائی مشکوک سمجھا جاتا تھا؛ کئی ایک کو انسدادِ الحاد کی عدالت کے حکم پر جلادیا گیا تھا۔سولہویں صدی میں اکثریت بحیرہ روم، ہالینڈ، انگلینڈ اور فرانس کے آس پاس کے ممالک میں ہجرت کر گئی۔وہ آسرا ملنے پر دوبارہ کھلے عام اپنے مذہب کی طرف لوٹ گئے اور ان ممالک میں 1492-97ء کے ملک بدر ہونے والوں کے ساتھ مل کر نئی سفاردی آبادیوں کی بِناڈالی۔اس طرح سپین میں سماج کے اعلیٰ طبقے کے دوغلی نسب کے متعلق ٹوئن بی کا تبصرہ مناسب تغیر و تبدل کو ملحوظ رکھتے ہوئے مغربی یورپ کی سفاردی آبادیوں پر بھی چسپاں ہوتا ہے, اسپینوزا کے والدین پرتگالی مارانو تھے جو ایمسٹرڈیم کی طرف ہجرت کر گئے۔ انگلستان کے پرانے یہودی خاندان (جو انیسویں- بیسویں صدی میں مشرق سے ہجوم کی آمد سے بہت پہلے یہاں پہنچ چکے تھے) مونٹیفیور، لوساڈا، مونٹیگو، اِوگڈور، سٹر، سیسون، وغیرہ، سب سپین اور پرتگال کی مخلوط آبادیوں سے باہر نکل آئے جو اشکنازیوں یا یہودیوں سے زیادہ خالص نسل کا دعویٰ نہیں کر سکتے جن کے نام ڈیوس، ہیرس، فلپس یا ہارٹ ہیں۔ایک بارہاہونے والاالم ناک واقعہ عصمت دری کے ذریعے اخلاطِ نسل تھا۔اس کی طویل تاریخ بھی فلسطین

سے شروع ہوتی ہے۔ ہمیں مثلا'' بتایا جاتا ہے کہ کسی یہودا ابن حزقیال نے بیٹے کی ایسی عورت سے شادی کرنے کی مخالفت کی جو "ابراہیمی نسل" سے نہیں تھی جس پر اس کے دوست اُلّا نے تبصرہ کیا: "ہمیں کیسے یقین ہو کہ ہم خود غیر اہل کتاب کی نسل سے نہیں ہیں وہ قوم جس نے یروشلم کے محاصرے میں صیہون کی کنواریوں کی عصمت دری کی؟"20 زنا بالجبر اور لوٹ مار (مؤخر الذکر کی رقم اکثر پہلے سے طے کی جاتی تھی) فاتح فوج کا فطری حق سمجھا جاتا تھا۔ایک قدیم روایت جسے گریٹز نے ریکارڈ کیا ہے، جو جرمنی میں یہودی بستیوں کی قدیم ترین اصل کو سابئی خواتین کی عصمت دری کی یاد تازہ کرنے والے واقعہ سے منسوب کرتی ہے۔اس روایت کے مطابق ایک جرمن یونٹ، وینگیونی جس نے فلسطین میں رومی لشکروں کے ہمراہ جنگ کی تھی، "اس نے یہودی قیدیوں کے بہت بڑے گروہ سے خوبصورت خواتین منتخب کرکے انہیں رائن اور مین کے ساحلی مقامات پر لاکر اپنی خواہشات کی تسکین کیلئے مجبور کیا تھا۔یہودی اور جرمن والدین سے پیدا ہونے والے ایسے بچوں کی پرورش ان کی مائیں یہودی عقیدے کے مطابق کرتی تھیں جبکہ باپ لاپرواہ ہوتے تھے۔انہی بچوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ورمز اور مے اینس میں اولیں یہودی برادریوں کے بانی تھے۔"21 مشرقی یورپ میں عصمت دری اور بھی زیادہ عام تھی۔دوبارہ قشبرگ کے حوالہ سے:

اسرائیلی گروہ کی رگوں، خصوصا'' سلاوی ممالک، میں غیر یہودی خون کا ایسا پر تشدد داخل ہے۔قزاقوں کے پسندیدہ طریقوں میں سے ایک کہ یہودیوں سے پیسے نکلوانے کے لیے انہیں بڑی تعداد میں قیدی بنالینا تھا۔وہ چونکہ بخوبی واقف تھے کہ یہودی انہیں تاوان دیں گے۔یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ نیم وحشی قبائل تاوان کی ادائیگی سے قبل ان خواتین کی عصمت دری کرتے تھے۔درحقیقت، "چاروں زمینوں کی کونسل"، 1650 کے موسم سرما کے اجلاس میں غریب عورتوں اور ان سے پیدا ہونے والے ان بچوں کا ادراک کرنا تھا، جو قید کے دوران قزاق شوہروں کی اولاد تھے تاکہ یہودیوں کے خاندان اور سماجی زندگی میں نظم بحال ہو۔5-1903ء میں روسی قتل عام کے دوران یہودی خواتین کے ساتھ ایسی ہی وحشیانہ حرکتوں کا دوبارہ ارتکاب کیا گیا۔ 22

باب 4

تضاد کی طرف متوجہ ہونے کیلئے بہت سے لوگ جو نہ تو نسل پرست ہیں اور نہ ہی سامی مخالف، وثوق سے کہتے ہیں کہ وہ ایک نظر میں یہودی کو پہچان سکتے ہیں۔اگر یہودی ایسے ہی مخلوط النسل ہیں جیسا تاریخ اور بشریات انہیں دکھاتی

ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے ؟میرے خیال میں جواب کا کچھ حصہ ارنسٹ رینن نے 1883ء میں دیا تھا: "23 یہودیوں کی وہ قسم جسے "ایک نظر میں" پہچانا جا سکتا ہے، بہت سی اقسام میں سے ایک خاص قسم ہے. چودہ ملین یہودیوں میں سے صرف ایک چھوٹا سا حصہ اس خاص قسم سے تعلق رکھتا ہے اور جو اس سے تعلق رکھتے ہیں وہ ہمیشہ یہودی ہر گز نہیں ہوتے۔ لفظی اور استعاراتی طور پر سب سے نمایاں خصوصیات جسے خاص قسم کہا جاتا ہے ناک ہے، جسے مختلف انداز سے سامی، عقابی، یا عقاب کی چونچ سے مشابہ بیان کیا گیا ہے۔ لیکن حیرت انگیز طور پر فشبرگ نے نیو یارک شہر میں 2836 یہودیوں میں صرف 14 فیصد یعنی سات میں سے ایک شخص کی ناک خم دار پائی جبکہ سیدھی ناک والے 57 فیصد تھے، 20 فیصد چپٹی ناک والے اور 6.5 فی صد کی "ہموار اور چوڑی ناک" تھی۔24 پولینڈ اور یوکرین میں دیگر ماہر بشریات نے سامی ناک کے حوالے سے یہی نتائج نکالے۔ 25 مزید برآں حقیقی سامیوں میں خالص نسل کے بدوؤں کی ناک کی ایسی شکل بالکل نہیں ہوتی۔26 دوسری طرف یہی کچھ "مختلف قفقازی قبائل اور ایشیا کوچک میں بھی بکثرت ملتا ہے۔اس خطے میں مقامی نسلوں میں، جیسے آرمینیائی، جارجیائی، اوسیٹس، لیسگین، ایسورس اور شامی سمیت لوگوں کی عقابی ناک عام ہے۔ بحیرہ روم کے یورپی ممالک کے لوگوں میں، جیسے یونانی، اطالوی، فرانسیسی، ہسپانوی اور پرتگالیوں میں مشرقی یورپ کے یہودیوں کے مقابلتا'' خم دار ناک بھی بکثرت ہے۔ شمالی امریکی انڈین بھی اکثر 'یہودی' ناک والے ہوتے ہیں۔" 27 اس لئے شناخت کی خاطر صرف ناک ہی قابل اعتماد رہنما نہیں ہے۔ایک خاص قسم کے صرف اقلیتی یہودیوں کی ناک محدب دکھائی دیتی ہے جو بہت سے دیگر نسلی گروہوں کی بھی ہے۔ پھر بھی وجدان بتاتا ہے کہ ماہر بشریات کے اعداد و شمار کسی نہ کسی طرح غلط ہونے چاہئیں۔ اس مشکل حالت سے نکلنے کا ایک ہوشیار طریقہ بیڈوک اور جیکبز نے تجویز کیا تھا کہ "یہودی ناک" کو یک رخی تصویر میں واقعی محدب ہونے کی ضرورت نہیں اور ہو سکتا ہے کہ پھر بھی ایک عجیب و غریب "تہہ کردہ کونوں" کی وجہ یا" نتھنے سکیڑنے'' کا تاثر دیں۔اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ یہ "نتھنے ایسے ہونے" سے ہے جو چونچ کا فریب نظر فراہم کرتے ہیں۔ جیکبز نے اپنے قارئین کو "لمبی دم (تصویر 1) کے ساتھ 6 کا ہندسہ لکھنے کی دعوت دی ہے؛ اب موڑنے کی جگہ کو ہٹا دیں جیسا کہ تصویر 2 میں ہے جس میں زیادہ تر یہودیت غائب ہو جاتی ہے۔ جب ہم نچلے تسلسل کو افقی طور پر کھینچتے ہیں تو یہ مکمل طور پر غائب ہو جاتا ہے جیسا کہ تصویر 3 میں ہے۔'' رپلی نے جیکبز کے حوالے سے تبصرہ کیا ہے: "کلّی تبدیلی دیکھو! یہودی بلاشبہ رومن بن گیا ہے۔ تو ہم نے ثابت کیا کیا؟ کہ حقیقت میں یہودیوں کی ناک جیسی عجیب و غریب شکل موجود ہے، اگرچہ یہ ہمارے پہلے مفروضے سے مختلف طور پر تشکیل دیا گیا ہو [پرکھ کا

محدبی معیار]۔28 لیکن کیاواقعی ایسا ہے؟ شکل 1 اب بھی اطالوی، یونانی، ہسپانوی، آرمینیائی یا بشمول ریڈانڈین "نتھنے پن" کی نمائندہ ہوسکتی ہے کہ یہ یہودیائی ہے، ریڈانڈین، آرمینیائی وغیرہ نہیں۔۔۔ سرسری نظر میں۔۔۔ ہم دیگر خصوصیات کے سیاق وسباق سے، بشمول اظہار، کردار، لباس ناک سے اخذ کرتے ہیں۔ یہ منطقی تجزیہ کا عمل نہیں، بلکہ ماہر نفسیات کی انساں شناسی کے ادراک کی نوعیت ہے، جیسے مجموعی طور پر ایک شکل کو گرفت میں لانا۔ اسی طرح قابل لحاظ امور کا اطلاق چہرے کے ہر خط وخال پر ہوتا ہے جیسے امتیازی طور پر ''شہوت انگیز ہونٹ'' سیاہی مائل، لہرئے یا پُر شکن بال؛ اداسی، یا مکارانہ، یا ابلواں یا چیری ہوئی منگول آنکھیں، وغیرہ۔ اگر الگ طور پر لئے جائیں وہ انتہائی متنوع قوموں کی مشترکہ خصوصیت ہیں؛ ساتھ ملائیں، ایک اصل سے ملتی کمپیوٹر بنی تصویر جیسی، وہ ایک اصل میں یک جا ہو جاتے ہیں۔۔یعنی ایک بار پھر۔۔ایک خاص قسم کا یہودی، مشرقی یورپی نژاد، وہ قسم جس سے ہم واقف ہیں۔ لیکن ہماری شناختی کٹ یہودیوں کی دیگر مختلف اقسام کے لیے موزوں نہیں ہو گی، جیسے سیفارڈی (بشمول ان کی برطانیہ میں بہت انگریز۔۔بنے والوں کی اولاد)؛ نہ ہی وسطی یورپ کی سلاوونک قسم، اور نہ ہی سنہرے بالوں والی ٹیوٹونک، چیری ہوئی آنکھوں والے منگولی، یا شکن دار بالوں والے نیگرو قسم کے یہودی۔ اس محدود اصل کو بھی یقینی طور پر پہچان نہیں سکتے ہیں۔ فشبرگ یار پلے کا شائع کردہ تصاویری مجموعہ، "اس پر یقین کریں یا نہ کریں" کھیل کیلئے استعمال کیا جاسکتا ہے، اگر آپ عنوان ڈھانپ دیں جس سے یہ ظاہر ہو کہ آیا تصویر میں شخص یہودی ہے یا غیر قوم۔ وہی کھیل بحیرہ روم کے ساحلوں کے قریب کہیں بھی کیفے کی ٹیرس پر کھیلا جاسکتا ہے۔ یہ البتہ بلا نتیجہ ہی رہے گا کیونکہ آپ تجرباتی شخص کے مذہب کے متعلق پوچھنے کیلئے چل کر جا نہیں سکتے؛ لیکن اگر آپ مجلس میں کھیل کھیلتے ہیں تو مبصرین کے فیصلوں کے درمیان اختلاف "کی آپ کو علم تھا کہ ہیرالڈ یہودی ہے؟" "نہیں، لیکن اب جب آپ نے اس کا ذکر کیا ہے، یقیناً اب مجھے معلوم ہے۔" "کیا آپ جانتے ہیں کہ (اِس یا اُس) شاہی خاندان میں یہودی خون ہے؟" "نہیں، لیکن اب جب آپ نے اس کا ذکر کیا ہے..." Hutchinson's Races of Mankind میں اس عنوان کے ساتھ تین گیشاؤں کی تصویر ہے: یہودی چہرہ مہرہ لئے جاپانی۔ ایک بار جب آپ عنوان پڑھ لیتے ہیں تو آپ محسوس کرتے ہیں: "لیکن یقینا میں اسے کیسے فراموش کر سکتا تھا؟" اور جب آپ نے کچھ وقت کے لئے یہ کھیل کھیلا ہے تو آپ ان میں۔۔ہر جگہ۔۔یہودی۔۔یا خزاری خط وخال دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔

باب 5

الجھن کاایک اور ذریعہ، موروثی خصوصیات کو سماجی پس منظر اور ماحول کے دیگر عوامل سے الگ کرنا انتہائی مشکل ہے۔

ایک مبینہ نسلی اصول کے طور پر جسمانی قد پر بحث کرتے وقت ہم نے اس مسئلے کا سامنا کیا ہے؛ لیکن چہرہ مہرہ، طرز عمل، تقریر، اشارہ اور لباس پر سماجی عوامل کا اثر یہودی شناخت کو جمع کرنے میں لطیف اور پیچیدہ طریقوں سے کام کرتا ہے۔ لباس (بال یا سر ڈھانپنے کے طریقہ سمیت) ان عوامل میں سب سے زیادہ واضح ہے۔ کسی کو لمبے پیچ کش، کھوپڑی کی ٹوپی، چوڑے مدوّر سیاہ ہیٹ اور لمبے سیاہ کفتان کے ساتھ کسی کو بھی فٹ کریں تو آپ سرسری نظر سے بھی بنیاد پرست یہودی قسم کو پہچان لیں گے؛ اس کے نتھنے کیسے بھی ہوں وہ یہودی جیسا لگے گا۔ کچھ خاص قسم کے یہودیوں کے درمیان خاص سماجی مخصوص خیاطانہ ترجیحات میں کم سخت علامات ہیں، جس میں لہجے، گفتگو، اشارے اور سماجی رویے کے آداب شامل ہیں. یہودیوں سے ایک لمحے کے لیے دور ہونا ایک خوش آئند موڑ ہو سکتا ہے اور ایک فرانسیسی مصنف کو سنیں جس نے یہ بیان کیا کہ انگریز کو اس کے ہم وطن "ایک نظر میں" کیسے بتا سکتے ہیں۔ مشیل لیریس، ایک نامور مصنف ہونے کے علاوہ، سینٹر نیشنل ڈی لا ریچرچ سائنٹیفیک اور اسٹاف میں ریسرچ کا ڈائریکٹر اور Muse de l'Homme کارکن ہے:

یہ کہ... انگریز "نسل" کے بارے میں بات کرنا یہاں تک کہ انگریز کو "نارڈک" نسل سے ہونے کو ماننا بھی مہمل ہے۔ تاریخ درحقیقت یہ سکھاتی ہے کہ یورپ کے تمام لوگوں کی طرح انگریز لوگ وہی بن گئے جو مختلف لوگوں کی مسلسل شراکتوں سے بنے۔ انگلستان ایک کیلٹک ملک ہے جو جزوی طور پر فرانس سے متواتر آنے والے سیکسنز، ڈینز اور نارمن گروہوں کی آمد کے ذریعے نوآبادیاتی طور پر جولیس سیزر کے زمانے کے بعد تک کچھ رومن لوگوں کے اضافہ سمیت آباد ہے۔ مزید برآں، ایک انگریز کی شناخت جب کہ اس کے لباس پہننے کے انداز یا اس کے رویے سے کی جاسکتی ہے، محض اس کی جسمانی وضع قطع سے یہ کہنا ناممکن ہے کہ وہ انگریز ہے۔ دوسرے یورپیوں کی طرح انگریزوں میں دونوں گوری اور گہری رنگت، دراز اور پستہ قد، لمبی، چھوٹی یا چوڑی کھوپڑی والے لوگ ہیں. یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ایک انگریز کو بعض بیرونی خصوصیات سے بآسانی پہچانا جاسکتا ہے جو اس کی اپنی ہی "شان" ہے:

اشاروں میں تحمل (روایتی اشارہ کرتے جنوبی باشندے کے برعکس)، چال اور چہرے کے تاثرات، سبھی اس بات کا اظہار کرتے ہیں جو عام طور پر "بلغم مزاج" کی مبہم اصطلاح کے تحت شامل کئے جاتے ہیں۔ جس نے بھی یہ دعویٰ کیا ہے امکان ہے کہ وہ بہت سے معاملات میں غلطی پر پایا جائے گا، کیونکہ کسی بھی طریقے سے تمام انگریزوں کی یہ خصوصیات نہیں ہیں اور اگر وہ انگریزی کی "امتیازی" خصوصیات بھی ہوں"، یہ حقیقت پھر بھی باقی رہے گی کہ یہ ظاہری خصوصیات ہیں حقیقی معنوں میں "جسمانی" نہیں: جسمانی رویئے، حرکات اور چہرے کے تاثرات سب رویے کے عنوان کے تحت آتے ہیں؛ عادات انسان کے سماجی پس منظر سے طے شدہ، ثقافتی ہیں، "قدرتی" نہیں۔ مزید یہ کہ اگرچہ ڈھیلے طریقے سے "خصائل" کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے، لیکن وہ پوری قوم کے اندر ایک خاص سماجی گروہ کے علاوہ مثال نہیں بنتیں اور انہیں اس طرح نسل کے مخصوص نشانات میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ 29

جب لیریس کہتا ہے کہ چہرے کے تاثرات "جسمانی" نہیں ہیں بلکہ طرز عمل کے عنوان" کے تحت آتے ہیں تو وہ اس حقیقت کو نظرانداز کرتا ہے کہ افراد کا طرز عمل خط وخال کو تبدیل کر سکتا ہے اور جو ان کے "جسم" پر اپنی مہر کا نقش ثبت کرتا ہے۔ کوئی صرف عمر رسیدہ اداکاروں، تجرد میں رہنے والے پادریوں، پیشہ ور فوجیوں، طویل سزا پانے والے مجرموں، ملاحوں، کسانوں وغیرہ کے چہرہ مہرہ میں مخصوص خصائل کے بارے میں سوچے۔۔ان کا طرز زندگی نہ صرف ان کے چہرے کے تاثرات بلکہ ان کے جسمانی خط وخال کو بھی متاثر کرتا ہے، جس سے یہ غلط تاثر پیدا ہوتا ہے کہ یہ خصائل موروثی ہیں یا "نسلی"۔ [ایمنن نے اپنے مضمون میں لکھا "انگریزی خصائل": "ہر مذہبی فرقے کے اپنے خط وخال ہوتے ہیں۔ میتھوڈسٹوں کا ایک چہرہ، کوئیکروں کا ایک چہرہ، راہبہ عورتوں کا ایک چہرہ۔ ایک انگریز کسی غیر متفق سے اپنے آداب کے ذریعے نشان دہی کرے گا۔ ہنرمندی کے پیشے اور علمی مہارت کے پیشے چہروں اور شکلوں پر اپنی اپنی لکیروں کے نقوش بناتے ہیں۔ [" اگر مجھے ذاتی مشاہدہ شامل کرنے کی اجازت ہو تو میں اکثر یونائیٹڈ سٹیٹس سینٹرل یورپین کے دوروں پر نوجوانی کے یورپی دوستوں سے ملا ہوں جو دوسری جنگ عظیم سے پہلے ہجرت کر گئے تھے اور میں نے جنہیں تیس چالیس سال سے نہیں دیکھا تھا۔ ہر بار میں یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا تھا کہ وہ نہ صرف کپڑے پہننے، بات کرنے، کھانے اور طرز عمل میں امریکیوں جیسے تھے بلکہ امریکی خط وخال حاصل کر لئے تھے۔ میں تبدیلی کو بیان کرنے سے قاصر ہوں، سوائے اس کے کہ اس کا جبڑا وسیع کرنے اور آنکھوں کے اندر اور ارد گرد ایک خاص نظر کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ (ایک ماہر بشریات دوست نے سابق کو امریکی تلفظ میں جبڑے کے پٹھوں کے بڑھتے ہوئے استعمال اور شکل کو زندگی میں سخت دوڑ دھوپ کی عکاسی اور اس کے نتیجے میں چھوٹی آنت کے اگلے حصے

میں ناسور کے رجحان سے منسوب کیا۔۔) مجھے یہ دریافت کر کے خوشی ہوئی کہ یہ میرے تخیل کی دھوکہ بازی کی وجہ سے نہیں تھا چونکہ فش برگ نے 1910 میں لکھا تو ایسا ہی مشاہدہ کیا:

"... سماجی ماحول کی تبدیلی کے تحت چہرے کی وضع بہت آسانی سے بدل جاتی ہے۔ میں نے ریاستہائے متحدہ کے تارکین وطن کے درمیان اتنی تیزی سے تبدیلی کو نوٹ کیا ہے۔۔ نئے خط و خال اس وقت سب سے بہتر مشاہدے میں آتے جاتے ہیں جب ان میں سے کچھ تارکین وطن اپنے آبائی گھروں کو لوٹتے ہیں۔۔۔ یہ حقیقت اس بات کا بہترین ثبوت ہے کہ سماجی عناصر جن میں آدمی سانس لیتا ہے اس کے جسمانی خط و خال پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔" 30

کہاوتی پگھلنے والا برتن ایسا لگتا ہے جو امریکی خط و خال پیدا کر رہا ہے— جینوٹائپ کی وسیع اقسام سے کم و بیش ایک معیاری فینوٹائپ ابھر رہا ہے یہاں تک کہ امریکہ میں خالص نسل کے چینی اور جاپانی بھی اس عمل سے کسی حد تک متاثر نظر آتے ہیں۔ قطع نظر کسی شخص کے لباس، گفتگو، اطالوی، پولش یا جرمن حسب و نسب، امریکی چہرے کو اکثر کوئی بھی "فورا" پہچان سکتا ہے۔

باب 6

میری ہر بحث میں یہودیوں کی حیاتیاتی اور سماجی وراثت کے متعلق یہودی غریب بستی کا سایہ نہائت اہمیت کا حامل ہے۔ یورپ اور امریکہ، حتیٰ کہ چار یا پانچ نسلوں سے زیادہ شمالی افریقہ کے یہودی بھی غریب بستی کے بچے ہیں۔ ان کی جغرافیائی ابتدا کچھ بھی ہو کئی صدیوں تک ایک ہی تشکیلی یا تنزلی اثرات کے تحت وہ ہر جگہ غریب بستی کی دیواروں کے اندر کم و بیش ایک ہی ماحول میں رہتے تھے۔ جینیاتی ماہر کے نکتہ ء نظر سے ہم تین بڑے اثرات میں تمیز کر سکتے ہیں: قریب النسل تولد، جینیاتی انحراف، انتخاب۔ یہودی نسلی تاریخ کے مختلف دور میں دو نسلی ملاپ کے برعکس قریب ا لنسل تولد کا بڑا کردار ہو سکتا ہے۔ انجیلی زمانے سے جبری علیحدگی کے دور سے جدید دور تک اختلاط الاقوام کا رجحان غالب تھا۔ تین سے پانچ صدیوں تک کے پھیلاؤ کے درمیان (ملک کے مطابق) علیحدگی اور قریب النسل تولد۔۔ دونوں یعنی سخت معنوں میں ہم آہنگ شادیاں اور وسیع تر معنوں میں ایک چھوٹے سے متفرق گروپ کے اندر گوت بیاہ۔ قریب النسل میں منحرف نقصان دہ جین جمع ہو جائیں تو ان کے مؤثر ہونے کا خطرہ ہے۔ یہودیوں میں مدت مدید سے پیدائشی عیوب میں سے بیوقوفی کے بہت زیادہ واقعات ہیں، 31 تمام امکان میں ایک طویل قریب النسل تولد کا

نتیجہ تھا نہ کہ خصوصا'' سامی نسل ہونے کا، جیسا کہ چند ماہر بشریات نے وثوق سے کہا۔ الپائن کے دور دراز دیہات میں واضح طور پر اکثر ذہنی اور جسمانی خرابیاں ہوتی ہیں جہاں گرجا کے صحن میں زیادہ تر الواح قبور پر نصف درجن خاندانی نام نظر آتے ہیں۔ ان میں سے کوئی کوہنز یا لیویز نہیں ہیں۔ لیکن سازگار جین کے مجموعے کے ذریعے سے قریب النسل تولید بھی ممتاز نسل کے گھوڑے پیدا کر سکتی ہے۔ شاید اس نے پس ماندہ یہودی بستی کے فاتر العقل اور غیر معمولی ذہین، دونوں قسم کے بچے پیدا کرنے میں حصہ لیا۔ یہ خائم وایزمین کے ایک قول کی یاد دلاتا ہے: "یہودی دوسرے لوگوں جیسے ہیں، صرف قدرے زیادہ۔ "لیکن جینیات کے پاس اس شعبے میں پیش کرنے کے لیے بہت کم معلومات ہیں۔ ایک اور عمل جس نے شائد یہودی غریب بستی کے لوگوں پر گہرا اثر ڈالا ہو "جینیائی غیر فطری رجحان" ہے (جسے سیول رائٹ اثر بھی کہا جاتا ہے)۔ اس سے مراد چھوٹی، الگ تھلگ آبادی میں موروثی خصائص کا ضائع ہونا ہے۔، یا اس وجہ سے کہ اس کے بانی ارکان میں کسی کے پاس متعلقہ جین نہیں تھے یا اس وجہ سے کہ ان کے پاس صرف چند ایک ہی تھے جو انہیں اگلی نسل میں منتقل کرنے میں ناکام رہے چھوٹی برادریوں میں ایسا جینیائی غیر فطری رجحان موروثی خصوصیات میں کافی تبدیلیاں پیدا کر سکتا ہے۔ تاریخ میں یہودی غریب بستی کی دیواروں کے اندر شدت سے فعال منتخب دباؤ کا سامنا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ چونکہ یہودیوں کو زراعت سے روک دیا گیا تھا، وہ مکمل طور پر شہری بن گئے، چھوٹے بڑے قصبوں یا گاؤں میں ارتکاز جو تیزی سے پر ہجوم ہوتا گیا۔ شپیرو کے حوالہ سے نتیجتا'': "قرون وسطیٰ کے شہروں اور قصبوں کو لپیٹ میں لینے والی تباہ کن وبائیں آئیں جن میں طویل عرصے سے یہودی آبادیاں دوسرے کے مقابلتا'' زیادہ منتخب ہو گئی ہوں گی، جس سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کو بتدریج زیادہ استثنیٰ حاصل ہو گیا۔۔ لہذا ان کی جدید اولاد ایک سخت اور مخصوص انتخابی عمل سے زندہ بچ جانے والوں کی نمائندہ ہو گی۔ "32 اس کے خیال میں یہ یہودیوں اور ان کے رشتہ داروں میں تپ دق کے نایاب اور لمبی عمر ہونے کا سبب ہو سکتا ہے۔ (فش برگ کے جمع کردہ اعداد و شمار کی واضح وضاحت سے)۔ یہودی بستی کے ارد گرد مخالفانہ دباؤ سخت حقارت سے لے کر جھٹپٹ تشدد کی کارروائیوں سے منظم قتل عام تک تھا۔۔ ایسے حالات میں زندگی گزارنے کی کئی صدیاں ضرور ہوں گی۔ بقا کے حق میں سب سے زیادہ طرار، ترغیب پذیر اور دماغی طور پر چونچال؛ ایک لفظ میں، غریب یہودی بستی کی قسم کا۔ آیا ایسی نفسیاتی خصلتیں موروثی مزاج پر مبنی ہیں جن پر انتخابی عمل لاگو ہوتا ہے یا بچپن میں سماجی وراثتی تربیت کے ذریعے منتقل ہوتی ہیں۔ ایک ایسا سوال ہے جواب بھی ماہرین بشریات کے درمیان شدید اختلاف الرائے ہے۔ ہمیں تو یہ بھی علم نہیں کہ کس حد تک اعلیٰ IQ موروثیت سے

منسوب ہے اور کس حد تک ماحول سے۔ مثلا''، یہودیوں کی ایک کہاوتی پرہیزگاری ہے جسے چند حکام شراب نوشی پر ایک نسلی خصلت تصور کرتے ہیں۔33 لیکن اس سے یہ مطلب بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ نامساعد حالات میں صدیوں سے زندہ رہنے کی لاشعوری باقیات نے یہودی بستی سے حفاظت کو کم کرنا خطرناک سمجھا؛ پیٹھ پر پیلے رنگ کے ستارے والے یہودی کو "غیر یہودی شرابی" کی مضحکہ خیز حرکات کو خوش گوار تحقیر سے دیکھتے ہوئے محتاط اور ہوشیار رہنا تھا۔ شراب اور بدکاری کی دیگر اقسام کے خلاف کراہت نسل در نسل والدین سے بچے کو ذہن نشین کروا دی گئی۔۔ جب تک کہ یہودی بستی کی یادیں دھندلا نہیں گئیں اور تدریجی انضمام خصوصا'' اینگلو سیکسن ممالک میں الکحل کے استعمال میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوًا۔ اس طرح پرہیزگاری، بہت سی دیگر یہودی خصوصیات کی طرح آخر کار سماجی اور حیاتیاتی کے بجائے وراثت کا معاملہ نکلی. ہم جن خصائل کو امتیازی طور پر یہودی سمجھتے ہیں آخر میں ایک اور ارتقائی عمل جنسی انتخاب ہے جس نے شائد ان کو پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہو۔ لگتا ہے کہ غالبا'' یہ رائے دینے والا رپلی پہلا شخص ہے: "یہودی اساسی طور پر نسلا'' مخلوط ہے؛ اس کے برعکس وہ انتخابا'' تمام یہودیت کا جائز وارث ہے۔۔۔ جس نے ان کی زندگی کی تمام جزئیات کو متاثر کیا۔ یہ ان کی جسمانی خوبصورتی کے مطمع نظر پر بھی کیوں رد عمل ظاہر نہ کرے اور کیوں نہ ان کی جنسی ترجیحات پر اثر انداز ہو اور شادی میں ان کے انتخاب کا تعین بھی کرے؟ اس طرح اس کے نتائج موروثیت کے ذریعے اجاگر ہو گئے۔"34 رپلے نے یہودی غریب بستی کی "جسمانی خوبصورتی کے لب لباب" کے بارے میں دریافت نہیں کیا۔ لیکن فشبرگ نے جو کیا، اس پر ایک دلکش رائے دی: "مشرقی یورپ میں سختی سے تقلید پسند یہودیوں کے لیے مضبوط پٹھوں والا ایک شخص عیسو ہے جو انیسویں صدی کے وسط سے پہلے صدیوں کے دوران یعقوب کے بیٹے کا معیار 'ایک نرم و نازک نوجوان تھا'۔"35 یہ ایک نازک، خون کی کمی سے دوچار، دبلا پتلا نوجوان، ہوشیار، پر حسرت اظہار لئے، سراپا دماغ اور کہیں بھوسہ نہیں ہے۔ لیکن وہ کہے جاتا ہے کہ "مغربی یورپ اور امریکہ میں اس وقت مخالف سمت میں ایک قوی رجحان ہے۔ بہت سے یہودی اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ وہ یہودیوں جیسے نظر نہیں آتے۔ اسے پیش نظر رکھتے ہوئے اسے ضرور تسلیم کرنا چاہئے کہ نام نہاد 'یہودی' سانچہ حلیئے کا شاید ہی کوئی تابناک مستقبل ہو۔"36 بس یہی کہ، ہم انہیں نوجوان اسرائیلیوں میں شامل کر سکتے ہیں۔

خلاصہ

میں نے اس کتاب کے پہلے حصہ میں موجودہ قلیل وسائل کی بنیاد پر خزار سلطنت کی تاریخ تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ حصہ دوم، ابواب V-VII میں میں نے وہ تاریخی شہادت مرتب کی ہے جو اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ مشرقی یہودیوں کا بڑا حصہ اور اسی لیے عالمی یہودیوں کا سامی کے بجائے خزار-ترکی اصل کا ہے۔ اس آخری باب میں میں نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ بشریات کے شواہد بائبل کے قبیلے سے متعلق یہودی نسل کے مقبول عقیدے کی تردید میں تاریخ سے متفق ہیں۔ ماہر بشریات کے نکتہ ء نظر سے حقائق کے دو گروہ اس عقیدے کے خلاف نبرد آزما ہیں: جسمانی خصوصیات کے حوالے سے یہودیوں کا وسیع تنوع، اور غیر قوموں کی آبادی سے ان کی مماثلت جن کے درمیان وہ رہتے ہیں۔ دونوں گروہوں کے حقائق جسمانی قد، کرینیل انڈیکس، خون کے گروپ، بالوں اور آنکھوں کی رنگت وغیرہ کے اعداد و شمار میں پائے جاتے ہیں۔ بشریاتی معیاروں میں سے کوئی ایک اشارے کے طور پر لیں، یہ مختلف ممالک میں رہنے والے یہودیوں کے مقابلتا'' یہودیوں اور ان کی میزبان غیر قوموں کی کے درمیان زیادہ مماثلت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس صورتحال کا خلاصہ کرنے کے لیے، میں نے فارمولہ تجویز کیا ہے:

$Ga - Ja < Ja - Jb;$ اور $Ga\text{-}Gb \sim= Ja - Jb$ دونوں مظاہر کی واضح حیاتیاتی وضاحت اخلاط لا قوام ہے، جس نے مختلف تاریخی حالات میں مختلف شکلیں اختیار کیں: باہمی شادی، بڑے پیمانے پر تبدیلیء مذہب، مستقل عصمت دری (قانونی یا برداشت شدہ) بشمول جنگ اور منظم قتل۔ یہ عقیدہ کہ شماریاتی اعداد و شمار کے باوجود ایک قابل شناخت یہودی قسم موجود ہے، بڑی حد تک، لیکن تمام تر مختلف غلط فہمیوں پر مبنی نہیں ہے۔ یہ اس حقیقت کو نظر انداز کرتا ہے کہ وہ خصوصیات جو نارڈک لوگوں کے مقابلتا'' عام طور پر یہودی سمجھی جاتی ہیں وہ بحیرہ روم کے ماحول میں ویسی ظاہر ہو نا بند ہو جاتی ہیں؛ یہ جسم اور چہرہ پر سماجی ماحول کے اثرات سے بے خبر ہے اور حیاتیاتی کو غلطی سے سماجی وراثت سمجھ بیٹھا ہے۔ اس کے باوجود، بعض موروثی خصائص موجود ہیں جو کسی قسم کے عصری یہودیوں جیسی ہیں۔ جدید آبادی۔۔۔ جینیات کی روشنی میں بڑی حد تک ان عوامل سے منسوب ہو سکتے ہیں جو یہودی غریب بستی میں الگ الگ حالات میں کئی صدیوں تک وقوع پذیر ہوتے رہے ہیں۔ جیسے: قریب النسل شادی، جینیاتی انحراف، امتیازی دباؤ۔ آخر الذکر کئی طریقوں سے کام کرتا ہے: قدرتی انتخاب (مثلا'' بذریعہ وبائی امراض)، جنسی انتخاب اور، زیادہ مشکوک یہودی بستی کی دیواروں کے اندر بقا کی خاطر کردار۔۔۔ خصوصیات کا پسندیدہ ہونا۔ ان کے

علاوہ، سماجی وراثت، بچپن کی تربیت کے ذریعے ایک بنانے اور بگاڑنے کے بطور طاقت ور عنصر کام کرتی ہے۔ان میں سے ہر ایک عمل نے یہودی غریب بستی کی قسم کے ابھرنے میں اہم کردار ادا کیا۔یہودی غریب بستی کے بعد کے دور میں یہ بتدریج کمزور ہوتا گیا۔یہودی غریب بستی سے پہلے کے لوگوں کی جینیاتی ساخت اور وضع کے متعلق ہم کچھ بھی نہیں جانتے۔اس کتاب میں پیش کردہ نکتہ ءنظر میں یہ "اصل لوگ "زیادہ تر ترکی کے ساتھ نامعلوم حد تک قدیم فلسطینی اور دیگر عناصر سے ملے ہوئے تھے۔یہ بتانا بھی ممکن نہیں ہے کہ کون سے نام نہاد امتیازی خط وخال ہیں جیسے "یہودی ناک"، یہودی غریب بستی میں جنسی انتخاب کی پیداوار ہے یا ایک خصوصی "مستقل "قبائلی جین کا مظہر۔ "منتھنئی مشمولات "کی خصوصیت کا کیشین لوگوں میں اکثر اور سامی بدّوؤں میں کبھی کبھار ہوتی ہے۔یہودیوں کی حیاتیاتی تاریخ میں "تیرہویں قبیلے "کے غالب کردار کے متعلق ہمیں ایک اور نقشہ نما مل گیا ہے۔

حوالہ جات

1پولیاک،op. cit.، ضمیمہ. بیمار2Enc. برٹ(1973)، والیوم XII، صفحہ۔3.1054Comas، J. (1958)،pp،31-4.2 رپلے، ڈبلیو،(1900)، ص،377، 5.Ibid،378ff 6.pp. فشبرگ، ایم (1911)، ص،37۔7فشبرگ، 8ch. II پٹائی، اوپر۔9cit کوماس، ص۔30۔10فش برگ، ص۔63.

11فشبرگ کا حوالہ، صفحہ۔12.63پٹات، اوپری..cit،13.p. 1054شاپیرو، ایچ.(1953)، صفحہ 74-5۔ 14فشبرگ، ص۔15.181 آئی کنگز، ایلون، آئی۔16فشبرگ کا حوالہ، صفحہ ص186-7۔

17فش برگ، ص۔189، این.18.2 کوماس، ص۔19.31 ٹوئن بی، 1947، صفحہ۔20.138 Graetz، op. cit،Vol. دوم، ص۔213، 21 Ibid. ، جلد. بیمار، پی پی،1-40، 22فشبرگ، ص۔23.191 رینن (1883)، ص۔24.24 فشبرگ، ص۔25.79 Ripley، 26.p. 394f فش برگ، ص۔83، لوسیچن کے حوالے سے۔27 فشبرگ، ص۔28.83 Ripley، 29.p. 395 Leiris، M. (1958)، 11 .pp اور 30.12 فش برگ، ص۔513، 31 فشبرگ، پی پی332ایف

32شاپیرو ایچ(1953)، صفحہ۔80۔33 مثال کے طور پر، کیر اور ریڈ، فش برگ کے حوالے سے، صفحہ 274-5۔ 34Ripley، 35.p. 398 فشبرگ، ص۔36.178 Loc cit

ضمیمہ I: ہجوں پر اشارات

اس کتاب میں ہجے مسلسل متضاد ہیں۔ جہاں میں نے دیگر مصنفین کا حوالہ دیا ہے ان میں مطابقت رکھتا ہے، میں نے ان کے اپنے ناموں کے ذاتی ہجوں میں چھیڑ خانی نہیں کی (آپ اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟)؛ اس سے ظاہری تضاد پیدا ہوُا کہ ایک ہی شخص، شہر یا قبیلہ کو اکثر مختلف عبارتوں میں مختلف طریقے سے ہجے کیا جاتا ہے۔ لہٰذا قزار، خزار، چزار، چوزر، چوزر، وغیرہ؛ بلکہ ابن فضلان اور ابن۔۔ فضلان بھی۔ المسعودی اور ال۔۔ مسعودی۔ جہاں تک میرے اپنے متن کا تعلق ہے میں نے اس مخصوص ہجے کو اپنایا ہے جو مجھے ان انگریزی بولنے والے قارئین کے لیے نہائت کم حیران کن لگتا تھا جو پیشہ ور مستشرقین نہیں ہوتے۔ ٹی۔ ای۔ لارنس ایک طباع مستشرق تھا لیکن وہ اپنے ہجے میں اتنا ہی بے رحم تھا جتنا وہ ترک فوجی قلعوں پر چھاپہ مارنے میں تھا۔ اس کے بھائی اے۔ ڈبلیو۔ لارنس نے حکمت کے سات ستونوں کے دیباچے میں وضاحت کی:

عربی ناموں کے ہجے تمام ایڈیشن میں بہت مختلف ہوتے ہیں، اور میں نے ان میں تبدیلیاں نہیں کیں۔ یہ واضح کرنا چاہئے کہ عربی میں صرف تین حرف علت تسلیم کیے جاتے ہیں اور یہ کہ انگریزی میں چند حروف صحیح کا کوئی مساوی نہیں ہے۔ حالیہ برسوں میں مستشرقین کی عمومی مشق یہ رہی ہے کہ عربی کے حروف تہجی اور حروف علت کیلئے ان کی روایتی علامات کے مختلف مجموعوں میں سے کسی ایک کو اپنایا جائے۔ محمد کو محمّد کے طور پر نقلِ لفظ کرنا، مؤذِن کو بطور موذن، اور کُرآن بطور قُرآن یا کُر، آن۔ یہ طریقہ ان لوگوں کے لیے کارآمد ہے جو جانتے ہیں کہ اس کا مطلب کیا ہے لیکن یہ کتاب عام انگریزی ہجے کے مطابق قریب قریب بہترین صوتیاتی لکھنے کے پرانے انداز کی پیروی کرتی ہے۔

اس کے بعد وہ پبلشر کے سوالات کی ایک فہرست چھاپتا ہے، اور ٹی۔ ایف۔ لارنس کے جوابات؛ مثلاً'':

استفسار: ''پرچی [بادبانی جہاز کا پرچہ] 20۔ رُولّا کے امیر نوری کا تعلق 'رُاللّا' کے بڑے خاندان سے ہے۔ پرچی 23 پر 'رُاللّا گھوڑا'، اور پرچی 38 پر، 'ایک روایلی کو مار ڈالا'۔ بعد کی تمام پرچیوں میں رُالّا''۔ جواب: ''رُوالہ اور رُوآلہ بھی استعمال کرنا چاہیے تھا۔'' سوال: ''پرچی 47. جیدا۔۔ اونٹنی، پرچی 40 پر جیدھا تھی۔. جواب: ''وہ ایک شاندار جانور تھی۔'' سوال: ''پرچی 78۔ پرچی 68 کا شریف عبدال میین ال مین بن جاتا ہے ال میعین، ال معین، ال مین، اور ایل موبین۔'' جواب دہندہ: ''قابل اعتماد آدمی۔ میں اسے واقعی اختراع پسند کہتا ہوں۔'' اگر جدید عربی کو نقل کرنے

میں ایسی ہی مشکلات ہیں تو الجھن مزید بڑھ جاتی ہے جب مستشرقین متون کیلئے مدد کی خاطر قرون وسطیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو لاپرواہ نقل کرنے والوں کی طرف سے مسخ کرنے کی وجہ سے اضافی مسائل پیدا کرتی ہیں۔

"ابن حوکل "(یاابن۔۔حاوکل) کا پہلا انگریزی ترجمہ سر ولیم اوسلی، کے این ٹی. ایل ایل ڈی نے 1800ء میں شائع کیا تھا۔[ابن حوکل نے اپنی کتاب عربی میں لکھی تھی لیکن اوسلی نے اس کا ترجمہ فارسی ترجمہ سے کیا ہے۔]

اپنے دیباچے میں ایک نامور مستشرق سر ولیم نے یہ دل کو چھو لینے والی بات کہی:

حروف کے بے ترتیب امتزاج سے پیدا ہونے والی مشکلات کا پیدا ہونا، ایک لفظ کی دوسرے کے ساتھ گڑ بڑ اور چند سطور کا امتیازی اختلافی حصوں کا کاملا'' چھوڑ دیا جانا، مجھے شکایت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ عادت اور استقلال نے مجھے عام وضاحت کے حصوں یا مستعمل جملے بنانے پر قابو پانے کے قابل بنایا؛ لیکن ایسے افراد یا جگہوں کے ناموں کے متعلق جو پہلے کبھی دیکھے نے سنے، اور جب امتیازی باتوں کو چھوڑ دیا گیا ہو جنہیں سمجھنے میں سیاق و سباق سے مدد نہیں ملتی تو انہیں صرف قیاس ہی فراہم کر سکتا ہے یا کسی مستند مخطوطہ سے۔۔ اس کے باوجود کہ میں نے ابھی جو کہا ہے، اور اگرچہ عبرانی، عربی، فارسی اور ادب کے جید مصنفین نے ایک ہی موضوع پر مشاہدات کیے ہیں، شاید کسی خاص مثال سے ان اختلافی نکات پر اثر کی غیر معمولی تشریح ضروری ہو [ناقل اکثر حذف کر دیتے ہیں]۔ ایک مثال ہی کافی ہو گی۔ فرض کیجئے کہ تین حروف جو تبّت نام بناتے ہیں جنہیں نہائت اہم نکات سے محروم کیا جاتا ہے۔

پہلا حرف، ایک درجہ اوپر بحیثیت N پیش کیا جا سکتا ہے؛ دو درجے اوپر ایک T، تین درجے اوپر TH یا S ؛ اگر ایک نیچے رکھا جائے تو یہ B بن جاتا ہے- اگر دو درجے، ایک Y اور اگر تین درجے تو ایک P. اسی طرح دوسرا حرف متاثر ہو سکتا ہے، اور تیسرا حرف، درجات کے اضافے سے، B،P،T اور TH یا S ہو سکتا ہے۔* [فارسی مخطوطے کے اقتباس نے اس میں روح پھونک دی ہے جو میں نے پبلشرز کیلئے براہ مہربانی چھوڑ دیا ہے۔]

ضمیمہ دوم

مآخذوں پر اشارات

(A)قدیم مآخذ

خزار کی تاریخ کے متعلق ہمارا علم بنیادی طور پر عرب، بازنطینی، روسی اور عبرانی ذرائع سے جو فارسی، سریانی، آرمینیائی، جارجیائی اور ترک مبداء کی مصدقہ شہادت سے ماخوذ ہے۔۔میں صرف چند اہم ذرائع پر تبصرہ کروں گا۔

1. عربی

ابتدائی عرب مورخین مضمون نگاری میں باقی سب سے منفرد شکل میں مختلف ہیں۔ہر واقعہ کا تعلق عینی شاہدین یا ہم عصروں کے الفاظ میں ہوتا ہے جو ایک درمیانی سلسلہ کے ذریعے آخری راوی تک پہنچایا جاتا ہے جس میں ہر ایک راوی نے اصل روائت اپنے جانشین کو دی۔اکثر اسی واقعہ کو دو یا دو سے زیادہ قدرے مختلف شکلوں میں بیان کیا جاتا ہے جو مختلف راویوں کے مختلف سلاسل کے ذریعے نیچے تک آتے ہیں۔اکثر یہ بھی کہ ایک واقعہ یا ایک اہم تفصیل کو کئی معاصرین کی بنیاد پر کئی طریقوں سے بتائی گئی ہے جو روایت کے الگ طُرق کے ذریعے آخری راوی تک منتقل ہوئی ہے۔..اصول اب بھی یہی ہے کہ جو بات ایک بار بخوبی کہی جائے اسے دوسرے الفاظ میں پھر بتانے کی ضرورت نہیں۔اس لیے مصنف اپنے مآخذ کے الفاظ سے جتنا ہو سکے قریب رہتا ہے تاکہ کافی دیر بعد آنے والا لکھاری اکثر پہلے راوی کے ان الفاظ کو دوبارہ پیش کرتا ہے۔اس میدان میں اس طرح دو عظیم فضلاء، H.A.R. Gibb اور M.J de Goeje، مشترکہ طور پر انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔اکے پہلے ایڈیشنوں میں عرب تاریخ نویسی پر مضمون کے اصل مآخذ کا سراغ لگانے میں شدید اذیت ناک مشکلات کو واضح کرتے ہیں جو بعد کے مورخین، مؤلفین اور سرقہ کرنے والوں کے یکے بعد دیگرے مضامین میں اکثر ضائع ہو جاتا ہے۔ایک مخصوص ملک کے ملکی حالات یا واقعہ کو تاریخ سے منسوب کرنا اکثر ناممکن ہے؛اور عبارات پر تاریخ ڈالنے کی غیر یقینی صورت حال پوری صدی پر محیط ہو سکتی ہے جہاں مصنف زمانہ حال میں ایک بیان دیتا ہے بغیر کسی واضح اشارے کے کہ وہ ماضی بعید کے کسی مآخذ کا حوالہ دے رہا ہے۔اس میں افراد، قبائل اور مقامات کی شناخت کی مشکلات میں ہجے، نیز نقل نویسوں کی بے ترتیبی کے طفیل الجھنوں کا اضافہ کر لیں تو نتیجہ یہ ہے کہ آرے کا معمہ جس میں آدھے ٹکڑے غائب ہیں، دیگر خارجی اصل کے ڈال

دئے گئے ہیں، اور بمشکل صرف تصویر کا خاکہ قابل شناخت ہے۔ خِزاریہ کے بڑے عربی بیانات جو اکثر ان صفحات میں نقل کیے جاتے ہیں، یہ ابن فضلان، ال استخری، ابن حوکل اور ال مسعودی کے ہیں۔ لیکن ان میں سے صرف چند کو ہی "بنیادی" مآخذ کہا جا سکتا ہے، جیسے ابن فضلان جو بلا واسطہ تجربے سے بات کرتا ہے۔ ابن حوکل کے واقعات مثلاً'' تقریباً 977ء میں لکھے ہوئے، تقریباً کاملا'' استخری پر مبنی ہیں جو اس نے لگ بھگ 932ء میں لکھے تھے جو اس سے قبل غالباً'' جغرافیہ دان البلخی کی گم شدہ تصنیف پر مبنی جو 921ء کے قریب لکھی گئی تھی۔ ان علماء کی زندگی اور ان کے علمی معیار کے متعلق ہم بہت کم جانتے ہیں۔ ابن فضلان، سفارت کار اور ہوشیار مبصر ہے جو سب سے زیادہ واضح طور پر نمایاں ہے۔ ہم دسویں صدی میں جیسے سلسلہ کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں تو ہم تاریخ نویسی کی نوجوان سائنس کے ارتقاء میں تدریجی مراحل کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ البلخی، اس سلسلہ کا اولین عرب جغرافیہ کے مسلم اسکول کے آغاز کی نشان دہی کرتا ہے، جس میں نقشوں پر زور دیا جاتا ہے جبکہ وضاحتی متن ثانوی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ استخری نقشوں سے متن پر زور کی تبدیلی سے نمایاں بہتری دکھاتا ہے۔ (اس کی زندگی کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے اور جو کچھ اس کی تحریروں میں باقی ماندہ زندہ ہے وہ بظاہر صرف ایک بڑے کام کا خلاصہ ہے۔ ابن حوکل کے ساتھ (جس کے متعلق ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ ایک سفر کرنے والا تاجر اور مبلغ تھا) فیصلہ کن پیش قدمی ہوئی ہے:

متن اب نقشوں کی تفسیر نہیں ہے (جیسا کہ بلخی میں تھی اور استخری میں اب بھی جزوی طور پر ہے) لیکن اپنے آپ میں ایک روایت بن جاتی ہے۔ ہم آخر میں یاقوت (1179-1229)ء کے ساتھ دو صدی بعد مرتب کرنے والوں اور انسائیکلوپیڈیا کے دور تک پہنچتے ہیں۔ ہم اس کے متعلق کم از کم یہ جانتے ہیں کہ وہ یونان میں پیدا ہوا اور لڑکپن میں بغداد میں غلاموں کے بازار میں ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت ہوا تھا جس نے اس کے ساتھ حسن سلوک کیا اور اسے ایک قسم کے تجارتی مسافر کی طرح استعمال کیا۔ وہ غلامی سے رہائی کے بعد ایک سفری کتاب فروش بن گیا اور آخر کار موصل میں آباد ہو گیا جہاں اس نے تاریخ و جغرافیہ کی عظیم انسائیکلوپیڈیا لکھی۔ اس اہم کام میں خِزاروں کے متعلق استخری اور ابن فضلان کے بیانات شامل ہیں۔ لیکن افسوس، یاقوت نے غلطی سے استخری کی روایت بھی ابن فضلان سے منسوب کر دی۔ اہم نکات پر جیسا کہ دونوں روایتوں میں فرق ہے، ایک ہی مصنف کی طرف ان کے انتساب نے مختلف قسم کی لغویت پیدا کی اور نتیجتاً'' ابن فضلان جدید مورخین کی نظر میں کسی حد تک مشتبہ ہو گیا۔ لیکن مشہد، ایران میں ایک قدیم مخطوطہ دریافت ہونے پر ابن فضلان کی رپورٹ کے مکمل متن کی دریافت کے ساتھ واقعات نے ایک مختلف موڑ لیا جس نے مستشرقین میں سنسنی پیدا کر دی۔ 1923ء میں یہ دریافت ڈاکٹر زکی

ولیدی ٹوگن نے کی (جن کے متعلق مزید ذیل میں)۔اس نے نہ صرف خزاروں کے حوالے سے ابن فضلان کی یاقوت کے رپورٹ کے حصوں کی صداقت کی تصدیق کی ہے بلکہ یہ یاقوت کے ان محذوف حصوں پر مشتمل ہے جو اس طرح پہلے نامعلوم تھے۔مزید یہ کہ یاقوت کی پیدا کردہ پراگندگی کے بعد اب ابن فضلان اور استخری/ابن حوکل کو آزاد ذرائع کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے جو باہمی طور پر ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔یہی تصدیقی قدر ابن رستہ، البکری یا گردیزی کی رپورٹوں سے بھی ملتی ہے، جو میرے پاس صحیح حوالہ دینے کیلئے موقع نہیں تھا،اس لیے کہ ان کے مندرجات بنیادی طور پر بنیادی ذرائع سے ملتے جلتے ہیں۔یہیں ایک اور بظاہر آزاد ذریعہ المسعودی تھا (متوفی 956ء کے قریب) جو "عرب ہیروڈوٹس" کے نام سے جانا جاتا ہے۔وہ ایک متجسّس بے چین مسافر تھا لیکن اس کے متعلق جدید عرب مورخین کا نظریہ مخاصمانہ ہے۔چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں درج ہے کہ اس کا سفر "علم کی شدید خواہش سے محرک تھا۔لیکن یہ گہرا نہیں سطحی تھا۔وہ اصل مآخذ کے بجائے سطحی تحقیقات پر مطمئن رہا۔بلا تنقید کہانیوں اور افسانوں کو قبول کیا۔"لیکن یہ بات قرون وسطی کے دوسرے مورخین،عیسائی ہو یا عرب کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے۔

2. بازنطینی

بازنطینی ذرائع میں،اب تک سب سے زیادہ قیمتی کانسٹینٹائن VII Porphyrogenitus's De Adnimistrando Imperio ہے، جو 950ء میں لکھی گئی۔یہ محض اس وجہ سے اہم نہیں ہے کہ اس میں خود خزاروں کے متعلق معلومات ہیں (اور خصوصا" مگیاروں کے ساتھ ان کے تعلقات کے متعلق)، لیکن ان اعداد و شمار کی وجہ سے جو یہ روس اور شمالی لق ودق صحرا کے لوگوں کے متعلق فراہم کرتا ہے۔کنست نتین (-904 59) عالم۔۔شہنشاہ ایک دلچسپ کردار تھا- تعجب کی بات نہیں کہ آرنلڈ ٹوئن بی نے اعتراف کیا کہ اس نے اسے "اپنا دل ہار دیا"2—ماضی سے محبت کا معاملہ جو اپنے انڈر گریجویٹ دنوں میں شروع کیا. حتمی نتیجہ ٹوئن بی کی یادگار تھا۔ Constantine Porphyrogenitus and his World،1973ء میں شائع ہوئی جب مصنف کی عمر چوراسی سال تھی۔عنوان سے جیسے ظاہر ہوتا ہے کہ کستنتین کی شخصیت اور کام پر اتنا ہی زور دیا گیا ہے۔ جتنا دنیا کے حالات کے متعلق جہاں وہ اور خزار رہتے تھے۔کانسٹینٹائن کے لیے پھر بھی ٹوئن بی کی تعریف نے اسے ایک عالم کے طور پر شہنشاہ کی معزوریوں کو نظر انداز نہیں کیا: "ڈی ایڈمنسٹرینڈو امپیریو میں معلومات مختلف ذرائع سے

مختلف تاریخوں پر جمع کی گئیں،اور حاصل ایسی کتاب نہیں ہے جس میں مصنف نے مواد کو سمجھااور مربوط کیاہو۔یہ فائلوں کاایک مجموعہ ہے جس میں صرف سطحی سی ترمیم کی گئی ہے۔"3 اور بعد میں:" De Administrando Imperio and De Caeromoniis ،ریاست جس میں کنست نتین نے انہیں آئندہ نسلوں کے لیے وراثتی وصیت کی تھی وہ اکثر قارئین کوافسوس ناک الجھن لگے گی۔"4 (کانسٹنٹائن خود بھی دل سے قائل تھاکہ ڈی کیرومونیس ایک''اسکالرشپ اور محبت کی محنت کاایک درست یادگار'' ہونے کے علاوہ"تکنیکی شاہکار" بھی تھا۔"بری6 اور میکارٹنی نے بھی مگیار کی نقل مکانی کے متعلق کانسٹنٹائن کے متضاد بیانات کو حل کرنے کی کوشش پر ایسی تنقیدیں کی ہیں۔'':

"...ہم ڈی ایڈ منسٹرینڈوامپیریو کی مضمون نگاری کو یادرکھیں تواچھی بات ہوگی۔۔سب سے زیادہ مختلف ذرائع سے نوٹوں کاایک سلسلہ،اکثرایک دوسرے کو نقل کرتاہے جواکثرایک دوسرے سے متصادم ہےاورانہیں گھٹیا ترین ترمیم کے ساتھ منسلک کردیا۔"7 لیکن ہمیں نہلانے۔۔۔کے پانی سے ہوشیار رہناچاہیے یعنی بچے کو بھی پانی کے ساتھ باہر پھیکنا نہیں چاہئے،جیسے فاضل نقاد کبھی کبھارایساکرنے پر مائل ہوتے ہیں۔کنسٹ ینٹین کو یہ اعزاز حاصل تھاچونکہ کوئی اور مورخ شاہی دفتر خانے کی تحقیق و تفتیش نہ کرسکتاتھااور وہ بیرون ملک سفارتوں سے واپس آنے والے اپنے عہدے داروں اور سفیروں سے بنفس نفیس رپورٹیں وصول کرتاتھا۔احتیاط سے اور دیگر ذرائع کے ساتھ مل کر،ڈی ایڈ منسٹرینڈواس تاریک دور پر بہت قابل قدر روشنی ڈالتی ہے۔

3. روسی

زبانی طور پر منتقل ہونے والی لوک داستانوں،افسانوں اور گانوں کے علاوہ(جیسے "لے آف ایگور زہوسٹ") روسی زبان میں سب سے قدیم تحریری ماخذPovezt Vremennikh Letہے،لفظی طور پر"بیتے زمانے کی کہانی''،جسے مختلف مصنفین نے اسے مختلف طریقے سے دی رشین پرائمری کرانیکل،دی اولڈر شین کرانیکل،دی رشین کرانیکل،سیوڈونیسٹر یابک آف اینلز کہاہے۔یہ ایک تالیف ہے جو بارہویں صدی کے پہلے نصف میں تیار کی گئی۔اس میں گیارہویں صدی کے آغاز سے پہلے کی تاریخ کے ترمیم شدہ نسخے ہیں بلکہ اس سے بھی پہلے کی روایات اور ریکارڈز شامل ہیں۔اس لیے ہوسکتاہے جیسے ورناڈسکی8 کہتاہے کہ "یہاں تک کہ ساتویں سے دسویں صدی تک کے عرصے کے حوالے سے بھی"اس میں مستند معلومات کے ٹکڑے شامل ہیں جو خزار کی تاریخ کیلئے ایک اہم دور ہے۔

اس کام کاسب سے بڑا مرتب اور ایڈیٹر غالباً فاضل راہب نیسٹر تھا(b. 1056)ءکِیف کی کریپٹ خانقاہ میں،ماہرین کے درمیان اگرچہ یہ متنازعہ معاملہ ہے۔(لہذا "یسوڈو نیسٹر")۔تصنیف کے سوالات کے علاوہ،Povezt (اگرچہ درست نہیں)اپنے متعلقہ زمانے کیلئے ایک انمول رہنما ہے۔بد قسمتی سے یہ سال 1112ءپر رک جاتا ہے عین اس وقت جب خزاروں کے پراسرار غائب ہونے کے عمل کا آغاز ہوُا۔قرون وسطیٰ کے عبرانی خزاریہ کے ذرائع پر ضمیمہ III میں بحث کی جائے گی۔

ضمیمہ دوم:(ب)جدید ادب

ان صفحات میں نقل کیے گئے معروف جدید مورخین جنہوں نے خزار کی تاریخ کے متعلق لکھا جیسے ٹائن بی یا بری، برناڈسکی،بیرن،میکارٹنی وغیرہ،پر تبصرہ کرنا شوخ چشمی ہوگا۔مندرجہ ذیل ریمارکس ان مصنفین تک محدود ہیں جن کی تحریریں اس مسئلے کے لیے مرکزی اہمیت کی حامل ہیں لیکن ان میں عوام کا صرف ایک خاص دلچسپی رکھنے والا حصہ ہی جانتا ہے۔ان میں سرفہرست مرحوم پروفیسر پال ایف۔کیل اور ان کا شاگرد ڈگلس مورٹن ڈنلوپ ہے جو اس تحریر کے وقت کولمبیا یونیورسٹی میں تاریخ مشرق وسطیٰ کا پروفیسر تھا۔

پال ایرک کیل(1965 - 1875ء)یورپ کے معروف مستشرقین اور تورات کے علماء میں سے تھا۔وہ مشرقی پروشیا میں پیدا ہوُا،اسے لوتھران پادری مقرر کیا گیا تھا اور اس نے قاہرہ میں چھ سال بحیثیت پادری بسر کئے۔ اس کے بعد اس نے جرمنی کی مختلف یونیورسٹیوں میں پڑھایا اور 1923ء میں بون یونیورسٹی میں مشہور اور ینٹل سیمینار کا ڈائریکٹر بن گیا جو بین الاقوامی مطالعہ کا مرکز اور تمام دنیا کے مستشرقین کیلئے کشش کا باعث بنا۔"اس میں کوئی شک نہیں"،کہ کیل نے لکھا،9" کہ سیمینار کا بین الاقوامی کردار،اس کا عملہ،اس کے طلباء اور اس کے مہمان نازی اثرورسوخ کے خلاف بہترین تحفظ تھے اور اس نے ہمیں جرمنی میں نازی حکومت کے تقریباً چھ سال کے دوران بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے کام کو جاری رکھنے کے قابل بنایا۔..

میں برسوں تک جرمنی میں واحد پروفیسر تھا جس کا معاون ایک یہودی،پولش رابائی تھا۔یہ تعجب خیز نہیں کہ نسلاً''بے عیب آریائی ہونے کے باوجود کیل کو بالآخر 1938ء میں ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا۔وہ آکسفورڈ میں اقامت پذیر ہو گیا جہاں اس نے دو اضافی ڈاکٹریٹ ڈگریاں(فلسفہ اور الہیات میں)حاصل کیں۔1963ء میں وہ اپنے پیارے بون واپس آیا جہاں 1965ء میں اس کا انتقال ہوُا۔برٹش میوزیم کی کیٹلاگ میں اس کی عزوجاہ کیلئے

ستائیس عنوانات ہیں جن میں قاہرہ جنیزااور بحیرہ مردار کے چرمیں اورپیپیرس پر مسودات کامطالعہ شامل ہیں۔بون میں جنگ سے پہلے کیل کے طلباء میں نوجوان مستشرق ڈی۔ایم۔ڈنلوپ بھی شامل تھا۔ کیل کو خِزاری تاریخ میں گہری دلچسپی تھی۔ بلجیئم کے مورخ پروفیسر ہنری گرگوئرنے جب 1937ء میں ایک مضمون شائع کیا جس میں "خِزار خط وکتابت" کی صداقت پر سوالیہ نشان لگایا"،10 کیل نے اس کی خوب خبر لی: "میں نے گرگوائر کیلئے کئی نکات نشان زد کئے جن میں وہ صحیح نہیں ہو سکتا تھا،اور وہ جب دسمبر 1937ء میں بون میں مجھ سے ملنے آیاتواس کے ساتھ تمام مسائل پر تبادلہ خیال کرنے کاموقع ملا۔ہم نے ایک عظیم مشترکہ اشاعت کافیصلہ کیالیکن سیاسی پیش رفت سے منصوبہ پر عمل نہ ہوسکاتو میں نے بون کے اپنے سابق شاگرد،ڈی ایم ڈنلوپ کو یہ کام کرنا تفویض کیا۔وہ عبرانی اور عربی دونوں ذرائع سے نمٹنے کے قابل ایک عالم تھا،بہت سی دوسری زبانیں جانتا تھااوراتنے مشکل کام کے لیے خاص تربیت یافتہ تھا۔"11اس عالمانہ لین دین کانتیجہ ڈنلوپ کی The History of Jewish Khazars تھاجسے 1954ء میں پرنسٹن یونیورسٹی پریس نے شائع کیا۔خِزار کی تاریخ پر ایک انمول مبداء ہونے کے علاوہ یہ خط وکتابت کی صداقت کے لیے نیاثبوت فراہم کرتاہے(دیکھیں۔ضیمہ III)، کیل نے جس کی مکمل طور پر توثیق کی۔12

پروفیسر ڈنلوپ ضمناً"1909 میں پیدا ہونے والے ایک ملکوتی سکاٹش کابیٹا، جس کے مشاغل Who's Who میں "پہاڑی سیر اور سکاٹش تاریخ" درج ہیں۔اس طرح ہمارے زمانے میں کلیسیائی،نورڈک پس منظر کے حامل پروٹسٹنٹ خِزارہ یہودیت کے دواہم مؤیّد تھے۔

احمد زکی ولیدی توگن کیل کاایک اور شاگرد کاملا"مختلف پس منظر کاحامل تھاجس نے ابن فضلان کے خِزاریہ کے گردسفر کامشہد مسودہ دریافت کیاتھا۔اس خوبصورت کردار کے ساتھ انصاف کرنے کے لیے میں کیل کی یادداشتوں کے اقتباس سے بہتر بیان نہیں کرسکتا:13[بون] سیمینار کے عملے سے کئی نہائت نامور مستشرقیوں کا تعلق تھا۔ان میں میں ڈاکٹرزکی ولیدی کاذکر کرسکتاہوں جوسراوریل سٹین کاشاگرد خاص تھا،ایک بشکیر جس نے کازان یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی تھی اوروہ پہلی جنگ سے پہلے ہی پیٹرزبرگ اکیڈمی میں تحقیقی کام میں مصروف تھا۔جنگ کے دوران اوراس کے بعدوہ بشکیر آرمی کے رہنماکے طورپر سرگرم تھا،[بالشویکوں کااتحادی] جوزیادہ تر اس کی تخلیق کردہ تھی۔وہ روسی ڈوماکارکن رہااورکچھ عرصہ چھ کی کمیٹی سے تعلق رکھاجس میں لینن، سٹالن اور

ٹراٹسکی تھے۔ وہ بعد میں بالشوسٹوں سے متصادم ہوُااور فارس فرار ہو گیا۔ ترکی زبان کا بطور ماہر۔ بشکیرین ایک ترک زبان ہونے کے ناطے وہ 1924ء میں انقرہ میں مصطفیٰ کمال کی وزارت تعلیم کا مشیر اور بعد میں استنبول یونیورسٹی میں ترکی زبان کا پروفیسر بنا۔ سات سال بعد استنبول میں جب دوسرے پروفیسروں کے ساتھ یہ پڑھانے کیلئے کہ دنیا کی تمام تہذیب ترکوں سے آئی ہے، اس نے استعفیٰ دیا، ویآنا جا کر پروفیسر دوپش کے تحت قرون وسطیٰ کی تاریخ کا مطالعہ کیا۔ دو سال بعد اس نے ابن فضلان کے شمالی بلگاروں، ترکوں اور خِزاروں کے سفر پر، جس کا اس نے عربی متن ایک مسودہ مشہد میں دریافت کیا تھا، ایک بہترین تھیسس لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ میں نے بعد میں اس کی کتاب "Abhandlungen fr die Kunde des Morgenlandes" میں شائع کی۔ ویآنا سے میں نے اس کیلئے بون میں بطور لیکچرر اور بعد میں آنرر پروفیسر کا معاہدہ کیا۔ وہ صحیح معنوں میں ایک عالم تھا۔ وسیع علم کا آدمی، ہمیشہ سیکھنے کیلئے تیار اور اس کے ساتھ مل کر کام کرنا نہائت بار آور ہوُا۔ 1938ء میں وہ ترکی واپس گیا اور پھر سے استنبول یونیورسٹی میں ترکی کا پروفیسر بن گیا۔

ہیوگو فریہر وون کٹشیرا، ایک مختلف انداز میں ایک اور متاثر کن شخصیت (1847-1910) مشرقی یہودیوں کے خِزارہ اصل کے نظریہ کے ابتدائی پیش کاروں میں سے تھا۔ آسٹریا کے ایک اعلیٰ سرکاری ملازم کا بیٹا جس کا سفارتی کیریئر مقدر ٹھہرا، اس نے ویآنا کی اورینٹل اکیڈمی میں تعلیم حاصل کی، جہاں وہ ماہر لسانیات بن گیا۔ ترکی، عربی، فارسی اور دیگر مشرقی زبانوں میں مہارت حاصل کی۔ قسطنطنیہ میں آسٹرو۔۔ہنگیرین کے سفارت خانے میں بطور اتاشی خدمات انجام دینے کے بعد وہ 1882ء میں سراجیوو میں بوسنیا۔۔ہرسیگووینا کے صوبوں کا ایڈمنسٹریشن کا ڈائریکٹر بن گیا جو حال ہی میں آسٹرو۔۔ہنگری کے زیر قبضہ آیا۔ اس کی مشرقی طرز زندگی سے واقفیت نے اسے بوسنیا کے مسلمانوں میں ایک مقبول شخصیت بنا دیا اور صوبے میں (نسبتا") امن قائم کرنے میں ممد ثابت ہوُا۔ وہ فریہر کے (بیرون) لقب اور دیگر مختلف اعزازات کے سے نوازا گیا۔ اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد 1909ء میں اس نے اپنے دن، اپنے زندگی بھر کے مشغلے یورپی یہودیوں اور خزاروں کے درمیان تعلق کے لیے وقف کر دیے۔ بحیثیت ایک نوجوان وہ پہلے ہی ترکی اور بلقان میں سفاردی اور اشکنازی یہودیوں کے درمیان نمایاں فرق دیکھ کر دم بخود رہ گیا؛ اس کے خِزاروں کی تاریخ کے قدیم ذرائع کے مطالعہ سے مسئلہ کا کم از کم یقین کا باعث بنا جس نے جزوی جواب فراہم کیا۔ وہ ایک شوقیہ مورخ تھا (اگرچہ ایک نیم پیشہ ور ماہر لسانیات)، لیکن اس کا علمی تبحّر غیر معمولی تھا۔ 1910ء سے پہلے

شاید ہی کوئی معلوم عربی منبع ہو جو اس کی کتاب سے غائب ہو. قبل اس کے کہ وہ اس کی کتابیات اور اس کے حوالہ جات فراہم کر سکے بد قسمتی سے وہ فوت ہو گیا؛ Die Chasaren - Historische Studie 1910 بعد از مرگ شائع ہوئی تھی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن اگرچہ جلد ہی چھپ گیا لیکن مورخین نے اس کا ذکر شاذ و نادر ہی کیا ہے۔

ابراہم این۔ پولیک 1910ء میں کیف میں پیدا ہوا۔ وہ 1923ء میں اپنے خاندان کے ساتھ فلسطین آیا۔ اسے تل ابیب یونیورسٹی میں قرون وسطیٰ کی یہودی تاریخ کی کرسی ملی اور عبرانی زبان میں متعدد کتابوں کا مصنف ہے؛ ان میں عربوں کی تاریخ؛ مصر میں جاگیرداری 1250-1900ء؛ اسرائیل اور مشرق وسطیٰ کی جغرافیائی سیاست وغیرہ۔ اس کا مضمون "The Khazar Conversion to Judism" 1941ء میں عبرانی رسالہ صیہون میں شائع ہوا اور اس نے دلچسپ تنازعات کو جنم دیا۔ اس کی کتاب خزاریہ اس سے بھی بڑھ کر۔ یہ 1944ء میں تل ابیب (عبرانی میں) میں شائع ہوئی اور بائبل کے قبیلے سے جدید یہودیوں کے نزول سے متعلق مقدس روایت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کے طور پر غالبا'' قابل فہم دشمنی کے ساتھ موصول کی گئی۔ انسائیکلوپیڈیا جوڈیکا 2-1971 کی پرنٹنگ میں اس کے نظریہ کا ذکر نہیں ہے۔

میتھیاس میز ز، مشرقی یہودیوں کی اصل اور یدش زبان کے متعلق جس کے خیالات کا میں نے حوالہ دیا ہے، اعلیٰ علمی تکریم سے قبول کیا جاتا ہے گالیسیا میں 1885ء میں پیدا ہوا، اس نے لسانیات کی تعلیم حاصل کی اور یدش لسانیات کا علمبردار بن گیا۔ (اگرچہ اس نے زیادہ تر جرمن، پولش اور عبرانی میں لکھا)۔ وہ یدش زبان کی پہلی کانفرنس، Czernovitz، 1908ء میں ایک ممتاز شخص تھا۔ اس کی دو کتابوں

(1924)Die Entstehungsursache der jdischen Dialekte اور Die (1924)Jiddische Sprache کو اپنے شعبہ میں کلاسیکی سمجھا جاتا ہے۔ میز ز نے اپنے آخری سال کراکو میں گزارے، اسے 1944 میں منزل آشوِٹز کیلئے ملک بدر کیا گیا لیکن سفر میں انتقال کر گیا۔

حوالہ جات

1والیوم 11. صفحہ 195، 1955 پرنٹنگ میں 2. ٹوئن بی (1973)، صفحہ۔ Ibid.3.24، Ibid.4.p. 465، 602 Loc cit65.p، Byzantinische Zeitschrift XIV، صفحہ 511-70۔
7میکارتنی، اوپر۔ cit.، 8.p. 98 ورناڈسکی (1943)، صفحہ۔ 9.178 کیل، پی ای (1945)10 Grégoire، (1937) H.، 11.pp. 225-66 کیل (1959)، ص۔ 13.Ibid 12.33 کیل (1945)، ص۔ 28-
91

ضمیمہ III

"خزار خط و کتابت"

باب 1

ہسپانوی سیاست دان حسدائی ابن شاپروت اور خزاریہ کے بادشاہ جوزف کے درمیان خطوط کے تبادلہ نے ایک طویل عرصے سے مورخین کو متوجہ کیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ جیسا کہ ڈنلوپ نے لکھا، "خزار خط و کتابت کی اہمیت میں مبالغہ کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت حسدائی اور جوزف کے خطوط کا سہارا لیے بغیر خزار کی تاریخ کو قدرے تفصیل سے دوبارہ ترتیب دینا ممکن ہے۔" قاری کو شائد ان دستاویزات کی مختصر تاریخ سے دل چسپی ہو۔ حسدائی کا خط بظاہر مشرقی یورپ کے سفارت خانے کے لیے 954ء اور 961ء کے درمیان لکھا گیا تھا جس کا اس نے ذکر کیا ہے (باب III، 3-4)، خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے 954ء میں قرطبہ کا دورہ کیا تھا اور خلیفہ عبدالرحمٰن، وہ جس کا ذکر اپنے فرماں روا کے طور پر کرتا ہے، 961ء تک حکمران رہا۔ یہ بات کہ خط دراصل حسدائی کے سیکریٹری مینا ہیم بن شروک نے لکھا تھا جس کا نام حسدائی کے بعد چلیپائی سے ظاہر ہوتا ہے، لنڈاؤ نے جس کی 2 مینا ہیم کے باقی ماندہ کام سے موازنہ کے ذریعے تصدیق کی ہے۔ حسدائی کے خط کی صداقت اب متنازعہ فیہ نہیں ہے، جبکہ جوزف ریلپی کی شہادت لازما" زیادہ بالواسطہ اور پیچیدہ ہے۔ گیارہویں اور بارہویں صدی سے خط و کتابت کے قدیم ترین معلوم اذکار ہیں۔ سال 1100ء کے قریب بارسلونا کے رابائی یہوداہ بن برازلّا ئیُ نے عبرانی میں اپنی "تہواروں کی کتاب"-

Sefer ha itim لکھی۔ جس میں بشمول براہ راست اقتباسات، حسدائی کو جوزف کے جواب کا ایک لمبا حوالہ ہے۔ برازلاّیؔ کی تحریر میں زیر بحث عبارت کا آغاز مندرجہ ذیل ہے:

ہم نے چند مزید مخطوطات میں ایک خط کی نقل دیکھی ہے جو بادشاہ ہارون کے بیٹے یوسف، خزارہ پادری نے آر۔ حسدائی بار آزک کو لکھا۔[Hasdai کا عبرانی میں نام bar Isaac bar Shaprut تھا۔ آر (رابائی کے لیے، جو ایک انکساری عنوان ہے۔] ہم نہیں جانتے کہ خط حقیقی ہے یا نہیں اور اگر یہ ایک حقیقت ہے کہ خزارے جو ترک ہیں نئے یہودی بن گئے۔ یہ قطعی نہیں ہے کہ خط میں جو تمام تحریر ہے وہ حقیقت اور سچ ہے یا نہیں۔ ہو سکتا ہے اس میں جھوٹ لکھے ہوں یا لوگوں نے اس میں اضافہ کر دیا ہو یا نقل نویس سے کوئی غلطی ہوئی ہو.... یہ وجہ کہ ہمیں اس کتاب میں لکھنے کی کیوں ضرورت ہے، کہ یہ باتیں مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہیں کہ ہم نے اس خط میں یہ پایا کہ آر۔ حسدائی نے اس سے پوچھا کہ وہ کس خاندان سے تھا؟ بادشاہ کی حالت، کیسے اس کے باپ دادا خدا کی حفاظت کے تحت جمع کئے گئے تھے۔ [یعنی یہودیت میں تبدیل ہو جانا] اور اس کی بادشاہی اور فرماں روائی کتنی عظیم تھی۔ اس نے ہر عنوان کا تمام تفصیلات لکھ کر جواب دیا۔ خط میں. 3 بارزلاّئی نے جوزف کے جواب سے مزید اقتباسات کا حوالہ دیا یا اس کی وضاحت کی، اس میں کوئی شک کی گنجائش نہ چھوڑی کہ جواب 1100ء کے اوائل میں ہی موجود تھا۔ رابائی کے علمی شکوک و شبہات سے ایک خصوصی قابل اعتماد رابطے کا اضافہ ہوا ہے۔ صوبائی بارسلونا میں رہتے ہوئے وہ بظاہر خزاروں کے متعلق بہت کم یا کچھ نہیں جانتا تھا۔ تقریبا" اس وقت جب رابائی بارزلاّئی نے لکھا تھا، عرب مورخ ابن حوکل نے بھی خزاروں کے ساتھ حسدائی کے ملوث ہونے کے متعلق کچھ افواہیں سنی تھیں۔ ایک پراسرار نوٹ باقی ہے۔ جسے ابن حوکل نے مخطوطہ نقشے پر تحریر کیا، مورخہ 479ھ-1086ء۔ اس میں لکھا ہے:

حسدائی ابن اسحاق [حسدائی کے نام کا عربی نسخہ] کا خیال ہے کہ یہ عظیم طویل پہاڑ [قفقاز] آرمینیا کے پہاڑوں سے جڑا اور یونانیوں کے ملک سے گزرتا ہوا خزاران اور آرمینیا کے پہاڑوں تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ ان حصوں سے بخوبی آگاہ تھا کیونکہ اس نے ان کا دورہ کیا اور ان کے بڑے بادشاہوں اور سرکردہ آدمیوں سے ملاقات کی۔ 4

یہ نہائت ناممکن لگتا ہے کہ حسدائی نے حقیقت میں خزاریہ کا دورہ کیا تھا؛ لیکن ہمیں یاد ہے کہ اس نے اپنے خط میں ایسا کرنے کی پیشکش کی اور یہ کہ جوزف نے پرجوش انداز میں اس جواب کا خیر مقدم کیا؛ شاید محنتی حوکل نے خط و کتابت کے متعلق کچھ گپ شپ سنی ہو اور نتیجہ اخذ کیا ہو، ایک ایسا عمل جو اس وقت کے تاریخ نگاروں کے درمیان عام تھا۔ تقریبا" پچاس سال بعد (1140ء) یہوداہ حلوی نے اپنا فلسفیانہ رسالہ "خزارے" (کزری) لکھا۔ جیسا کہ

پہلے ہی کہا گیا ہے کہ اس میں حقائق پر مبنی معلومات بہت کم ہیں لیکن خزاروں کی تبدیلی مذہب کے متعلق اس کا بیان جوزف کا جواب یہودیت کے وسیع خاکوں سے متفق ہے۔ حلوی کھل کر خط وکتابت کا حوالہ نہیں دیتا لیکن کسی بھی تاریخی یا حقائق پر مبنی حوالہ جات کو نظرانداز کر کے اس کی کتاب بنیادی طور پر الٰہیات سے متعلق ہے۔ اس نے شاید خط وکتابت کی نقل پڑھی تھی جیسا کہ نیم عالم بارزلاّئی کے سامنے تھی، لیکن ثبوت غیر حتمی ہے۔ ابراہیم بن داؤد کے معاملے میں یہ مکمل طور پر حتمی ہے (اوپر، II،8) جس میں 1161ء میں لکھی گئی مشہور سیفر-ہا- کبالہ کی درج ذیل عبارتیں ہیں:

آپ اسرائیل کی جماعتیں دیکھیں گے جو سالا شہر سے بیرون ملک مغرب کی انتہا تک پھیلی ہوئی ہیں اس کے آغاز سے طہارات تک، انتہا افریقہ تک [افریقیہ، تیونس]، تمام افریقہ میں، مصر، سبائیوں کا ملک، عرب، بابل، ایلام، فارس، دیدان، گرگاشیوں کا ملک جسے جرجان کہتے ہیں طبرستان سے دیلام اور دریا تک جہاں نومذہبی خزارہ لوگ رہتے ہیں۔

ان کے بادشاہ جوزف نے آر۔ حسدائی، شہزادہ بار آئزک بن شاپروت کو خط بھیج کر بتایا کہ وہ اور اس کے تمام لوگوں نے عقیدہ رابانی کی پیروی کی۔ ہم نے ٹولیڈو میں دانش مندوں کے شاگردان کی اولاد میں سے چند ایک کو دیکھا ہے اور انہوں نے ہمیں بتایا کہ ان میں سے بقیہ نے رابائی عقیدے کی پیروی کی۔ 5

باب 2

خزاری خط وکتابت کا پہلا مطبوعہ ترجمہ ایک عبرانی کتابچے کول میبسر، "وائس آف دی میسنجر آف گڈ نیوز" میں موجود ہے۔ قسطنطنیہ میں 1577ء یا اس کے آس پاس اسحاق ابراہیم اکرِش نے شائع کیا۔ [بوڈلین لائبریری میں اس کتابچے کے دو مختلف ایڈیشنوں کی دو کاپیاں محفوظ ہیں] اپنے دیباچے میں اکرش بیان کرتا ہے کہ اس نے پندرہ برس قبل مصر میں اپنے سفروں کے دوران ایک آزاد یہودی مملکت کی افواہیں سنی تھیں (ان افواہوں کا حوالہ غالباً حبشہ کے فلاشوں سے ہے)؛ اور بعد میں اسے "ایک خط ملا جو خزار کے بادشاہ کو بھیجا گیا تھا اور بادشاہ کے جواب" کے بعد اس نے اِس خط وکتابت کو شائع کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ ساتھی یہودیوں کی روح پروری کی جا سکے۔ اسے اس کا خیال آیا یا نہیں کہ خزاریہ اب بھی موجود ہے یہ واضح نہیں ہے۔ دیباچہ کے بعد بلا مزید تبصرہ دو خطوط کا متن ہے۔ لیکن خط وکتابت اکریش کے مخفی چھوٹے پرچے میں مدفون نہ رہی۔ اس کی اشاعت کے ساٹھ سال بعد اس کی کاپی ایک دوست نے

ایک کم عمر کیلونسٹ متبحر عالم یوحانس بکسٹورف کو چک کو بھیجی تھی۔ بکسٹورف عبرانی زبان کا ماہر تھا جس نے بائبل مطالعوں کی تفسیر اور رابائی ادب میں بہت کچھ شائع کیا۔ جب اس نے اکریش کا کتابچہ پڑھا تو پہلے وہ خط و کتابت کی صداقت کے متعلق پانچ سو سال قبل کے رابائی بارزلاّی کی طرح اتنا ہی شکی تھا۔ لیکن 1660ء میں بکسٹورف نے بالآخر خزاروں کے متعلق یہوداہ حلوی کی کتاب کے بطور ضمیمہ خطوط کا متن عبرانی اور لاطینی ترجمہ میں شائع کیا۔

انہی جلدوں میں شامل کرنے کا خیال گو واضح تھا لیکن موزوں نہیں تھا چونکہ حلوی کی خط و کتابت کی افسانوی کہانی مورخین کو سنجیدگی سے لینے کیلئے راغب نہ کر سکی۔ انیسویں صدی میں ہی ان کا رویہ بدلا، جب خزاروں کے متعلق آزاد ذرائع سے مزید معلومات حاصل ہوئیں۔

باب 3

اس مخطوطہ کا واحد نسخہ آکسفورڈ میں کرائسٹ چرچ کی لائبریری میں ہے جس میں حسدائی کا خط اور جوزف کا جواب دونوں شامل ہیں۔ ڈنلوپ اور روسی ماہر کوکووس ٹوو کے مطابق 6 مخطوطہ اور "مطبوعہ متن میں کافی مماثلت ہے" اور "مطبوعہ متن کے مآخذ کے طور پر بالواسطہ یا بلاواسطہ کام آیا"۔ 7 یہ غالباً سولہویں صدی کا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ڈین آف کرائسٹ چرچ، جان فیل کے قبضے میں تھا (جسے تھامس براؤن نے اپنے "میں تم سے پیار نہیں کرتا، ڈاکٹر فیل..." لافانی بنادیا)۔

ایک اور مخطوطہ جس میں جوزف کا جواب ہے لیکن حسدائی کا خط نہیں جو لینن گراڈ پبلک لائبریری میں محفوظ ہے۔ یہ اکریش کے مطبوعہ متن اور کرائسٹ چرچ کے مخطوطہ سے کافی لمبا ہے؛ جو بدیں وجہ عموماً "لانگ ترجمہ کے نام سے جانا جاتا ہے جو اکرش۔۔۔ کرائسٹ چرچ "مختصر ترجمہ" سے مختلف ہے۔ جو اس کا مخفف معلوم ہوتا ہے۔ لمبا ترجمہ بھی کافی پرانا ہے۔ یہ غالباً تیرھویں صدی کا ہے مختصر ترجمہ سولہویں کا۔ سوویت تاریخ دان 8 رِباکوف نے ممکنہ رائے دی ہے کہ لمبا ترجمہ یا اس سے بھی پرانا متن قرون وسطیٰ کے ہسپانوی نقل نویسوں نے جوزف کے جواب کو چھوٹے ترجمہ کرنے کی خاطر ترمیم کی اور مختصر کیا۔ اس مقام پر ہمیں قدیم راستے کے پار ایک مغالطے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لینن گراڈ پبلک لائبریری میں لمبا ترجمہ عبرانی مخطوطات اور تصنیفات نام نہاد "فرکووچ کلیکشن" کا حصہ ہے۔۔ یہ شاید قاہرہ جینیزا سے آیا ہے جہاں سے مجموعہ میں مخطوطات کا ایک بڑا حصہ شروع ہوا تھا۔ ابراہیم فرکووچ انیسویں صدی کا ایک دلچسپ خوش باش عالم تھا جو اکیلا ہی ایک ضمیمہ کا مستحق ہوگا۔ وہ خود اپنے میدان میں ایک بہت بڑی سند

تھا لیکن وہ ایک پر جوش تقلیدی بھی تھا جس کی خواہش تھی کہ زار کی حکومت کو باور کروائے کہ تقلیدی راسخ العقیدہ یہودیوں سے مختلف تھے اس لئے عیسائیوں کے مقابلتا" امتیازی سلوک نہیں کرنا چاہئے۔ اس قابل تعریف مقصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے انہیں تقلید پرست موافق کرنے کیلیئے اس نے اپنے چند قدیم مستند نسخوں اور تصنیفات میں بد نیتی سے چند اضافی الفاظ بھی داخل کر دیئے۔ اس طرح بڑا ترجمہ جب فرکووچ کے ہاتھوں سے گزرا تو اس کا استقبال خاص بدگمانی سے کیا گیا۔ اس کی موت کے بعد جب روسی مورخ ہرکاوی نے اس کے مجموعے میں دیگر مخطوطات میں موجود ایک بنڈل میں پایا۔ ہرکاوی کے پاس فرکووچ پر اعتماد کیلیئے اوہام نہ تھے کیونکہ اس نے خود بھی پہلے چند جعلی الفاظ داخل کرنے کی مذمت کی تھی۔ ہرکاوی کو 9 پھر بھی اس کے مسودہ کے قدیم ہونے میں کوئی شک نہیں تھا؛ اس نے 1879ء میں اسے جوزف کے خط کے ابتدائی ترجمہ کے طور پر قبول کرتے ہوئے اصل عبرانی اور اس کا ترجمہ روسی اور جرمن میں بھی شائع کیا، 10 جس سے مختصر ترجمہ اخذ کیا گیا تھا. ہرکاوی کے ساتھی (اور حریف) چوولسن نے پوری دستاویز سے اتفاق کیا کہ تمام مسودہ اسی ہاتھ سے لکھا گیا تھا اور یہ کہ اس میں کسی قسم کا کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا۔ 11 آخر 1932ء میں روسی اکیڈمی نے پال کوکووٹسوو کی مستند کتاب، TheHebrewKhazar Correspondence in the Tenth Century12 شائع کی جس میں پہلے کے لینن گراڈ کی لائبریری کا لمبا ترجمہ، کرائسٹ چرچ میں مختصر ترجمہ اور اکریش کے کتابچے کی صحیح نقول بھی شامل ہیں۔ تینوں عبارتوں کے تنقیدی تجزیے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ طویل اور مختصر ترجمہ اسی اصل متن پر مبنی ہیں جو عموما" اگرچہ ہمیشہ نہیں، طویل ترجمہ میں زیادہ ایمان داری سے محفوظ کیا گیا ہے۔

باب 4

کوکووٹسوو کا تنقیدی سروے، اور خصوصا" اس کے مخطوطات کی اصل نقول کی اشاعت نے حقیقتا" تنازعہ کو حل کیا۔ جس نے صرف طویل ترجمہ کو متاثر کیا لیکن حسدائی کے خط اور رِپلی کے مختصر ترجمہ کو نہیں۔ ایک غیر متوقع سہ ماہی سے پھر بھی اختلاف کی آواز بلند ہوئی۔ 1941 میں پولیک نے نظریہ پیش کیا کہ خزاری خط و کتابت بالکل جعلی دستاویز نہیں تھی بلکہ دسویں صدی میں یہودی اقلیم کے متعلق معلومات عام کرنے یا پروپیگنڈا کے مقصد کیلیئے لکھی گئی ایک افسانوی تصنیف تھی۔ 13 (یہ گیارھویں صدی کے بعد کی تحریر نہیں ہوسکتی جیسا ہم نے دیکھا کہ رابائی بارزلاّئی نے 1100ء کے قریب خط و کتابت پڑھی اور ابن داؤد نے اس سے 1161ء میں نقل کیا)۔ لیکن یہ نظریہ

جو پہلی نظر میں بظاہر معقول تھا لیکن لینڈاؤاور ڈنلوپ نے اسے مؤثر طریقے سے منہدم کر دیا۔ لنڈاؤ یہ ثابت کر سکا کہ حسدائی کا خط در حقیقت اس کے سیکرٹری مینا ہیم بن شاروک نے لکھا تھا؛ اور ڈنلوپ نے نشان دہی کی کہ خط میں حسدائی خزاریہ کے متعلق کئی سوالات پوچھتا ہے جن کا جواب دینے میں جوزف ناکام رہتا ہے - جو یقینا'' معلوماتی کتابچہ لکھنے کا انداز نہیں ہے:

جوزف کی طرف سے پوچھ گچھ کا کوئی جواب نہیں ہے جیسے اس کے جلوس کا عبادت گاہ تک جانے کا طریقہ، اور یہ کہ آیا جنگ سبت کا دن منسوخ کرتی ہے۔۔ خط کے سوالات اور جوابات کے درمیان خط و کتابت کی واضح کمی ہے۔ یہ شاید اشارہ ہونا چاہئے۔ اسے غالبا'' ایک بطور اشارہ سمجھا جائے کہ دستاویزات وہی ہیں جو ان کا مقصد ہے اور کوئی ادبی ایجاد نہیں ہے۔14

ڈنلوپ ایک مدلل سوال پوچھتا ہے:

حسدائی کا خط گو جوزف کے جواب سے کافی لمبا ہے، خزاروں کے متعلق واقعی کیوں بہت کم ہے، اگر اسے لکھنے اور جواب دینے کا مقصد، جیسا کہ پولیک کے خیال ہے، خزاریہ کے متعلق محض ایک مشہور بیان دینا تھا؟ اگر خط کے جواب میں خزاروں کے متعلق معلومات کا تعارف ہے تو یہ یقینی طور پر ایک بہت ہی تعجب خیز ہے۔۔۔ سپین کے متعلق حقائق سے بھرا ہوا ہے اور اموی جن کا خزاریہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔15

اس کے بعد ڈنلوپ ایک لسانی امتحان کے ذریعے قطعا'' دلیل سے طے کرتا ہے کہ خط اور جواب قطعی طور پر مختلف لوگوں نے لکھا۔ ثبوت کا تعلق عبرانی گرامر میں نام نہاد "waw-conversive" کا استعمال فعل کی تعریف کی معروف خصوصیات سے ہے۔ میں وضاحت کیلئے پیچیدہ گرائمر کی فقرہ بازی نہیں کروں گا، [دلچسپ قارئ وینگرین، جے۔ کلاسیکل عبرانی کیلئے ایک عملی گرامر، دوسرا ایڈیشن، (آکسفورڈ، 1959) سے مشورہ کر سکتا ہے]

اور اس کے بجائے خط میں استعمال ہونے والے صرف ڈنلوپ کی ترتیب فہرست اور خط میں طویل ترجمہ کو ماضی کی کارروائی نامزد کرنے کیلئے مختلف طریقوں کا حوالہ دے گا:16

واو کنور سیو سادہ واو؛ امپر فیکٹ کے ساتھ پر فیکٹ

حسدائی کا خط 1448 جواب (لمبا ترجمہ) 951

Simple Waw wit with Perfect	Waw Conversive Imperfect

Hasdai's Letter	48	14
Reply (Long Version)	1	95

جواب کے مختصر ترجمہ میں پہلا طریقہ (حسدائی) سینتیس بار استعمال ہوُا ہے، دوسرا پچاس بار. لیکن مختصر ترجمہ پہلا طریقہ زیادہ تر ان عبارات میں استعمال کرتا ہے جہاں الفاظ طویل ترجمہ سے مختلف ہیں۔ڈنلوپ کی رائے میں اس کی وجہ بعد کے ہسپانوی ایڈیٹروں نے لمبا ترجمہ کی تشریح کی ہے۔وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ حسدائی کا خط، جو مسلم اسپین میں لکھا گیا ہے بہت عربیت پر مشتمل ہے (جیسے خزاروں کے لیے الخزار)، جبکہ جواب میں ایسا کچھ نہیں ہے۔آخر میں خط و کتابت کی عمومی روش کے متعلق وہ کہتا ہے:...ایسا لگتا ہے کہ جوزف کے جواب کے حقائق پر مبنی مواد کو اس کی اصل شکل، لمبے ترجمہ کے خلاف کوئی فیصلہ کن الزام نہیں لگایا گیا ہے۔اسلوب بیان کا فرق اس کی صداقت کی حمایت کرتا ہے۔یہ وہی ہے جس کی یہودی دنیا سے وسیع پیمانے پر الگ الگ حصوں سے نکلنے والی دستاویزوں کی توقع کی جاسکتی ہے، جہاں ثقافتی سطح بھی یقینا''ایک جیسی نہیں تھی۔یہاں تاثر درج کرنے کی شاید اجازت ہو چونکہ اس کی جو قیمت ہے، کہ عموما''جواب کی زبان خط کے مقابلتا''کم مصنوعی، زیادہ سادہ ہے۔17 خلاصہ یہ کہ یہ سمجھنا مشکل ہے کہ ماضی کے مورخین اس بات پر یقین کرنے سے کیوں گریزاں تھے کہ خزاری کیگن خط لکھوانے کے قابل تھا، گو یہ معلوم تھا کہ اس کی بازنطینی شہنشاہ کے ساتھ خط و کتابت تھی۔

(ہمیں تین سختیوں کی مہریں یاد ہیں)؛ یا یہ کہ اسپین اور مصر کے متقی یہودیوں کو مستعدی سے بائبل کے زمانے کے بادشاہ کے پیغام کو نقل اور محفوظ کرنا چاہیئے تھا۔

حوالہ جات

1ڈنلوپ(1954)، صفحہ۔125۔2لینڈاؤ(1942)۔3 کوکووٹسوف کے ٹیسٹ کے بعد، ڈنلوپ(1954)کے حوالے سے، صفحہ۔4.132ڈنلوپ(1954)کا حوالہ، صفحہ۔5.154ڈنلوپ کا حوالہ، صفحہ۔127.

Kokovtsov6،P.(1932).7ڈنلوپ(1954)، صفحہ۔8.230میں حوالہ دیا گیا ہے۔جوڈیکا، 'خزار خط و کتابت' پر مضمون۔9ہرکاوی، اے ای(1877)۔10ہرکاوی(1875)۔11 چوولسن، ڈی اے(1882)،12 Kokovtsov،13op. citپولیک(1941)۔14ڈنلوپ(1954)، صفحہ۔143.

Ibid.15، pp. 137-8.Ibid.16، p.152.Ibid.17، p. 153

ضمیمہ چہارم

چند مضمرات-اسرائیل اور وطن سے باہر بکھرے لوگ

یہ کتاب ماضی کی تاریخ سے متعلق ہے،اس کے لیے ناگزیر طور پر حال اور مستقبل پر چند مضمرات ہیں۔سب سے پہلے میں اس خطرے سے آگاہ ہوں کہ اسرائیل کی ریاست کے وجود کے حق سے انکار کے طور پر اس کی معاندانہ غلط تشریح کی جاسکتی ہے۔لیکن یہ حق یہودی لوگوں کے فرضی مآخذ پر مبنی نہیں ہے اور نہ ہی اساطیر پر خدا کے ساتھ ابراہیم کا عہد؛یہ بین الاقوامی قانون پر مبنی ہے—یعنی اقوام متحدہ کا 1947ء میں فلسطین کی تقسیم کا فیصلہ جو کبھی ترک صوبہ تھا،ایک عرب اور یہودی ریاست میں،پھر ایک برطانوی عارضی عمل داری کا علاقہ۔اسرائیلی شہریوں کی نسلی بنیادیں اور اوہام کچھ بھی ہوں،ان کی ریاست صحیح اور حقیقت میں موجود ہے جسے نسل کشی کے بغیر ختم نہیں کیا جا سکتا۔متنازعہ مسائل میں داخل ہوئے بغیر بطور تاریخی حقیقت اضافہ کیا جاسکتا ہے۔فلسطین کی تقسیم ایک صدی تک پرامن یہودی نقل مکانی اور مہم جوئی کی کوشش کا نتیجہ تھا جو ریاست کے قانونی وجود کا اخلاقی جواز فراہم کرتی ہے۔ اس کے لوگوں کے کروموزوموں میں آیا خِزار کے جین ہوتے ہیں یا سامی،رومن یا ہسپانوی نژاد،غیر متعلقہ ہے اور اسرائیل کے وجود کے حق کو متاثر نہیں کر سکتا-اور نہ ہی اس حق کا دفاع کرنا کسی بھی مہذب فرد،غیر قوم یا یہودی کی اخلاقی ذمہ داری ہے یہاں تک کہ مقامی اسرائیلیوں کے والدین یا دادا دادی کی جغرافیائی اصلیت کو بلبلے اٹھاتی نسلی پگھلنے والے برتن میں فراموش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ایک ہزار سال پہلے کے خِزاروں سے بھرنے کا مسئلہ، خواہ کتنا ہی دلچسپ کیوں نہ ہو،جدید اسرائیل کے لیے غیر متعلق ہے۔اس میں رہنے والے یہودی،قطع نظران کی بو قلمونی نسلوں سے ان کا اپنا ملک،ایک مشترکہ زبان،حکومت اور فوج ایک قوم کے اصلی اجزار کھتے ہیں۔بے وطنی پھیلاؤ کے یہودیوں کے پاس قومیت کے ان تقاضوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔غیر قوموں کی ایک خاص قسم کے طور پر جن کے درمیان وہ رہتے ہیں جو انہیں الگ قرار دیتی ہیں ان کا اعلان کردہ مذہب ہے خواہ وہ اس پر عامل ہیں یا نہیں۔اسرائیلیوں اور بے وطن بکھرے یہودیوں کے درمیان بنیادی فرق یہی ہے۔اول الذکر نے ایک قومی شناخت حاصل کرلی ہے۔مؤخرالذکر پر ان کی قومیت یا نسل سے نہیں صرف مذہب کی بنیاد پر یہودیوں کا لیبل لگا ہے-یہ ایک

الم ناک تضاد پیدا کرتا ہے کیونکہ یہودی مذہب عیسائیت، بدھ مت یا اسلام کے برعکس ایک تاریخی قوم، ایک منتخب نسل کی رکنیت کا نتیجہ ہے۔ تمام یہودی تہوار قومی تاریخ کے واقعات کی یاد مناتے ہیں: مصر سے خروج، مکابین بغاوت، ظالم ہامان کی موت، ہیکل کی تباہی۔ پرانا عہد نامہ سب سے پہلے اور سب سے اہم قوم کی تاریخی داستان ہے ؛اس نے دنیا کو توحید دی پھر بھی اس کا عقیدہ آفاقی کے بجائے قبائلی ہے۔ ہر نماز اور رسم کی پابندی ایک قدیم نسل کی رکنیت کا اعلان کرتی ہے جو خود بخود یہودی کو نسلی اور تاریخی سے الگ کر دیتی ہے اور ماضی جن لوگوں کے درمیان وہ رہتا ہے۔ یہودیوں کا عقیدہ، جیسا کہ 2,000 سال کی الم ناک تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے، قومی اور سماجی طور پر خود کو الگ کرنے والا ہے۔ یہ یہودی کو الگ کرتا ہے اور اسے الگ ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ یہ خود بخود جسمانی اور ثقافتی یہودی غریب بستیاں بناتا ہے بے وطن بکھرے یہودیوں کو کسی نقلی قوم کی قومیتی صفات اور مراعات کے بغیر اس نے تبدیل کر دیا، جسے روایتی عقائد کے نظام نے جو ایک نسلی اور تاریخی بنیادوں پر مبنی ڈھیلے طریقے سے ایک ساتھ رکھا گیا ہے جو نتیجتاً" فریب دہی ہے۔ تقلیدی یہودی ایک مٹتی ہوئی اقلیت ہے۔اس کا گڑھ مشرقی یورپ تھا جہاں نازی غصہ اپنے عروج پر پہنچ گیا اور انہیں روئے زمین سے تقریباً مٹا دیا۔ مغربی دنیا میں اس کے بکھرے ہوئے بچ جانے والے اب زیادہ اثر و رسوخ نہیں رکھتے جبکہ زیادہ تر شمالی افریقہ، یمن، شام اور عراق کی مقلد برادریاں اسرائیل کی طرف ہجرت کر گئیں۔اس طرح بے وطنی بکھراؤ میں تقلیدی یہودیت ختم ہو رہی ہے اور روشن خیالوں یا لادین یہودیوں کی بڑی اکثریت ہے جو ایسا تضاد برقرار رکھتے ہیں کہ اپنی نقلی قومی حیثیت سے وفادارانہ عقیدے سے چمٹے رہ کر یہودی روایت کو برقرار رکھنا ان کا فرض ہے۔ یہ واضح کرنا آسان نہیں ہے کہ اصطلاح "یہودی روایت" روشن خیال اکثریت کی نظر میں کیا معنی رکھتی ہے جو تقلیدیت کے منتخب نسل کے نظریے کو مسترد کرتی ہے۔اس نظریہ کے علاوہ عہد نامہ قدیم کے آفاقی پیغامات - ایک اور غائب خدا کا تخت، دس احکام، عبرانی نبیوں کی اخلاقیات، امثال اور زبور - جوڈیو - یونانی - عیسائی روایت کے مرکزی دھارے میں داخل ہو چکے ہیں اور یہودیوں اور غیر قوموں کی مشترکہ ملکیت بن چکے ہیں۔ یروشلم کی تباہی کے بعد یہودیوں کی زبان اور لامذہبیتی ثقافت ختم ہو گئی۔ عیسائی دور کے آغاز سے پہلے ہی عبرانی بحیثیت ایک مقامی زبان آرامی کے تحت آ گئی؛ ہسپانیہ میں یہودی علماء اور شاعروں نے عربی میں لکھا، باقی نے بعد میں جرمن، پولش، روسی، انگریزی اور فرانسیسی میں۔ کچھ یہودی برادریوں نے اپنی مقامی بولیاں تیار کیں، جیسے یدش اور لاڈینو، لیکن ان میں سے یہودیوں کا کوئی بھی کام جرمن، آسٹرو ہنگری یا امریکی ادب کے مقابلے میں متاثر کن نہیں ہے۔ بے وطن بکھرؤں کی بنیادی، خصوصاً" یہودی ادبی سرگرمی دینی تھی۔ پھر بھی تلمود، کبالا اور بائبل کی ضخیم

عالمانہ تفسیری کتب عصری اہل یہود کیلیئے عملی طور پر نامعلوم ہیں، حالانکہ وہ اسے ایک بار پھر دہرا ئیں کہ خصوصا" یہودی روایت کے تبرکات صرف یہی ہیں—اگر اس اصطلاح کا ٹھوس معنی ہونا ہے۔۔۔ تو پچھلے دو ہزار سال کے دوران بالفاظ دیگر بے وطنی بکھراؤ سے جو کچھ بر آمد ہوٗا وہ یا تو خصوصا" یہودی نہیں یا ایک زندہ روایت کا حصہ نہیں ہے۔ انفرادی یہودیوں کی فلسفیانہ، سائنسی اور فنکارانہ کامیابیاں ان کی میز بان قوموں کی ثقافتی شراکت میں شامل ہیں؛ وہ ایک عام ثقافتی وراثت یا روایات کی خود اختیار ادارے کی نمائندگی نہیں کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہمارے زمانے کے یہودیوں کی کوئی ثقافتی روایت مشترک نہیں ہے، محض چند عادات اور رویوں کے نمونے ہیں جو یہودی غریب بستی کے تکلیف دہ تجربے سے سماجی وراثت کے ذریعے حاصل کیے گئے اور ایک ایسے مذہب سے جس پر اکثریت نہ تو عمل کرتی ہے اور نہ ہی اس پر یقین رکھتی ہے لیکن اس کے باوجود انہیں ایک نقلی قومی درجہ عطا کرتی ہے۔ ظاہر ہے جیسے میں نے دوسری جگہ دلیل دی ہے 1- تضادات کا طویل مدتی حل صرف اسرائیل کی طرف ہجرت یا ان کے میز بان ممالک میں بتدریج انضمام ہو سکتا ہے قتل عام سے پہلے یہ عمل زوروں پر تھا۔ اور 1975ء کے ٹائم میگزین 2 نے رپورٹ دی کہ امریکی یہودی میں "اپنے عقیدے سے ہٹ کر شادی کرنے کا رجحان بہت زیادہ ہے۔ تمام شادیوں میں سے تقریباً ایک تہائی مخلوط ہوتی ہیں۔" اس کے باوجود یہودیت کے نسلی اور تاریخی پیغام کا دیرپا اثر اگرچہ وہم پر مبنی ہے، قبائلی وفاداری کی اپیل کر کے ایک طاقت ور جذباتی وقفے کے طور پر کام کرتا ہے۔ یہ اس ضمن میں ہے کہ آبائی تاریخ میں تیرھویں قبیلے نے جو کردار ادا کیا ہے وہ یہودی کے بے وطنی پھیلاؤ سے متعلقہ ہو جاتا ہے۔ پھر بھی جیسا کہ پہلے ہی کہا جا چکا ہے، یہ جدید اسرائیل کے لیے غیر متعلقہ ہے جس نے ایک حقیقی قومی شناخت حاصل کر لی ہے۔ یہ شاید علامتی ہے کہ ابراہیم پولیاک جو تل ابیب یونیورسٹی میں تاریخ کے مطالعہ کا پروفیسر اور بلاشبہ ایک اسرائیلی محب وطن ہے جس نے ہمارے علم میں یہودیوں کے خزاری نسب کے متعلق ایک اہم کردار ادا کیا جو منتخب نسل کی علامات کو کمزور کرتا ہے۔ یہ بھی اہم ہو سکتا ہے کہ جسمانی اور ذہنی طور پر مقامی اسرائیلی "صابرہ" یہودی غریب بستی میں پرورش پانے والے "عام یہودی" کے بالکل برعکس کی نمائندگی کرتا ہے۔

۲۰ اگست ۲۰۲۵

حوالہ جات

Alfldi, La Royaut Double des Turcs, 2me Congrés Turc d'Histoire (Istanbul, 1937).

Allen, W. E. D., A History of the Georgian People (London, 1932).

Annals of Admont, Klebel, E., d'Éme neu aufgefundene Salzburger Geschichtsquelle,

Mitteilungen der Gesellschaft für Salzburger Landeskunde, 1921.

Arne, T. J., La Su de et l'Orient, Archives d'Études Orientales, 8º. v.8, Upsala, 1914.

Artamonov, M. I., Studies in Ancient Khazar History (in Russian) (Leningrad, 1936).

Artamonov, M. I., Khazar History (in Russian) (Leningrad, 1962).

Bader, O. H., Studies of the Kama Archaeological Expedition (in Russian, Kharkhov, 1953)

Al-Bakri, Book of Kingdoms and Roads, French tr. by Dfremry, J. Asiatique, 1849.

Ballas, J. A., Beitrge zur Kenntnis der Trierischen Volkssprache (1903).

Bar Hebracus, Chronography (Oxford, 1932).

Barker, F., Crusades in Enc. Britannica, 1973 printing.

Baron, S. W., A Social and Relgious History of the Jews, Vols. III and IV (New York 1957)

Bartha, A., A IX-X Századi Magyar Társadalom (Hungarian Society in the 9th-(Budapest, 1968). 10th Centuries)

Barthold, V., see Gardezi and Hudud al Alam.

Beddoe, J., On the Physical Characters of the Jews, Trans. Ethn. Soc., Vol.1 pp. London, 1861. 222-37,

Ben Barzillay, Jehudah, Sefer ha-Ittim (Book of the Festivals) (circa 1100).

Ben-Daud, Ibrahim, Sefer ha-Kabbalah, in Mediaeval Jewish Chronicles, ed. Neubauer, I, 79

Benjamin of Tudela, The Itinerary of Rabbi Benjamin of Tudela, Asher, A., tr. (London and Berlin, 1841). and ed., 2 vols.

Blake, R. P., and Frye, R. N., Notes on the Risala of Ibn Fadlan in Byzantina Metabyzantina,

Vol. I, Part 11, 1949. Brutzkus, J., Chasaren in Jewish Enc. (New York, 1901-6).

Bury, J. B., A History of the Eastern Roman Empire (London, 1912).

Bury, J. B., Byzantinische Zeitschrift XIV, pp.511-70.

Buxtorf, J., fil., ed., Jehuda Halevi, Liber Cosri (Basle 1660).

Carpini, The Texts and Versions of John de Plano Carpini, ed. Hakluyt, Works, Extra Series v.13

(Hakluyt Soc., 1903).

Cassel, Paulus (Selig), Magyarische Alterthmer (Berlin, 1847).

Cassel, Paulus (Selig), Der Chasarische Knigsbrief aus dem 10. Jahrhundert (Berlin, 1876)

Cedrenus, Georgius, ed. Bekker (Bonn, 1839). Chwolson, D. A., Eighteen Hebrew Grave

Inscriptions from the Crimea (in German: St Petersburg, 1865) (in Russian: Moscow, 1869).

Chwolson, D. A., Corpus of Hebrew Inscriptions, German ed. (St Petersburg, 1882).

Comas, J., The Race Question in Modern Science (UNESCO, Paris, 1958).

Constantine Porphyrogenitus, De Administrando Imperio, revised 2nd ed. of Moravcsik and

Jenkins' text (Washington DC, 1967).

Constantine Porphyrogenitus, De Cerimoniis, ed., with commentary, A. Vogt (Paris 1935-40)

Dimaski, Muhammad, Manuel de la Cosmographie du Moyen Age (Copenhague, 1874).

Disraeli, B., The Wondrous Tale of Alroy (London, 1833).

Druthmar of Aquitania, Christian, Expositio in Evangelium Mattei, in Migne, (Paris 1844-55). Patrologia Latina

Dubnow, S., Weltgeschichte des jdischen Volkes, Band IV (Berlin, 1926).

Dunlop, D. M., The History of the Jewish Khazars (Princeton, 1954).

Dunlop, D. M., The Khazars in The World History of the Jewish People, see Roth, ed.

Dunlop, D. M., Khazars in Enc. Judaica, 1971-2 printing.

Eldad ha-Dani, Relations d'Eldad le Danite, Voyageur du IXe Siècle (Paris, 1838).

Fishberg, M., The Jews - A Study of Race and Environment (London and Felling-on-Tyne, 1911).

Fraehn, Khazars, Memoirs of the Russian Academy (1822).

Frazer, Sir James, The Killing of the Khazar Kings in Folklore, XXVIII, 1917.

Frye, R. N., see Blake, R. P.

Fuhrmann, Alt-und Neusterreich (Wien, 1737).

Gardezi, Russian tr. Barthold, Académie Impériale des Sciences, seérie VIII, Petersburg, 1897). Vol. I, No.4 (St

Gibb, H. A. R., and de Goeje, M. J., article on Arab Historiography in Enc. printing. Britannica, 1955

Gibbon, B., The History of the Decline and Fall of the Roman Empire, Vol. V).1901 (2nd ed., London,

Goeje, de, ed., Bibliotheca Geographorum Arabicorum (Bonn).

Goeje, de, see Gibb, H. A. R.

Graetz, H. H., History of the Jews (Philadelphia, 1891-98).

Gregoire, H., Le 'Glozel' Khazare, Byzantion, 1937, pp.225-66.

Halevi, Jehuda, Kitab at Khazari, tr. Hirschfeld, new revised ed. (London, 1931); see also

Buxtorf, J., fil.

Harkary, A. B., Ein Briefwechsel zwischen Cordova und Astrachan zur Zeit), als Beitrag zur alten Geschichte Süd-Russlands in 960 Swjatoslaws (um .97-69 Russische Revue, Vol. VI, 1875, pp.

Harkavy, A. B., Altjdische Denkmler aus der Krim, Memoirs of the Russian Academy (1876)

Herzog, E., see Zborowski, M.

Hudud al Alam (Regions of the World), Barthold V., ed. (Leningrad, 1930), explanation, Minorsky, V. (London, 1937). translation and

Hussey, J. M., Cambridge Mediaeval History, Vol. III c (1966).

Ibn Fadlan, see Zeki Validi Togan; also Blake R. P., and Frye, R. N.

Ibn Hawkal, Bibliotheca Geographorum Arabicorum; 2 ed. Kramers (1939). See also Ouseley, Sir W.

Ibn Jakub, Irahim, Spuler, B.,in Jahrbcher fur die Geschichte Osteuropas, III,1-10.

Ibn Nadim, Kitab al Fihrist (Bibliographical Encyclopaedia), ed. Flgel.

Ibn Rusta, ed. de Goeje, Bibliotheca Geographorum Arabicorum VII.

Ibn-Said al-Maghribi. Bodleian MS quoted by Dunlop (1954), p.11.

Istakhri, ed. de Goeje, Bibliotheca Geographorum Arabicorum, pars. 1.

Jacobs, J., On the Racial Characteristics of Modern Jews, J. Anthrop. Inst., Vol. .1886 XV, pp. 23-62,

Kahle, P. E., Bonn University in pre-Nazi and Nazi Times: 1923-1939. Experiences of a

German Professor, privately printed in London (1945).

Kahle, P. B., The Cairo Geniza (Oxford, 1959).

Karpovich, M., see Vernadsky, G.

Kerr, N., Inebriety (London, 1889).

Kniper, A. H., Caucasus, People of in Enc. Britannica, 1973 printing.

Koestler, A., Judah at the Crossroads in The Trail of the Dinosaur (London and Danube ed., 1970). New York, 1955;

Kokovtsov, P., The Hebrew-Khazar Correspondence in the Tenth Century (in (Leningrad, 1932). Russian)

Kutschera, Hugo Freiherr von, Die Chasaren (Wien, 1910).

Landau, The Present Position of the Khazar Problem, (in Hebrew), Zion, Jerusalem, 1942.

Lá zló, G., The Art of the Migration Period (London, 1974).

Lawrence, T. E., Seven Pillars of Wisdom (London, 1906 ed.).

Leiris, M., Race and Culture (UNESCO, Paris, 1958).

Luschan, F. von, Die anthropologische Stellung der Juden, Correspondenzblatt der deutschen

Gesellschaft für Anthropologie, etc., Vol. XXIII, pp.94-102, 1891.

Macartney, C. A., The Magyars in the Ninth Century (Cambridge, 1930).

McEvedy, C., The Penguin Atlas of Mediaeval History (1961).

Marquart, J., Osteuropäische und ostasiatische Streifizüge (Hildesheim, 1903).

al-Masudi, Muruj udh-Dhahab wa Maadin ul-Jawahir (Meadows of Gold Mines and Precious

Stones), French tr., 9 vol. (Paris, 1861-77).

Mieses, M., Die Entstehungsuhrsache der jüdischen Dialekte (Berlin-Wien, 1915).

Mieses, M., Die Jiddische Sprache (Berlin-Wien, 1924).

Minorsky, V., see Hudud al Alam.

Muquadassi, Descriptio Imperii Moslemici, Bibliotheca Geographorum Arabica III, 3 (Bonn).

Nestor and pseudo-Nestor, see Russian Primary Chronicle.

Obolensky, D., The Byzantine Commonwealth - Eastern Europe 500-1453 (London, 1971)

Ouseley, Sir W., The Oriental Geography of Ebn Haukal (London, 1800).

Paszkiewicz, H., The Origin of Russia (London, 1954).

Patai, R., article "Jews" in Enc. Britannica, Vol. XII, 1054, 1973 printing.

Petachia of Ratisbon, Sibub Ha'olam, ed. Benisch (London, 1856).

Photius, Homilies, English translation with introduction and commentary by (Cambridge, Mass., 1958 C. Mango

Poliak, A. N., "The Khazar Conversion to Judaism" (in Hebrew), Zion, Jerusalem, 1941.

Poliak, A. N., Khazaria - The History of a Jewish Kingdom in Europe (in Hebrew) (Mossad

Bialik, Tel Aviv, 1951).

Povezt Vremennikh Let, see Russian Primary Chronicle.

Priscus, Corpus Scriptorum Historiae Byzantinae (Bonn).

Reid, G. A., Alcoholism (London, 1902).

Reinach, Th., "Judaei" in Dictionnaire des Antiquits.

Reinach, Th., article "Diaspora" in Jewish Enc.

Renan, Ernest, Le Judaisme comme Race et Religion (Paris, 1883).

Ripley, W., The Races of Europe (London, "900).

Russian Primary Chronicle, Laurentian Text, tr. and ed. Cross, S. H., and Sherbowitz-Wetzor, C.

P. (Cambridge, Mass., 1953).

Roth, C., ed. The World History of the Jewish People, Vol. II: The Dark Ages (London, 1966).

Roth, C., Jews in Enc. Britannica, 1973 printing.

Sava, G., Valley of the Forgotten People (London, 1946).

Schram, Anselmus, Flores Chronicorum Austriae (1702).

Schultze - Das Martyrium des heiligen Abo von Tiflis, Texte und Untersuchungen für Geschichte

der altchristlichen Literatur, XIII (1905).

Shapiro, H., The Jewish People: A Biological History (UNESCO, Paris, 1953).

Sharf A., Byzantine Jewry - From Justinian to the Fourth Crusade (London, 1971).

Sinor, D., Khazars in Enc. Britannica, 1973 printing.

Smith, H., in Proc. Glasgow University Oriental Society, V, pp. 65-66.

al-Tabari, Geschichte der Perser und Araber zur Zeit der Sasaniden (Leyden, 1879-1901).

Togan, see Zeki Validi.

Toynbee, A., A Study of History, abridgement of Vols. I-VI by D. C. Somervell (Oxford, 1947).

Toynbee, A., Constantine Porphyrogenitus and his World (London, New York).1973 and Toronto,

Vasiliev, A. A., The Goths in the Crimea (Cambridge, Mass., 1936).

Vernadsky, G. Ancient Russia in Vernadsky and Karpovich, A History of Russia, Haven, 1943). Vol. I (New

Vernadsky, G., Kievan Russia, in the same series, Vol. II (New Haven, 1948).

Vetulani, A., The Jews in Mediaeval Poland, Jewish J. of Sociology, December, 1962.

Virchow, R., Gesamtbericht . . . über die Farbe der Haut, der Haare und der Augen der

Schulkinder in Deutschland, Archiv für Anthropologie, Vol. XVI, pp. 275-475, 1886.

Weingreen, J., A Practical Grammar for Classical Hebrew, 2nd ed., Oxford, 1959

William of Malmesbury, De gestis regum Anglorum.

Yakubi, Buldan, Bibliotheca Geographorum Arabica VII (Bonn).

Yakut, Mujam al-Buldan, ed. Wstenfeld (Leipzig, 1866-70).

Zajaczkowski, The Khazar Culture and its Heirs (in Polish) (Breslau, 1946).

Zajaczkowski, The Problem of the Language of the Khazars, Proc. Breslau Soc. .1946 of Sciences,

Zborowski, M., and Herzog, E., Life Is With People - The Jewish Little-Town of (New York, 1982). Eastern Europe

Zeki Validi Togan, A., Ibn Fadlans Reisebericht in Abhandlungen für die Kunde des

Morgenlandes, Band 24, Nr. 3 (Leipzig, 1939).Zeki Validi Togan, A., Völkerschaften des Chasarenreiches im neunten Jahrhundert, Körösi